خاندانِ نبوّت

مؤلفہ

سیّد آلِ محبوب پیرزادہ ساجد

اہتمام :۔ عظیم اللہ خان

مالک عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور

مطبع :۔ منظور عام پریس پشاور

بار اوّل ۔۔۔۔۔۔ صفر المظفر ۱۳۸۴ ھ

تعداد ۔۔۔۔۔۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت ۔۔۔۔۔۔

فہرست مضامین

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

(اقبالؔ)

انتساب

بنامِ پاکِ حسین علیہ السلام

مؤلّف

○

تعارفِ مؤلف

از محمد طاہر فاروقی ایم۔ اے۔ دکتور ادب (جامعہ)
صدر شعبۂ اردو۔ پشاور یونیورسٹی

عزیزم سید آلِ محبوب پیرزادہ میرے طالبِ علم ہیں اور اس لئے میں ان کی اہلیت و صلاحیت سے بخوبی واقف ہوں۔ آپ مخدومی جناب سید آلِ نبی صاحب پیرزادہ ایم۔ اے۔ بی ٹی (علیگ) کے خلف الرشید اور حضرت محتشم جناب دیوان سید آلِ رسول صاحب مدظلہٗ (سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف) کے برادر زادہ اور خویش ہیں۔ سلطان الہند خواجۂ بزرگ رح کی نسبت اور ایسے بزرگوں کے فیضانِ صحبت کی بدولت عزیز موصوف کو صحیح اور بہتر تربیت حاصل کرنے کے

مواقع میسر آئے جس نے ان میں ذوق سلیم اور صالح عقیدت پیدا کی اور جدید تعلیم نے اس پر اور بھی جلا کر دی۔

ان کی تازہ تالیف "خاندانِ نبوت" اسی نسبت، تربیت، اور فیضان کا نتیجہ ہے یہاں آپ کو گلہائے عقیدت بھی ملیں گے اور آثار نسبت بھی۔

شرافت انسانی اور سعادت بشری کے لئے "عمل" لازم ہے اور عمل جامع ہے اخلاق حسنہ۔ کردار بلند، اطاعتِ حق، عشق رسولؐ۔ خدمت خلق اور جملہ اعمال صالحہ کو۔ ظاہر ہے کہ ان سب کے لئے واحد نمونۂ کامل سیرتِ رسول صلعم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اور سیرتِ طیبہ کا نقش تام اور عکس کامل نظر آتا ہے۔ اہل بیتؓ صحابہ کبار، خاندان نبوت اور اولیاء کرام کی پاک زندگیوں میں۔ اس لئے یہ سبق جتنی بار دہرایا جائے اور یہ تذکرہ جس طرح بھی کیا جائے فیض و برکت کا حامل ہے۔ اور آج کی دنیا میں تو یہ آواز بار بار اٹھانی اور بھی ضروری ہے تاکہ نئے ذہن ان انوار سعادت سے حسب توفیق فیض پا سکیں۔

تازہ خواہی داشتن گر زخم ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

عزیزم آل محبوب نے اس تالیف میں کاوش و محنت کا ثبوت دیا ہے عنوانات کے مناسب انتخاب اور حسن ترتیب سے اس کو مفید تر بنایا ہے۔ مطالعہ میں توجہ کی جائے تو ثابت ہوگا کہ عہد رسالت سے حضرت خواجۂ بزرگ تک ایک ہی آفتاب عالم تاب کی درخشانی مختلف روپوں میں جلوہ فگن ہے۔ یہ عکس اس کتاب کے مطالعہ سے یقیناً مرتب ہوتا ہے۔

سائنسی اور مادی ترقی کا یہ ہنگامہ آرا اور طوفان خیز دور اپنی تمام رعنائیوں اور تابناکیوں کے باوجود نہ قلب کو تسکین بخشتا ہے اور نہ روح کو۔ زندگی کی بے اطمینانی سے بچاؤ اور روحانی تسکین کا سامان مل سکتا ہے تو مقتدایان روحانیت کے آغوش میں۔ اپنے تجربہ عمل اور مشاہدے کو سب کچھ جاننا، اور وجدان، شعور اور روح کی دنیا سے کامل دوری آج کی بے چینی اور ہراس کا واحد سبب ہے قلبی سکون، روحانی آسودگی اور باطنی تشفی جن اکابر ملت کے فیضان سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ کتاب انہی کے تذکرے سے مزین ہے۔ انشاء اللہ اس کا مطالعہ منتشر ذہنوں کو آسودگی بخشے گا۔ اور ان اولیاء و صالحین کا فیض روحانی تسکین کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

ہر کہ از سرّ نبیؐ گیرد نصیب
ہم بہ جبریل امیں گردد قریب

میری دعا ہے کہ عزیزم آلِ مجبوب کا یہ ہدیۂ عقیدت قبولِ عام حاصل کرے اور خدا ان کو آئندہ بھی دینی و علمی خدمت کی توفیق عطا فرمائے !!

"یوم پاکستان"

۲۳ر مارچ ۱۹۶۴ء

محمد طاہر فاروقی

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ الاَجْمَعِیْن

اُمتِ خیرالانام کی ایک دینی اور علمی ضرورت کے تحت اہل بیتِ رسالت اور خاندانِ نبوت کے حالات پر یہ تالیف پیش کر رہا ہوں خصوصاً اس لئے کہ اعتقاداتِ اسلام اور تعلیماتِ اسلام آسان تو ہیں مگر اتنی آسان نہیں، کہ مشقتِ تحصیل اور اسنادِ کامل کی امداد کے بغیر اس کا ہر پہلو سمجھ لیا جائے۔ اور اپنی بے بنیاد ہمہ دانی کا تصور کر کے زبان سے تنقید اور تبصرہ شروع کر دیا جائے۔ مگر آجکل ہر عالمی اور خصوصاً مغرب زدہ طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ فن طب جسم انسانی سے تعلق رکھتا ہے مگر ہر انسان اپنے جسمانی علاج کے لئے بھی ایک ماہرِ فن اور کامل معالج کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس کی تجویز میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتا۔ تعلیم اسلام جس کا تعلق رُوح

انسانی کے ارتقاء سے ہے اس کا علاج تو اور بھی مشکل ہے۔ اللہ۔ اللہ کی توحید اللہ کے پیام کی دعوت اس عالم میں آئی اور اس پہ ایمان و یقین طلب کیا گیا وُہ ایمان و یقین جو رُوح کو بلند کر سکے اس کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے پہلے رسولِ کریم کو بھیجا۔ پھر بتدریج اپنی کتاب نازل فرمائی۔ کلمہ طیبہ کے ذریعہ توحید کا پہلا سبق دینا تھا تو رسولِ کریم کی طرف رجوع کے لئے کلمہ طیبہ ہی میں اپنی توحید کے ساتھ رسولِ کریم کی رسالت کا اقرار لیا۔ کہ اللہ۔ اللہ کی توحید اور اللہ کے پیام کو یہی سمجھا سکتے ہیں۔ اس نصاب تعلیم کو لیکر ۲۳ سال تک روح الامین آتے جاتے رہے۔ دن رات تعلیم جاری رہی۔ اہلِ بیتِ رسول اور اصحابِ رسول روزِ آخر تک رسولِ کریم سے علمی اور عملی زندگی سیکھتے ہی رہے اس تعلیمی مشقت کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ گروہِ قدسی فاتحِ عالم بھی ثابت ہوا اور فاتحِ قلوبِ انسانی بھی۔ کتابِ الہٰی اور کتابِ الہٰی کے سکھانے والے یعنی دونوں پر نظر قائم رکھنا ضروری ہے۔ اسی لئے آنے والی نسلِ انسانی کی ہدایت کے لئے واضح طور پر فرما دیا گیا۔

(۱) اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَین کِتَابُ اللّٰہِ وَعِترَتِی

(۲) مَثَلُ اَھلِبَیتِی کَسَفِینَةِ نُوحٍ مَنْ رَکِبَہَا نَجَاءَ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْہَا ہَلَکَ۔

(۳) اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّہِم اَقتَدَیتُمْ اِھتَدَیتُمْ ہ

اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ قرآنِ کریم نے اِن ہادیانِ نسلِ انسانی کے لئے کیا کہا تو وُہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ط

(۲) قُلْ لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ ط

(۳) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ط

پہلی آیت پاک بتا رہی ہے کہ اہل بیت رسول کو اللہ تعالیٰ نے گناہ اور لغزش سے اک مقصدِ عظیم کے تحت پاک کیا ہے کہ اتباع کرنے والے ان کی طرف کسی لغزش کا تصور بھی نہ کریں۔ چنا اور چنیں سے پرہیز کریں۔

دوسری آیت بتا رہی ہے کہ بہ عظمت رشتہ محبت سے اہل بیتِ رسول کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئیے۔ اتباع اسی ذریعہ سے آسان ہوتی ہے

تیسری آیت بتا رہی ہے کہ اصحابِ رسول وہ لوگ ہیں جن سے اللہ راضی ہے ان کی اتباع میں رضاء الٰہی مضمر ہے۔

اہل بیت رسول اور اصحاب ایک مشترک گروہِ قدسی ہے اِس لئے پھر صاف طور پر قرآن کریم نے فرما دیا تا کہ اتباع و اطاعت کے سبب سے اُمت پر انعاماتِ الٰہی کی بارش ہوتی رہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

رَفِيْقًا۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ط

ترجمہ:۔ جس نے اللہ ورسول کی اطاعت کی وہ (حشر میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کی نعمتیں نازل ہوئیں (یعنے) انبیاء صدیقین۔ شہدا اور صالحین اور یہ اچھے رفیق ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ کافی طور پر جاننے والا ہے (حقیقتِ امور کا)

مختصراً بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ الحمدللہ لاکھوں امتی نماز تو دن میں پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ رکعتوں کے لحاظ سے روزانہ ۲۴ گھنٹوں میں ۴۸ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ہر دفعہ اس سورۂ فاتحہ میں یہ تعلیم زبان اور دل سے گذرتی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ط

ترجمہ:۔ یا اللہ ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمایا۔ وہ صراطِ مستقیم جس کے چلنے والوں پر تیری نعمتیں نازل ہوئیں۔

صراطِ مستقیم کا نشان انہی اکابر کو ٹھیرایا گیا ہے ان کے نشانِ قدم پر ہی صراطِ مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے اور نعمت وانعام الہٰی کا مرکز یہی اکابر ہیں۔

پس اس تالیف کا یہی مقصد ہے کہ ان اکابر کی طرف حُسنِ ظن۔ رغبتِ اتباع اور محبت کے ساتھ دِل وابستہ رہیں تو انشاء اللہ تعالےٰ صراطِ مستقیم کا نشان دین و دنیا میں نظر سے اوجھل نہ رہیگا اور اُمت پر انعاماتِ الہٰی کا

دروازہ کھلا رہے گا۔ کیونکہ یہ گروہ قدسی تعلیمات قرآنی کا عملی نمونہ ہیں۔ اور اپنے جملہ حالات سے یہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم کی تعلیم کی بھرپور اتباع غیر نبی بھی کر سکتے ہیں۔ اور دین و دنیا کی عزت سرفرازی اور مرادمندی حاصل کر سکتے ہیں۔ گلستان محمدی کے پھول اور پھلوں کے لئے نظر کی وسعت داما نی دونوں چیزیں ان کی بارگاہ سے مل سکتی ہیں۔ اور اہل اللہ کو ہمیشہ ملتی رہی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اخبار الاخیار میں خدا رسی کے لئے اسی راستے کو اقرب السبل لکھا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اہل بیت نبوت کے مناقب سے جن کا قرآن وحدیث میں بار بار ذکر آتا ہے۔ بالکل ناآشنا ہیں اور ان کے کارناموں سے بھی نابلد ہیں جو سیر اور تاریخ کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ لوگ اپنی پست حوصلگی کی وجہ سے اُن کے اعلیٰ محاسن اخلاق انکا علم وعرفان۔ انکا انہماک عبادت۔ ان کی خدمت خلق اور ان کا جہاد فی سبیل اللہ میں ثبات اور انکی شجاعت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان حالات میں کم از کم اپنی لاعلمی اور کم فہمی کے سبب خاموش رہنا چاہیئے۔ مگر اپنی اس جہالت کے باوجود وہ شرماتے نہیں بلکہ جرأت سے ایسے مواقع پر جب اُن گرامی قدر ہستیوں کا ذکر ہوتا ہے تو اپنی جہالت آمیز دریدہ دہنی سے اعتراضات کرتے ہیں۔ حسن اتفاق سے ایسے

موانع پردہ باخبر لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو اپنے ان اکابر کے حالات کا بغور مطالعہ کر چکے ہیں اور ان کی عظمت و محبت کا ایک اہم تصور ذہن میں رکھتے ہیں۔ معترض لوگ ان کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی شقاوت سے ان کی دل آزاری بھی کرتے ہیں میرے علم میں ہے کہ بعض علمی مرکزوں پر بھی دونوں قسم کی گفتگوئیں ہوتی رہتی ہیں خصوصاً اس لئے کہ نصاب کے لحاظ سے کچھ ایسے مضامین بار بار ادب اردو کا عنوان بن کر سامنے آتے رہتے ہیں کہ بعض نام نہاد اہل علم بھی واقعہ کربلا کے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ تمام روایات غلط ہیں۔ بس یہ ایک جماعت کے قتل کا واقعہ ہے جو نصف گھنٹے میں انجام پا گیا۔ گویا ان کے نزدیک اس جماعت قدسی کی دین حقہ پر ثابت قدمی۔ اس آئین پر ثابت قدمی۔ اس آئین کی حمایت بلند حوصلگی۔ شجاعت سب باتیں معاذ اللہ غلط ہیں۔ چودہ سو سال سے جن واقعات کو اکابر اہل علم بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ کسی ایک کا نگریسی خیال کے مولف کے ایسے رسالے سے جو چند صفحات پر مشتمل ہو۔ معاذ اللہ غلط ہو گئے۔ مثلاً ہم صرف ایک بات بیان کرتے ہیں۔ واقعہ کربلا میں ان حضرات کا شجاعت اور ثابت قدمی کے ساتھ اعداء دین کا نادیدہ مقابلہ اور پھر شجاعت کے ساتھ شہادت اس کے تحت چند چیزیں درج ذیل ہیں۔ کاش ان پر غور کی نظر ہوتی۔

۱۔ اس زمانہ تک انفرادی جنگ کی شرط قبول کی جاتی تھی۔ اور اظہار شجاعت میں فریقین۔ اس کو اچھا سمجھتے تھے۔

۲۔ دونوں طرف ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی شجاعت کی شہرت دُور دور ہوتی تھی۔ قوم کے ایک بہادر اور شجاع کی یہ شہرت بھی ہوتی تھی کہ وہ اکیلا ہزار اعداء کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ رسول کریمؐ کے زمانہ میں جب غزوۂ احزاب ہُوا تو عمر ابنِ عبدوُد خندق عبور کر کے مبارز طلب ہُوا تو حضورؐ نے فرمایا۔ کون اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ تین مرتبہ یہ فرمایا گیا۔ ہر مرتبہ صرف حضرت علیؓ مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو یہی عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس کے لئے یہ مشہور ہے کہ یہ اکیلا ایک ہزار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے وہ قتل ہُوا۔ حضورؐ کے غزوات میں اس کا ذکر تقریباً ہر جگہ آتا ہے اور حضورؐ کی سیرت اور غزوات کے واقعات نہایت احتیاط کے ساتھ تاریخ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔

۳۔ واقعہ کربلا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے فرزندان ارجمند بھی تھے اور اس مشہور شجاعان بنی ہاشم کے خاندان کی ۱۸ گرامی قدر ہستیاں موجود تھیں۔ جو احبابِ خاص تھے وہ حمایت دین کے جذبات سے اسقدر سرشار تھے کہ ہر ایک زندگی کے مقابلہ میں شہادت اور اجرِ آخرت کا خواہاں تھا۔ یہ اُمور جذبات شجاعت میں اور اضافہ کرنے کا سبب ہوتے تھے۔

۴۔ یزید کی فوج کا ہر فرد زندہ رہنا اور دنیا وی زندگی کے انعامات کا خواہاں تھا اور یہ جذبہ انسان کی رہی سہی شجاعت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

۵۔ آجکل کے فیشن پرست نوجوان جو اس واقعہ کے سلسلہ میں شجاعت

شہدائے کربلا سے انکار کرتے ہیں اگر وہ اپنے طرز زندگی پر ہی غور کر لیں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ ان کی گردن پر تو تائی سے زیادہ وزن کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔ اس لحاظ سے ان کے لئے یہ کہدینا کافی ہے کہ جوابِ جاہلاں باشد خموشی نیز یہ کہ دربدہ دہن اور اہل دین سے ناآشنا لوگوں نے تو معاذاللہ خدا و رسول کی بارگاہ میں بھی گستاخی کی۔ معاذاللہ کسی نے اللہ کو ذوولد کہا۔ کسی نے رسول کو کاہن کہا۔

۶۔ لہٰذا گذارش یہی ہے کہ دورِ حاضرہ کے شعور اور عقل پر دین کی ہر بات کو نہ تولا جائے تو خیریت اسی میں ہے۔ معراج نبوی۔ حضرت عیسٰی کا مردوں کو زندہ کرنا۔ عصائے موسٰی۔ ید بیضا۔ حضرت ابراہیم کے لئے آتش کا گلزار ہونا، ان میں سے کوئی بات جاہل انسان کی عقل اور فہم میں نہ آیگی حالانکہ ان عنوانات کا بیان خود قرآن کریم میں ہے جن کو اللہ تعالےٰ کے قادر و قیوم ہونے پر ایمان حاصل ہے وہ یقین کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نبی۔ نبی زادوں اور اولیاء اللہ کو قدرت و قوت عطا ہوتی ہے اور اس قدرت سے وہ دشوار چیزیں آسان اور ممکن الوقوع ہوجاتی ہیں بلکہ حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہیں۔

اس پیش لفظ کو ختم کرنے سے پہلے اخلاقاً ضروری ہے کہ اس تالیف میں مجھے جن حضرات سے مشورہ کی امداد ملتی رہی اُن کا شکریہ ادا کروں۔ اس سلسلہ میں مجھے اپنے والد ماجد پیرزادہ سید آل نبی سالک ایم۔ اے (علیگ) نیز اپنے برادر حقیقی سید آل مزمل پیرزادہ عارف ایم۔ اے (پنجاب) لیکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور سے جو امداد ملتی رہی۔ اس کا بہت بہت شکریہ۔

ان کے علاوہ مجھے اپنے برادرِ نسبتی پیرزادہ سید آلِ سیدی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جن کے ذاتی کتب خانہ سے مجھے مدد ملتی رہی۔ اس کی طباعت میں بھی اُن کا ذوقِ سلیم اور دلچسپی قابلِ صد شکریہ ہے۔

سید آلِ محبوب پیرزادہ ساجد
اَجمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً ؕ

تعارفِ تالیف

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

اہل بیت رسالت کے مناقب۔ حالات اور سیرت کے ساتھ ان کی گرانقدر شہادت کا عنوان وہ عنوان ہے جس کو سیاہی سے نہیں بلکہ خونِ دل سے لکھنا تھا اس لئے کہ اس وقت ہمکو اپنے محترم نبی زادوں کی اُس منزل تک پہنچنا ہے جس کی راہیں بڑی دشوار ہیں۔ بادیہ پیمائی۔ دشت نوردی، آبلہ پائی کے ساتھ بھوک اور پیاس کی مصیبتیں۔ زن و فرزند کے آلام ظالموں کے ظلم۔ نیزہ و شمشیر کے زخم۔ مقدس ترین خونِ انسانی کی افشاں اور خونی آبشاریں رگِ گلو اور قلب و جگر سے بہتی ہوئی دیکھنی پڑیں گی اور اس پر عمل

کیلئے ہر اُس موقع پر جب شیطنیت برسرِ اقتدار آنا چاہیگی مقابلہ کے لئے تیار ہونا پڑیگا اس لئے کہ

بہ شہادت گہہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اگر ان کے اس امتحانِ عشق اور شاہ کارِ دین کے دُور رس نتائج تک نظر نہ پہنچی تو اہلِ نظر کی زبان سے یہ طعن بھی سننا پڑے گا کہ

بخوں آلودہ تیغ و دستِ غازی ماندے تحسیں
تو اوّل زیب اسپ و زینت برگستواں بینی

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے ایک قربانیٔ پسر طلب کی اور وُہ بیدریغ اُس قربانی کیلئے تیار ہو گئے۔ امتحان پُورا ہو گیا مگر گوسفند ذبح ہو گیا اور حضرت اسمٰعیل بچ گئے۔ مشیت صرف امتحانِ خُلّت ہی چاہتی تھی اور وہ بھی اپنے خلیل کی دلداری اور فرزندِ خلیل کی نازبرداری کی حدود میں۔

طغیانِ ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل
در زیرِ تیغ رفت و شہیدش نمی کنند۔

اسی فداکاری کے عوض خلیل و فرزندِ خلیل اور زوجۂ خلیل یعنی کنبہ بھر کی داستانِ عشق کی بقا کا سامان ہو گیا۔ اور اللہ نے اپنے بندوں کو حکم کر دیا کہ میرے اس برگزیدہ گھرانے کی تمام حرکات و سکنات کو قیامِ عالم تک کعبہ میں آ کر دہرائے جاؤ۔ گوسفند کی ذبح کی یاد میں گوسفند ذبح کرتے رہو۔ اور ہاجرہ کی سعی کی یاد میں سعیٔ صفا و مروہ کئے جاؤ۔ سنگ ریزوں کی یاد میں سنگ ریزے

بھٹکتے رہو۔ اور یہ اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس آتشکدۂ عشق سے ایک دھواں اٹھتا ہی رہا ہے۔ آخر کعبۃ اللہ کائنات کیلئے ہمارا سب سے پہلا معبد ہے اس لئے اس کے ساتھ ہمارے خلیل کے ہاتھ سے ایک رنگین داستانِ عشق کی ابتدا ہو جائے اس داستانِ عشق کی گُل کاری اور اس کا تکملہ سید الانبیاء کے ہاتھ سے کرانا ہے اور اُن کی ذریتِ طیبہ کے خونِ سُرخ سے کرانا ہے بقول علامہ اقبال ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اسکی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

یہ اس لئے کہ سید الانبیاء تو سید الانبیاء بھی تھے۔ خاتم النبین بھی تھے اور آخری نبی کا یہی آخری کنبہ تھا۔ اس لئے دونوں عالم کے وہ مرحلے جن میں بقائے دین کے لئے استبداد سے سخت تصادم ہو جاتا ہے اُن سے اور اُن کے گھرانے سے طے کرانے تھے تاکہ اس خیر الامم کو (بعد رسالت اور بعد خلافتِ راشدہ) جب ایسے نازک مرحلے پیش آئیں تو اپنے امام کا اسوہ پیشِ نظر رہے۔ بات بھی صحیح ہے۔ اگر بقائے دین کے سب مرحلے فرزند خاتم الانبیاء طے نہ کرتے تو پھر کون ان کو طے کرنے آتا۔ بندوں سے اللہ کے احکام کو منواتے رہنے کی مصیبت کون مول لیتا۔ یہ کام بڑی مصیبت کا ہے۔ کہتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے ملکر یہ کام کیا تھا مگر پھر بھی سید الانبیاء کے آئے بغیر کام نہ چلا۔ انسان خطا اور نسیان کا پتلا ہے جو پڑھتا ہے بھول جاتا ہے۔ ایسے انسان کو اس مرتبہ خدا پرستی کا سبق اس طرح پڑھانا تھا کہ پھر یہ انسان خدائے واحد کو نہ بھولے نہ پتھر کے بُت کو پوجے اور نہ شمس و قمر کو۔ کام مشکل تھا مگر آسان ہو گیا۔

یہ کام اس لئے آسان ہو گیا کہ محب اور محبوب کے درمیان تکلف نہیں ہوتا کسی مرحلے پر ناز اور ناز برداری کا سوال نہیں ہوتا۔ محب کا کام محبوب کو انجام دینا ہی پڑتا ہے۔ اس انوکھے محبوب نے حدود اللہ کو قائم کر کے

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

کی سند پہلے ہی حاصل کر لی تھی اور بقائے دین کے لئے اپنی ذریت طیبہ کے خون سرخ کو محفوظ رکھا اور اللہ سے وعدہ کیا کہ وقت آنے پر حدود اللہ کی حفاظت کے لئے اس خون سرخ سے وہ تاریخ لکھدی جائے گی کہ پھر نہ اس میں کوئی غلط مبحث ہو سکے گا نہ اس کی شکل و صورت بدلی جائیگی۔ اللہ کے پسندیدہ اصول کا ایک حرف بھی نہ بگڑے گا۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو اور جمع بین الاختین نہ ہو تو ایک یزید نہیں ہزار یزید مل کر اپنا سر پھوڑتے رہیں مگر یہ نہ ہوگا۔ آخر وقت آیا اور حسب وعدہ محب کا کام محبوب کی توجہات اور انتظامات اور محبوب زادوں کی قربانیوں سے انجام پا ہی گیا اور اس طرح کہ اہل نظر نے چلا کر کہا

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن!

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بخشش امت محبوب کا کام تھا۔ کروڑوں کی امت۔ بشریت کی ہزاروں لاکھوں لغزشیں غرض یہ بھی بڑا کام تھا اور بہت بڑا کام۔ یہ محب کو انجام دینا تھا آخر محب نے کہہ دیا اور طرح طرح سے کہہ دیا کہ

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ

"یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا" اور پھر یوں کہا کہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

یعنی عنقریب آپ کا رب اتنا عطا فرمائیگا کہ آپ راضی ہو جائینگے"

اور پھر یہ بھی کہا کہ

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

یعنی میری رحمت وہ تو کل شئے پر حاوی ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ

سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَىٰ غَضَبِي

"میری رحمت میرے غصہ پر سبقت لے گئی" یہ سب بخشش اُمت کے سامان ہیں جو سید الانبیاء کے صدقہ سے ہوئے۔ یہ کیوں نہ ہوتا کہ محبوب اور محبوب زادوں نے کوئی معمولی کام نہیں کیا تھا۔ ایسا کام کیا تھا جس کی کوئی مثال تو پیدا ہوئی نہیں۔ یہ وہ کام تھا جس کے لئے محبوب کے گھر سے ایک ذبیح کی طلب نہ تھی بلکہ ۱۸ ذبیح تو محبوب کے گھر کے اور ۵۴ ذبیح اس گھر سے وابستہ رہنے والے۔ کل ۷۲ ذبیح کو نہ صرف خنجر کے سامنے آنا تھا بلکہ ذبح ہونا تھا۔ زخم کھا کھا کر ذبح ہونا تھا۔ اور پھر یہ شرط بھی تھی کہ یہ ۷۲ ذبیح اس طرح میدان ذبح میں آئیں کہ تین دن پہلے سے ہونٹ خشک ہو چکے ہوں زبانیں سوکھ چکی ہوں پھر جانشین حاجرہ و فاطمہ یعنی حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم اور ان کے ساتھ سب بچے اس حال میں ہوں۔ سب مخدرات عصمت اور نبی زادیاں بھی خشک دہن اور خشک زبان ہوں اور واقعہ سے بے خبر نہ ہوں بلکہ باخبر ہوں کہ اللہ کے ۷۲ ذبیح ذبح ہو جانے والے ہیں اور ہمارا

اللہ ہی حافظ ہے۔

عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

"وہ اپنے رب پر بھروسہ کرنے والے ہیں" کا بھرپور مظاہرہ ہو رہا ہو۔
ایک ایک ذبح باری باری آئے۔ اپنے امام سے اجازت لے نبی زادیاں دیکھیں کلیجہ منہ کو آئے مگر اُف زبان سے نہ نکلے کم سن بچے بھی دیکھیں کہ آغوشں میں پانے والا چلا۔ زخمی ہوا۔ خون میں نہا گیا۔ زمین پر آ رہا۔ ذبح کرنیوالے دوڑے اور ذبح کر گئے۔ فرشتوں کے دل بھی ہل جائیں تو ہل جائیں مگر اسی طرح اللہ کے عشق کے سرشار اپنے اللہ کے راستے میں اپنے اللہ کی حدود کو برقرار رکھنے کے لئے اور یزید پرستی کو مٹا دینے کیلئے آگے آتے جائیں اللہ کے اعدا سے قتال کرتے جائیں اور ذبح ہوتے جائیں۔

مراتب جن کے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے ؛ زمانے میں انہی کا امتحاں بھی سخت ہوتا ہے
مگر دعوئ تسلیم و رضا کا امتحاں تو یہ ؛ محبت کا، صداقت کا، وفا کا امتحاں تو یہ

غرض ان مراحل کے بعد فرزندانِ خاتم الانبیاء اور ان کے ہمنواؤں کی خونی ایثار نے اس کائنات میں ایسا تہلکہ برپا کرینگی کہ دورِ یزیدی کی خاک اڑ جائیگی۔ یزید کا بُت پندار خاک میں مل جائیگا اور ساری کائنات کو خدا ہی یاد آ جائیگا۔ اور اس طرح کہ بھلائے نہ بھولا جائیگا۔

تقریباً ڈیڑھ ہزار برس تو گذر گئے۔ اس امت نے نہ گئو سالہ پرستی کی۔ نہ بت پرستی کی۔ نہ شمس و قمر کے سامنے جھکے۔ سر وقتِ سجدہ جب جھکا اپنے خدا کے سامنے جھکا۔ اور یہ خمار تو ایسا چڑھا کہ قیامت تک اترنے والا نہیں۔ یاد

دیکھئے کسی بت نے کبھی یہ نہ کہا تھا کہ مجھے پوجو۔ بلکہ خود انسان نے ہی اس کو پوجا اور بتوں میں بتِ پندار یعنی اقتدار کا بت سب سے بڑا ہے اور جب بتِ اقتدار کے سامنے کھڑا ہو تو انسان حدود اللہ کو بھول جاتا ہے تو وہ پھر پتھر کے بت کو بھی پوج لیتا ہے۔ اس شاہ کار کے باوجود لاکھوں نے تو حسینؑ کو یاد رکھا مگر لاکھوں حسینؑ کو بھول گئے۔ لیکن جب کبھی استبداد اور جبروت نے سر کچلنا چاہا پھر سب کو حسین یاد آ گئے۔ اور پھر ایسے حسینؑ کے ساتھ سرد مہری اور بیوفائی کس لئے جس کی یاد ہر دفعہ خون کو اس طرح گرما دیتی ہے جس طرح سنہ ۶۱ھ میں ساری دنیا کے خون کو گرما دیا تھا۔

مختصر یہ کہ امتحانِ عشق و محبت کے ساتھ بقائے دین کے وہ سب اہم معاملات تو طے پا گئے جن کا اوپر ذکر آیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اُن کی یاد کے لئے کوئی حج کیوں نہ مقرر ہوا۔ خُلّت سے محبوبیت کا درجہ فائق ہے اور سید الانبیاء محبوبیت کے مقام پر فائز ہیں پھر اللہ کی طرف سے فرزندِ خلیل کی یاد منائی جائے اور فرزندِ محبوبِ رب العالمین اور فرزندِ سید الانبیاء کی یاد میں کوئی مظاہرہ نہ ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ مظاہرہ تو ہو گا مگر حشر کے روز جس کی طوالت پچاس ہزار سال اور اس لئے اس دنیا سے زیادہ طویل ہے۔ اگلے پچھلے چھوٹے بڑے جملہ انبیاء و جملہ صالحین اس روز میدان منٰی کی جگہ میدانِ حشر میں دیکھیں گے کہ تاجِ شفاعت جدِّ حسین کے سر پر ہو گا آبِ زمزم نہیں آبِ کوثر پدرِ حسین کے ہاتھوں سے پلایا جائیگا۔ میدانِ حشر میں آفتابِ محشر کی تمازت سے بچانیکا سامان یعنی لواءِ حمد بھی پدرِ حسین کے ہاتھوں میں ہو گا۔

حجرِ اسود نہیں بلکہ خود وجہ اللہ سامنے ہوگا۔ اور اس ساعتِ جلال میں مادرِ حسینؑ خونِ حسینؑ کے عوض امتِ مرحومہ کی شفاعت میں سید الانبیاءؐ کی ہمنوا ہو کر اللہ تعالےٰ سے شفاعت کا پرزور مطالبہ کر رہی ہونگی اور خونِ حسینؑ کے بدلہ میں سید الانبیاءؐ کی اُمت کی بخشش طلب کر رہی ہونگی۔ اور اسی طرح جناب حسینؑ شفاعتِ اُمّت کے لئے اپنے جدِ امجدؐ کے ساتھ ہمنوا ہوں گے۔ حج کی مہم کے بعد لوگ گناہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ جنت ابھی دور ہوتی ہے مگر اس مہم کے بعد شفاعتِ کبریٰ کے صدقہ گناہ سے بھی پاک ہو جائیں گے اور داخلِ فردوس بھی ہو جائیں گے مگر یہ جب ہو کہ دل میں اللہ و رسولؐ کی اتنی محبت تو ہو کہ اس روز ہم نشانِ محبت کے ساتھ پہچانے جا سکیں ان کی محبت ہوگی تو ان کی ہمرکابی کا شرف بھی ضرور ہوگا۔ ہمرکابی ہوگی تو نجات بھی ہوگی اس لئے کہ خود سید الانبیاءؐ کا ارشاد ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

ہمیشہ اکابرِ امت کی تو یہی تمنّا رہی ؎

دارد نیازِ حشرِ خود امید با حسینؑ

با اولیاء است حشرِ محبانِ اولیاء

ہمارے وہ احباب جن کو اسلامیات اور تاریخ اسلام کو فنی حیثیت سے پڑھنے کا موقعہ نہ ملا شاید یہ خیال کرتے ہوں کہ خاندانِ نبویؐ کا پرعظمت دور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ سید الانبیاءؐ

کا قرآن باقی رہا۔ دین باقی رہا۔ اُمت باقی رہی اور خاندانِ ذی شان بھی اپنی بھرپور عظمتوں کے ساتھ باقی رہا۔ اس سلسلۃ الذہب میں بڑی بڑی نامور ہستیاں پیدا ہوتی رہیں۔ اور دین حنیف کی اشاعت اہل دین کی سرپرستی اور اُمت عام کے ساتھ اُن کی شفقتیں جاری رہیں۔

حضرت امام حسین کے حالات تک آکر ہم ۶۱ھ تک آجاتے ہیں مگر ہم آپ کو اس تالیف میں بتانے والے ہیں کہ خاندان نبوی کے علمی اور عملی امتیازات۔ دینی خدمات اور کارنامے ابّاً عن جدٍّ کے طور پر مسلسل شکل میں مشہور و معروف ائمہ اہل بیت کے مقدس ہاتھوں سے ۲۶۰ھ تک جاری رہے باپ کے بعد ان کے فرزند وں اور ان کے بعد انکے فرزند یگانہ روزگار کی حیثیت سے علم و عرفان کے چشمے بہاتے رہے اور اُمت کے اکابر اور اُمت کے عام و خاص اُن سے سیراب ہوتے رہے ۲۶۰ھ ہجری کے بعد بھی خاندان نبوی میں گرامی قدر اکابر جیسے حضور غوث اعظم (اولاد امام حسنؑ سے) اور حضور خواجہ معین الدین چشتی (اولاد امام حسین سے) پیدا ہوتے رہے اور مختلف اقوام اور مختلف ممالک میں اپنے اپنے دور میں آفتاب و ماہتاب کی طرح ضیاء پاشیاں کرتے رہے۔ حضورؐ کی احادیث ہمیں بتاتی ہیں کہ وقت آئے گا کہ اسی خاندان نبوی میں اولاد جناب فاطمہ زہرہؑ سے حضرت امام مہدی آخر الزمان پیدا ہونگے اور وہ تمام روئے زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے لبریز کر دیں گے۔ جس طرح اُس وقت یہ زمین ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ جس طرح قیامت کے آنیکا ہمیں یقین ہے اسی طرح ہمیں قیامت سے پیشتر ظہور مہدی علیہ السلام

کا یقین ہے اور یقین کا اساس حضور کی احادیث ہیں۔

اب ہم اپنے اس تبصرہ کی تائید میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں جس کو حضرت موصوف کی مشہور ملفوظ اخبار الاخیار کے دیباچہ سے لیا ہے اور پھر ہم حضرت مولانا جامی کی ایک دعائیہ نظم پیش کریں گے یہ دونوں مضامین اہل بیت نبوت کے خصوصی امتیازات پر نہایت پُرزور تبصرہ ہیں اور اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ مناقب کی احادیث و آیات کی روشنی میں اہل بیت نبوت کے امتیاز کو امت کے اکابر نے کس بلند آہنگی سے تسلیم کیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"خلافت نامہ خاتم نبوت چوں بمہر خاتم ولایت رسید تمام شد و دور خلافت بر اختتام کشید۔ اولاد امجاد و احفاد عالی نژاد آں حضرت کہ بحکم وراثت حقیقی و مناسبت ذاتی از ہمہ نصیب وافر تر دفیض کامل تر بردا شتند و بحکم وراثت ذاتی لوائے ولایت معنوی برافراشتہ ریاست صورت را بدیگراں گزاشتند..... ہرگز نور ہدایت از خاندان نبوت انقطاع نہ پذیرد و فلک ولایت جز بدیں انقطاب قرار نہ گیرد۔

ظاہر از اہل بیت ۔ نور نبی ہمچوں در ماہ۔ نور خورشید است
از ازل تا ابد بود ظاہر، زانکہ ایں نور۔ نور جاوید است

واز میان ایشاں ہرکرا خواست قطب الاقطاب عالم و غوث بنی آدم و مرجع ثقلین و مشہور مغربین ساخت تا محیٔ دین و مجدد شرع متین گردید۔

اے غرقِ گناہ ز طوفانِ غم مترس کشتیِ نوح عصمتِ آلِ محمدؐ است

موثر ترین حالات بلکہ افضل عبادات مصاحبتِ اہلِ کمال و مجالستِ مقربانِ درگاہِ ذوالجلال است زیراکہ بہ مشاہدۂ احوالِ استقامتِ ایشاں سالک را ہمتے دست دہد کہ تحمل اعبائے عبادت و برداشتِ مشاقِ ریاضت کہ لازمِ سلوک ایں طریق است آساں شود بلکہ بہ معائنہ جمالِ ایشاں نورے در دِل اُفتد کہ ظلمتِ ریب دار تیاب کہ علتِ بُعد و حجاب است زائل گردد پس بموجب

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

ذکرِ مناقبِ ایشاں کہ درمعنی شکرِ ایں نعمتِ عظمیٰ است واجب ؎

چو من بخیر کنم یادِ رفتگاں دارم
اُمید آنکہ مرا ہم بخیر یاد کنند

اب ہم حضرتِ مولانا جامیؒ کی ایک مناجات پیش کرتے ہیں اس میں حضرت مولانا جامی ان فرزندانِ نبوی کے توسل سے بارگاہِ خداوندی میں اپنی بخشش کی دُعا کرتے ہیں اور اپنے ان دعائیہ اشعار میں ہر بزرگ کے نام ترتیب سے لیتے ہیں۔ ہر نامِ نامی کیساتھ ارادتمندانہ منقبت کے الفاظ بھی استعمال فرماتے ہیں جن سے ان حضرات کے فضائل و مناقب کا مضمون بھی واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

یارب بحقِ سیدِ کونین مصطفیٰ آں شافعِ معاصی و آں منبعِ صفا
یارب بحقِ شاہِ نجف آنکہ آمدہ درشانِ او تبارک و یٰسین و ہل اتیٰ

یارب بہ آہ و نالۂ و افغان فاطمہؓ　　یارب بسوزِ سینۂ آں سیدۃ النساء
یارب بحرمتِ دلِ صد پارۂ حسنؓ　　آں نقدِ شاہِ جملۂ آفاق۔ مرتضٰے
یارب بحرمتِ جگرِ تشنۂ حسینؓ　　یارب بحقِ خونِ شہیدانِ کربلا
یارب بحقِ عابد و باقر امام دیں　　یارب بحقِ جعفر و موسائے رہنما
یارب بحقِ شاہ غریب و غریب دوست　　یعنی امام و سرور و سلطان دیں رضا
یارب بحرمتِ تقی و عزتِ نقی　　یارب بحقِ عسکری آں شاہ و پیشوا
یارب بحقِ مہدی ہادی کہ ذات اوست　　مانندِ مصطفٰے و معلٰے و مجتبٰے
یارب بحقِ آلِ محمدؐ کہ در ازل　　دل ہا ز مہرِ شاں شدہ جامِ جہاں نما
دارم امید آنکہ در آئی ز روئے لطف　　روزے کہ می شوند مساوی شہ و گدا
از لطف سوئے جامیِ مسکیں نظر فگن　　بخشی مرا بہ شاہِ شہیدانِ کربلا

حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی ان حضرات کی شانِ امامت کو کس بلند آہنگی کے ساتھ ظاہر کر رہے ہیں۔

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است　　علی و یازدہ پسرش تمام است

دیکھئے اور غور سے دیکھئے حضرت سعدیؒ بھی محبتِ اہل بیت کی منزل میں ہیں اور اپنے اللہ کی طرف نظرِ امید رکھتے ہوئے کہتے ہیں

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ　　کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول　　من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر بھی اپنے اللہ کی طرف دستِ طلب پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں اور انہیں مقربین کا توسل لا رہے ہیں۔

یارب بہ محمدؐ و علیؓ و زہرہؓ
یارب بہ حسینؓ و حسنؓ و آلِ عباؑ
از فضل برآر حاجتم در دو سرا
بے منتِ خلق یا علی الاعلیٰ

حضرت امام شافعیؒ امام فقہ کی حیثیت سے منزلتِ اہل بیت کے لئے فرما رہے ہیں

يَا أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ حُبُّكُمُ
فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ
كَفَاكُمُ مِنْ عَظِيمِ الْقَدْرِ إِنَّكُمُ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلوٰةَ لَهُ

یعنی اے اہل بیت رسول صلعم آپ کی محبت اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن میں فرض کی گئی ہے اور آپ کے عظیم المرتبت ہونے کیلئے یہ بات بالکل کافی ہے کہ جو آپ پر نماز میں صلوٰۃ و سلام نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

آج آپ علامہ اقبال سے بہت مانوس ہیں وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ کی منقبت میں فرماتے ہیں ؎

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمتہ اللعالمین
آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ
مرتضیٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا،
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں قافلہ سالارِ عشقؑ

آخر میں کہتے ہیں کہ:-

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست　　پاسِ ناموسِ جنابِ مصطفےٰ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے　　سجدہ ہا۔ بر خاکِ او۔ پاشیدمے

حضرت شیخ عبد الحق جیسا محدث۔ امام شافعی جیسا فقیہہ۔ حضرت سعدی، مولانا جامی اور حضرت ابو سعید ابو الخیر جیسے عارف اور علامہ اقبال جیسا مفکر ہر ایک محبت اہل بیت کے مسلک پر ہے اور اہل بیت اطہار کی تاریخی عظمت اور بارگاہ قدس کے تقرب کو تسلیم کر رہا ہے اور ان کے وسیلے سے بارگاہِ خداوندی میں دعائیں کر رہا ہے۔ چونکہ ہر لحاظ سے یہ ایک مہتم بالشان عنوان ہے اس لئے ہم نے بھی اسمیں کسی قدر تفصیل سے کام لیا ہے مگر یقین ہے یہ حالات اپنی دلچسپی کے لحاظ سے بارِ خاطر نہ ہونگے۔

آیات واحادیثِ مناقب

مناقب اہل بیت میں ہم سب سے پہلے آپ کے سامنے آیۂ مباہلہ پیش کریںگے اس آیۂ پاک پر غور کرنے سے پیشتر اِن حالات پر نظر ڈالیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائی پادریوں کو دعوتِ اسلام کا ایک خط تحریر فرمایا تھا۔ جب اُسقف نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن میں لرزہ پڑ گیا اور وُہ کانپ اُٹھا۔ اس نے عیسائی پادریوں کو بلاکر مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ایک وفد کی شکل میں چند عمائدین حضورؐ کی خدمت میں جائیں۔ اور وہاں حالات معلوم کرکے مطلع کریں۔ یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے اور چند روز حضور کی خدمت میں رہے۔ انہوں نے حضور سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق گفتگو کی۔ حضور نے منشاء الٰہی کے مطابق حضرت عیسیٰ کی تخلیق کا ذکر فرمایا (یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے) اور اپنے اس ارشاد ہی کی تصدیق میں اللہ تعالےٰ کے منشا کے مطابق مباہلہ کا قصد ظاہر فرما دیا۔ مباہلہ اپنی صداقت ثابت کرنے کے لئے دعا ہوتی ہے اس میں دعا مانگ کر جھوٹوں پر خدا کی لعنت طلب کی جاتی ہے۔

حضورؐ نے آیۂ مباہلہ کے موافق مباہلہ کی تیاری کی۔ حضرت امام حسینؑ کو آغوش میں لیا۔ حضرت امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت سیدہؓ حضورؐ کے پیچھے کھڑی ہوگئیں اور حضرت علیؓ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ یہ ایک مرحلۂ دینی ہے۔ نصاریٰ سے مباہلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی صداقت اور اللہ کے رسول کی صداقت کی مہم ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کے رسول کا پورا کنبہ دین حق کی اس خدمت کے لئے اللہ کے حضور میں حاضر ہے۔ ان بزرگوار شخصیتوں کے سامنے نجران کے عیسائی مباہلہ کی تاب نہ لا سکے۔ سمجھ گئے کہ ان مقدس لوگوں کی طرف سے لعنت ہونے کے بعد ہمارا ہر کاہ بھی باقی نہ رہیگا لہٰذا مباہلہ کی بجائے اطاعت اور ماتحتی قبول کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ معاہدہ تحریر ہوا اور معاہدہ میں تمام اخلاقی مراعات دی گئیں۔ ان تعلقات کے ساتھ نجران میں بہت سے مبلغ بھی بھیجے گئے اور جلدی تمام علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ آیۂ مباہلہ یہ ہے:۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ جو شخص تم سے جھگڑا کرے (عیسیٰ کے حق میں) اس کے بعد کہ علم تمکو ہوگیا (کہ وہ اللہ کا بندہ اور رسول ہے) پس کہو اُن سے کہ ہم بلادیں اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں

کو ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو پھر کہیں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر
گویا اس کے نتیجہ میں صداقت ظاہر ہو جائیگی۔

تفسیر جامع البیان میں ہے کہ "انفسنا" سے رسول اللہ صلعم اور
حضرت علی مرتضےٰ مراد ہیں۔ اس واسطے کہ اہل عرب چچا کے بیٹے کو نفس کہتے
ہیں اور مراد "ابناءنا" سے حضرات حسنینؑ ہیں اور مراد "نساءنا" سے
حضرت سیدہ ہیں۔ صاحب تفسیر کشاف نے لکھا ہے کہ فضیلتِ آلِ عبا
یعنی حضرت علی مرتضےٰ اور حضرتِ سیدہ اور حضراتِ حسنین کی فضیلت میں یہ
دلیل سب سے زیادہ قوی ہے اس واسطے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی
توجناب رسالت مآب نے اپنی چاروں حضرات کو بلایا۔ امام حسین کو گود میں لیا اور
امام حسن کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ آنحضرت کے پیچھے تھیں اور حضرت امیر اُن
کے پیچھے تھے۔ اس طور سے مباہلہ کے لئے برآمد ہوئے اس سے ظاہر ہوا کہ اس
آیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ اولادِ جناب سیدہ رسول
اللہ کے فرزند ہیں اور دنیا اور آخرت میں حضور کے ساتھ نسبت صحیحہ تامّہ نافعہ
رکھتے ہیں اور اس لئے اُن سے تمسک یعنی حصولِ ہدایت کے لئے ان کا دامن تھامنا
یقیناً باعثِ نفع ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ جب نصاریٰ نے مباہلہ کا
قصد کیا تو رسول اللہ صلعم اس طرح برآمد ہوئے کہ امام حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے
تھے اور امام حسن مجتبےٰ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے پیچھے حضرت
سیدہ فاطمہ زہرہ تھیں اور ان کے پیچھے علی مرتضےٰ تھے اور آپ ان سب سے فرماتے
تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ روسائے نصاریٰ میں سے ایک شخص نے

کہا۔ اے گروہ نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے جنبش دیکر گرا دے تو ضرور اللہ تعالیٰ پہاڑ کو گرا دیگا تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نصاریٰ نے رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کی اور دو ہزار سرخ حُلّے اور تیس ہزار زرہ ہائے آہنی جزیہ میں دینا منظور کیا۔ رسول اللہ صلعم نے قسم کے ساتھ وضاحت فرمائی کہ اگر یہ نصاریٰ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر اور سوّر ہو جاتے اور یہ صحرا ایسی آگ روشن کرتا کہ اللہ تعالیٰ نجران اور اس کے رہنے والوں کو بیخ و بُن سے برباد کر دیتا یہاں تک کہ پرندے بھی درخت پر نہ رہتے۔ یہ واقعہ دلیل ہے حضورؐ کی سچی نبوت اور سچے دین پر اور ان حضرات کے فضل پر جو آپ کے ہمراہ تھے۔

جس طرح اس آیت شریفہ سے اور رسول کریم کے فعل سے حسنینؑ کا فرزند رسول ہونا ثابت ہے اور حضرت علی کا نفسِ پیغمبر ہونا ثابت ہے اسی طرح احادیثِ قولی بھی اس پر ناطق ہیں۔ صواعق میں ہے کہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کی ذریت کو اس کے صُلب میں رکھا ہے اور میری ذریت کو علی ابن ابی طالب کے صلب میں رکھا ہے۔

صاحب کنز المطالب نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی حضور کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ آپ کے پاس پہلے سے بیٹھے تھے۔ جب حضرت علی نے سلام کیا تو رسول خدا نے جواب دیا اور کھڑے ہو گئے۔ اور معانقہ کیا۔ اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے کہا کہ آپ علیؑ کو مجھ سے زیادہ دوست رکھتے

میں حضور نے فرمایا "اے چچا خدا کی قسم اللہ تعالےٰ کی محبت اس کے ساتھ میری محبت سے زیادہ ہے" یعنی میں ان کے ساتھ جتنی محبت کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ اُن سے اس سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ پھر فرمایا "اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کی ذریت کو اس نبی کے صلب میں رکھا ہے اور میری ذریت کو علی کے صلب میں رکھا ہے۔

یہاں سے شدت اتحادِ نبی و ولی کی اہمیت کو سمجھنا چاہیئے کہ باہم دگر نفسِ واحد کے مثل تھے اور یہ مضمون حضور نے صاف طور پر فرما دیا ہے چنانچہ سیوطیؒ نے بھی کہا ہے کہ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں بسند عمر ابن عاص روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں جب ایک غزوہ سے واپس آیا تو مجھے گمان تھا کہ رسول اللہ صلعم کے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ کس کو زیادہ دوست رکھتے ہیں"۔ فرمایا "عائشہؓ کو" پھر میں نے عرض کیا "میں مردوں کے متعلق سوال کرتا ہوں" فرمایا "اس کے باپ کو" پھر عرض کیا یا رسول اللہ علی کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ حضور نے صحابہ کی طرف التفات کیا۔ اور فرمایا "یہ سوال کرتا ہے نفس سے یعنی "میری" ذات سے" ابن نجار نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ آپ نے علی مرتضےٰ کے حق میں کچھ نہیں فرمایا۔ ارشاد کیا "علی میرا نفس ہے تم نے کسی کو دیکھا کہ اپنے نفس کے حق میں کچھ کہتا ہے"۔

صاحب وسیلۃ النجات ان دونوں روایتوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ مدح کیا ہوگی کہ حضور نے حضرت علی کی "عینیت" اپنے ساتھ بیان کی ہے"

ابن مردویہ نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول خدا نے علی مرتضےٰ سے "اے علی آدمی مختلف درختوں سے ہیں اور ہم تم ایک درخت سے ہیں"۔ اس سے زیادہ قرب کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی حدیثیں اس یگانگت اور قرب کو واضح کرتی ہیں۔

ماحصل آیت مباہلہ کا اور ان احادیث کا یہ ہے کہ اولاد جناب سیدہ فاطمہ زہرہ ابنائے رسول اللہ صلعم ہیں۔ چونکہ اولاد ماں باپ کی وارث ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کمالات اور فضائل اور علوم نبوی (کہ یہی نبی کا متروکہ ہوتا ہے) وراثتاً دونوں نبی زادوں کو ملے تھے۔ ہر ایک اپنے وقت میں ایسے مراتب عالیہ پر فائز تھا اور ایسے کمالات ظاہری و باطنی کے ساتھ موصوف تھا کہ دوسرا کوئی ان جیسا نہیں تھا۔ اور یہ سب کمالات اللہ کے راستہ میں مہمات دینی پر صرف ہو رہے تھے ان کمالات کے ساتھ ہر دو شاہزادگان کی پر ایثار زندگی اور اللہ کے راستہ میں شہادتیں المضاعف ہیں۔

اب ایک دوسری آیت جو آیہ تطہیر کے نام سے مشہور ہے اس پر غور کریں

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

یعنی یقیناً اللہ تعالےٰ چاہتا ہے اے اہل بیت محمدؐ کہ تم سے ناپاکی کو دور کردے اور تم کو پوری پوری طرح پاک کردے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت پانچ شخصوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ۔

ابن جریر نے مرفوعاً یعنی جناب رسالت مآب سے روایت کیا ہے کہ آیت تطہیر پانچ شخصوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور پھر یہی پانچ نام بیان کئے ہیں اور مسلم نے اس طریقہ سے بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ان پانچ حضرات کو اپنی کسا یعنی عبا میں لے لیا اور اس آیت کو پڑھا اور فرمایا" اے میرے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے خاص ہیں۔ دُور کر ان سے ناپاکی اور پاک کر ان کو پورا پاک کرنا" اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ نے عرض کیا آیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ (تم بھی خیر پر ہو) گویا جو خصوصیت ان کی ہے وہ ان کے ساتھ مختص ہے ایک روایت میں ہے کہ بعد آیت تطہیر یہ فرمایا "میں لڑنے والا ہوں اس سے جو ان سے لڑے اور صلح کرنے والا ہوں اُس سے جو ان سے صلح کرے۔ اور دشمن ہوں اس کا جو ان سے دشمنی کرے" اور ایک روایت میں ہے۔ کہ عبا ان کو اڑھائی اور دست مبارک ان پر رکھا اور فرمایا۔" اے اللہ یہ آل محمدؐ ہیں اور نازل کر اپنی رحمتوں اور برکتوں کو آل محمدؐ پر تو حمید و مجید ہے" یہی الفاظ اس درود شریف کے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ حضور نے حضرت فاطمہ زہرہؓ کو سیدۃ النساء العالمین ہونیکی بشارت دی ہے۔ امام نسائیؒ نے خصائص میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی حضور کو مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے اور حضرت فاطمہ زہرہ عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ وسیلۃ النجات میں ہے
کہ ایک روز حضرت عمرؓ حضرت سیدہؓ کے پاس آئے اور کہا اے فاطمہ تم حضورؐ
کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غصہ دلایا مجھ کو
غصہ دلایا"۔ ایک روایت میں ہے حضور نے فرمایا۔ "بُری معلوم ہوتی ہے۔ اور
ناخوش کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو بُری معلوم ہوتی ہے اور ناخوش کرتی ہے فاطمہ کو
اور ایذا پہنچاتی ہے مجھکو وہ چیز جو فاطمہ کو ایذا دیتی ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اکثر حضرت
علی کرم اللہ وجہٗ کی صورت دیکھا کرتے تھے مَیں نے ان سے سبب پوچھا۔
انہوں نے فرمایا میں نے سنا ہے رسول خدا سے کہ وہ فرماتے تھے کہ ذکر
علی مرتضےٰ کا عبادت ہے اور دیکھنا علی کے چہرہ کو عبادت ہے۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں

امام سید ابوالقاسم نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور اسکی اسناد
کو حضورؐ تک پہنچایا ہے اور ایسا ہی کنز العباد وغیرہ فقہ کی کتابوں میں شکر
کے سجدوں کے باب میں ہے کہ حضور نے ایک دن پانچ سجدے بلا رکوع
کئے۔ لوگوں نے حضور سے سبب پوچھا۔ حضور نے فرمایا "جبرئیل میرے پاس
آئے اور کہا کہ یا محمد اللہ دوست رکھتا ہے علی کو میں نے سجدۂ شکر کیا۔
پھر سر اٹھایا۔ جبرئیل نے کہا اللہ دوست رکھتا ہے فاطمہ کو۔ پھر میں نے سجدہ

کیا۔ پھر سر اٹھایا۔ جبریل نے کہا اللہ دوست رکھتا ہے حسنین کو۔ پھر میں نے سجدہ کیا۔ پھر سر اٹھایا۔ جبریل نے کہا اللہ دوست رکھتا ہے ان کو جو ان حضرات کو دوست رکھتے ہیں پھر میں نے سجدہ کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا جبرئیل نے کہا۔ اللہ دوست رکھتا ہے اس کو جو دوست رکھتا ہے ان کے دوستوں کو"

صواعق میں ہے کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔" اے فاطمہ تحقیق اللہ غضب کرتا ہے ساتھ تیرے غضب کرنے کے اور راضی ہوتا ہے وہ ساتھ تیرے راضی ہونے کے۔" یعنی جس امر پر حضرت فاطمہ راضی ہیں اللہ بھی راضی ہے اور جس امر پر حضرت فاطمہ ناراض ہیں اللہ بھی ناراض ہے۔"

حضرت سیدہ صورت وسیرت۔ رفتار و گفتار۔ حرکات وسکنات۔ عبادات اور طاعات میں حضور اقدس صلعم کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھیں اور اسی طرح جناب امام حسن اور جناب امام حسین صورت اور سیرت اور جملہ فضائل و عادات میں حضور سے بہت مشابہ تھے۔ صواعق میں اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن مجتبیٰ کو اپنی گردن پر اٹھا لیا اور کہا کہ میرا باپ تم پر فدا ہو تم بالکل رسول خدا سے مشابہ ہو اور باپ علی مرتضےٰ سے مشابہ نہیں ہو۔ آپ یہ فرماتے تھے اور حضرت علی ہنستے تھے۔ وسیلۃ النجات میں ہے اور بخاری میں بھی ہے حضرت انس فرماتے تھے کہ حضرت امام حسین سے زیادہ مشابہ رسول اللہ کے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔

غرض جس طرح یہ حضرات صورت اور سیرت میں آئینہ جمال محمدی تھے اسی طرح وارث کمالات احمدی بھی تھے اور جملہ صفات نبوی کے ساتھ متصف

تھے۔ چنانچہ صواعق میں ہے کہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اہل بیت رسالت پانچ چیزوں میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ مساوی ہیں

۱۔ اول سلام میں کہ اللہ تعالےٰ نے شب معراج میں حضور سے فرمایا

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ

اور اہل بیت کے حق میں فرمایا۔

سَلٰمٌ عَلٰی آلِ یَاسِیْن

۲۔ دوسرے درود وصلوٰۃ میں کہ حضور پر اور اہل بیت پر درود وصلوٰۃ کا حکم ہے۔

۳۔ تیسرے طہر وطہارت میں کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کے لئے فرمایا۔

طٰهٰ

یعنی اے طاہر اور اہل بیت کے حق میں فرمایا ہے۔

وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا

یعنی پاک کرے تمکو اللہ تعالےٰ پوری طرح۔

۴۔ چوتھے تحریم صدقہ میں یعنی صدقہ حضور اور حضور کے اہل بیت دونوں پر حرام ہے۔

۵۔ پانچویں محبت میں۔ اللہ تعالےٰ نے حضور سے فرمایا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ

اور ارشاد کیا اہل بیت کے حق میں۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

حضورؐ نے اہلِ بیت کی محبت کو مسلمانوں پر اس آیت میں فرض کیا جو اوپر مذکور ہے۔ حضور اور دونوں شہزادے اور ان کے والدین اہل بیت نبوت میں ہیں لہٰذا ان پانچ امور میں حضورؐ کے ساتھ مساوی ہیں۔

وسیلۃ النجات میں ہے حضور نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا سلام کیا اور بشارت دی کہ تحقیق حسن اور حسین سردار ہیں۔ جوانانِ اہلِ جنت کے اور فاطمہ سردار ہیں نساء اہلِ جنت کی۔

حدیث میں وارد ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قیامت کب ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا "تم نے قیامت کے لئے کیا توشہ مہیا کیا ہے۔" انہوں نے کہا کوئی توشہ نہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ حضورؐ نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

یعنی قیامت کے روز آدمی اس کے ساتھ ہوگا۔ جسکو دوست رکھتا ہے اس بشارت پر صحابہؓ کرام نے اُس روز بہت خوشی منائی۔ اسی طرح حضور کی اولاد کی محبت تاثیراً قرب محمدی کے حصول کا باعث ہے چنانچہ ترمذی کی روایت ہے کہ حضور نے جناب حسنینؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "جو دوست رکھیگا، مجھے اور ان دونوں کو اور ان دونوں کے ماں باپ کو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔" حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَیْنِ وَاَبَاھُمَا وَاُمَّھُمَا کَانَ مَعِیْ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

یعنی جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) اور انکے والد اور والدہ سے وُہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

امام احمد حنبل نے مسند میں اور ابن جریر نے اور حاکم نے اپنے مستدرک میں ابوذر غفاری سے روایت کیا ہے۔ میں نے سُنا حضور فرماتے تھے۔

مَثَلُ اَهلبَیتِی کَسَفِینَةِ نوحٍ مَن رَکِبَهَا نَجَاۃ وَمَن تَخَلَّفَ عَنهَا هَلَکَ

یعنی میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اسپر سوار ہُوا (یعنی جس نے اس سے تمسک کیا) اس نے نجات پائی جسنے روگردانی کی وُہ ہلاک ہوا

اب ہم آپ کے سامنے آیۂ مودّت کی تشریحات پیش کرتے ہیں اس میں اللہ تعالےٰ حضور سے مخاطب فرماتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

یعنی اے ہمارے رسول اپنی اُمت سے کہدیجے کہ میں تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر دوستی اور محبت اقربا کی۔ یعنی میں نے جو تمکو اللہ کے احکام پہنچائے اور تمکو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لایا ہیں اسکی کوئی اجرت نہیں چاہتا مگر دوستی اور محبت چاہتا ہوں اپنے اقربا کی تفسیر مدارک۔ تفسیر بیضاوی۔ ثعلبی اور کشاف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت داروں میں وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت کو اللہ تعالےٰ نے ہم پر واجب کیا ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" وہ علی۔ فاطمہ اور اُن کے فرزند حسنین ہیں "۔ حضرت ابن عباس

احمد۔ ابن حاتم اور طبرانی اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں محبت کی جگہ لفظ مودت استعمال ہوا ہے۔ اور مودت وہ محبت ہے جو عظمت کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا اس آیت سے حضرات موصوف کی محبت اور عظمت من جانب اللہ مومنین پر فرض ہوئی اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ارشاد کیا۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ط

یعنی جس نے ڈھونڈ نکالا نیکی کو زیادہ کرتے ہیں ہم اس کی نیکی میں حسن کو

تفسیر مدارک میں ہے کہ بظاہر یہ آیت عام ہے اور ہر نیکی اسمیں شامل ہے مگر اللہ تعالےٰ نے چونکہ آیت مودت کے متصل اس کو ارشاد فرمایا اس لئے سیاق اور محل کے لحاظ سے اس نیکی سے مراد مودت اہل بیت نبوت ہے یعنی جو شخص اہل بیت کی محبت دل میں رکھیگا۔ اللہ تعالےٰ اس کی نیکی میں حسن پیدا کر دے گا۔

تفسیر ماوردی۔ تبیان۔ عیون المعانی میں لکھا ہے کہ "حسنۃ" محبت اور دوستی ہے آلِ رسول کی اور "سیئہ" ان کی دشمنی ہے چونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط

یعنی اے ہمارے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ ہم نے آپ پر نازل کیا۔ اس لئے حضورؐ ہر حکم کو پوری تاکید کے ساتھ پہنچاتے رہے اور محبت اہل بیت کا حکم بھی بتاکید تمام پہنچا دیا۔ چنانچہ کسی حدیث میں بالاجمال فرمایا ہے کسی میں تخصیص نام کے ساتھ تاکید کی ہے کسی حدیث میں جزائے محبت اہل بیت اور کسی حدیث میں سزائے

عداوت اہل بیت بیان فرمادی اور چونکہ حضور امت کی ترقی مدارج پر حریص ہیں اور امت کے لیے رؤف و رحیم ہیں۔ لہٰذا جو امر باعث مغفرت اور سبب ترقی درجات اخروی ہے وہ بھی صاف صاف ہم سے بیان فرما دیا۔ اور جو فعل باعث گرفتاری عذاب ہے وہ بھی واضح طور پر بیان فرما دیا۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے "بہتر تم میں وہ ہے جو بہتر ہے میرے اہل بیت کے حق میں بعد میرے۔" ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا حضورؐ نے "محبت کرو خدا سے اس واسطے کہ اس نے تمکو نعمت دی اور میرے ساتھ محبت کرو اللہ کی محبت کے واسطے اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری محبت کے واسطے۔"

فصل الخطاب میں جریر بن بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "جو مرا دوستی آل محمدؐ پر وہ شہید مرا۔ آگاہ ہو جو مرا دوستی آل محمد پر مرا مغفور۔ آگاہ ہو جو مرا دوستی آل محمد پر کھلیں گے اس کی قبر میں دو دروازہ جنت کے۔ آگاہ ہو جو مرا دوستی آل محمدؐ پر بشارت دے گا اس کو ملک الموت جنت کی پھر منکر نکیر۔ آگاہ ہو جو مرا دوستی آل محمدؐ پر اللہ تعالےٰ اس کی قبر کا زیارت کرنے والا ملائکہ رحمت کو کر یگا۔ آگاہ ہو جو مرا دوستی آل محمدؐ پر مرا سنت اور جماعت پر۔ آگاہ ہو اور جو مرا بغض آل محمدؐ پر آویگا قیامت کے دن لکھا ہوگا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کہ نا امید ہے اللہ کی

رحمت سے اور جو مرا بغضِ آلِ محمدؐ پر ہرگز نہ سونگھے گا خوشبوئے جنت کو"
ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں مسلم ابن اکوع سے حدیث روایت کی ہے
"بڑا ثابت قدم رہنے والا تم میں پل صراط پر وہ شخص ہے جس کو بہت
زیادہ ہے تم میں سے محبت میری اہلِ بیت کی"۔ صواعق میں ہے کہ
بروایتِ خطیب انس رضی اللہ عنہ حدیث میں آیا ہے "محبتِ علی ایسی
نیکی ہے کہ کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں کرتا ہے اور بغض ان کے ساتھ
ایسا ہے کہ کوئی نیکی اس کے ساتھ نفع نہیں دیتی ہے۔ یہ حدیث بالمعنی
صحیح ہے اس واسطے کہ ارشادِ صحیح سے ثابت ہو گیا ہے کہ "تحقیق نہیں
محبت کرتا ہے علی سے مگر مومن اور نہیں بغض کرتا ہے اُن سے مگر منافق"
وسیلۃ النجات میں ہے براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔
میں نے دیکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اور امام حسن کو کہ آپ کے
کندھے پر تھے۔ اور آپ فرماتے تھے "اے اللہ میں اسکو دوست رکھتا
ہوں پس تو بھی اس کو دوست رکھ"۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے
وہ کہتے تھے کہ دیکھا میں نے رسولِ خدا کو کہ حضرت امام حسنؓ کا منہ کھولتے
تھے اور اپنی زبان مبارک اُن کے منہ میں رکھتے تھے اور فرماتے تھے "اے
اللہ میں دوست رکھتا ہوں اسکو تو بھی دوست رکھ اس کو اور دوست رکھ
اس کو جو دوست رکھتا ہے اسکو"۔ اسامہ بن زید سے روایت ہے۔
کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا حسنینؓ آپ کے
زانو پر تھے فرمایا "یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں

اے اللہ میں محبت کرتا ہوں ان دونوں سے تو بھی محبت کر ان دونوں
سے اور محبت کر اس سے جو ان سے محبت کرتا ہے۔ ترمذی میں ہے۔
انس ابن مالک کہتے ہیں حضورؐ سے دریافت کیا کہ آپ کو کون گھر والے
(اہل بیت) زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا "حسن اور حسین"۔

اذیّت اہلِ بیت اذیت رسُول ہے اَور اذیّت رسُول اذیّت اللہ ہے

بُریدہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور خطبہ پڑھتے تھے کہ امام حسن اور امام حسین پیرہن پہنے دوڑتے ہوئے آتے تھے اور (کم عمری کی وجہ سے) پاؤں لغزش کرتے تھے۔ حضور منبر سے اُتر گئے اور دونوں کو اٹھا لیا۔ اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ حضور کو ان کے لڑکھڑا کر گرنے کی تکلیف گوارا نہ تھی۔ جس بدنہاد نے امام حسنؑ کو زہر دیا اور دلوایا اور جس بدنصیب نے حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا اور شہید کرایا کس قدر حضور کی رُوح کو اذیت پہنچی ہوگی اور اللہ نے رسول کو اذیت دینے والوں کے لئے جو سزا تجویز کی ہوئی ہے وہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے واضح ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُوْءذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ہ

ترجمہ: تحقیق جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اللہ کے رسول کو، لعنت کی ہے اللہ نے ان کو دنیا میں اور آخرت میں۔ اور تیار کیا ہے ان کے واسطے رسوا کرنے والا عذاب۔ یزید ملعون کی دنیاوی رسوائی کو آپ خود دیکھ لیں۔ سورۂ توبہ میں ایک دوسری آیت ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ترجمہ: "اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں رسول اللہ کو ان کے واسطے دردناک عذاب ہے"

مشکوٰۃ میں عبدالرحمٰن ابن نعیم سے روایت ہے کہ ایک عراقی نے آکر حضرت عبداللہ ابن عمر سے مسئلہ پوچھا کہ اگر ایک شخص احرام حج باندھے اور مکھی کو مارے اس پر کیا کفارہ لازم ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا اے اہل عراق یہ سوال کرتے ہو حالانکہ تم وہ شخص ہو کہ تم نے رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کیا جنکے حق میں رسول خدا نے کہا تھا کہ وہ دونوں یعنی حضرات حسنینؓ میرے دو خوشبودار پھول ہیں۔

یعلیٰ ابن مرۃ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اللہ اس کو دوست رکھتا ہے جو حسینؓ کو دوست رکھتا ہے۔"

ترمذی کی روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرات حسنینؓ حضورؐ سے سب آدمیوں سے مشابہ تھے۔ اور سب سے زیادہ محبوب تھے میں نے دیکھا کہ حضورؐ سجدہ میں ہوتے اور وہ آجاتے اور سوار ہو جاتے آپکی پیٹھ پر۔

حضورؐ ان کو نہ اتارتے یہاں تک کہ وہ خود اتر جاتے یعنی حضورؐ سجدہ میں دیر کرتے تھے۔ اگر حضورؐ رکوع میں ہوتے تو اپنے دونوں پیر کشادہ کر دیتے یہاں تک کہ وہ ایک طرف سے دوسری طرف نکل جاتے۔

یہ سب واقعات بتاتے ہیں کہ جناب رسالت مآب حضرات حسنینؓ سے کس درجہ محبت کرتے تھے۔ پھر یہ ایک عجیب امتحانِ عشق تھا کہ حضورؐ کو ملائکہ کے ذریعہ ان کے شہید ہونیکی خبریں دے دی گئیں۔ چنانچہ ام الفضل بنت حارث سے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں ایک روز حسینؓ کو لیکر رسول خدا کے پاس گئی اور میں نے ان کو حضورؐ کی گود میں بٹھا دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضورؐ کے آنسو جاری تھے حضور نے فرمایا "میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھ کو خبر دی کہ میری امت قتل کرے گی میرے اس لڑکے کو اور ان کے مقتل کی سرخ مٹی مجھکو دی" چنانچہ یہ مٹی حضرت ام المومنین ام سلمہ کے پاس رکھوا دی گئی اور یہ فرما دیا گیا کہ "جس دن میرا حسین شہید ہوگا یہ مٹی خون ہو جائیگی"۔ حضرت ام سلمہ نے اس مٹی کو ایک شیشی میں بھر کر رکھ لیا تھا اور فرماتی تھیں "وہ دن بڑا سخت ہوگا جس دن یہ مٹی سرخ ہو جائیگی"۔

محبّت اہل بیت

طلب ہدایت اور نجات کیلئے اقرب السبل ہے

اہل بیت نبوت کی محبت قرآن و حدیث سے ثابت ہو رہی ہے یعنی ہم کو حکم مل رہا ہے کہ ہم ان معدن انوار و برکات سے محبت رکھیں یہ یقیناً ہمارے فائدہ کیلئے ہے اس لئے کہ اس محبت کا فلسفہ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم اللہ تعالٰے کے محبوب ہیں اور حضورؐ کے محبوب اہل بیت رسول ہیں اور محبوب اور محب میں ہمیشہ اتحاد ہوتا ہے۔ اس لئے گویا اہل بیت نبوت ایک ایسا مرکز ہے جس پر ایک طرف سے اللہ اور رسول کی محبت بھری نظریں پڑھ رہی ہیں اور دوسری طرف سے ہماری الفت بھری نظریں اسی مرکز الفت پر پڑ رہی ہیں۔ اس طرح دونوں نظریں ایک مرکز پر آکر مل جاتی ہیں چونکہ اللہ و رسول کی نظریں اسی مرکز پر نفع بخشی کے ساتھ ایک سیلاب رواں کی طرح آ رہی ہیں اور ہماری نظریں حصول نفع اور جلب منفعت کے لئے اسی مرکز پر پڑ رہی ہیں تو اس اتحاد مرکزی کی وجہ سے انعامات کا ایک سیل رواں ہماری طرف بہ آتا ہے یہ سیل رواں ہدایت کی روشنی اور دونوں عالموں کی نعمتوں سے پُر ہے اس لئے

ہم روحانی طور پر ہدایت کی روشنی میں اس طرح گھر جاتے ہیں کہ اب ہم طلب نجات میں بھٹک نہیں سکتے۔ نیز یہ کہ حصول ہدایت کا یہ سہل ترین اور مختصر ترین راستہ ہوتا ہے اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں مشائخ سلسلہ قادریہ کے حوالہ سے اس راستہ کو

اَقْرَبُ السُّبُلْ ط

کہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَثَلُ اَھْلِبَیْتِی کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَاءَ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ۔

یعنی میرے اہلبیت کی مثال سفینہ نوح کی سی ہے جس نے اسے اختیار کیا وہ نجات پاگیا اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا۔ ایک اور حدیث اسی مضمون کی ہے۔

مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَیْنِ وَ اَبَاھُمَا وَ اُمَّھُمَا کَانَ مَعِیْ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

یعنی جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے (یعنی حسنؑ حسینؑ سے) ان کے باپ سے اور ان کی ماں سے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔

حالاتِ آلِ عبا اور اہلِ کسا

مع مختصر حال حضرت ام المومنین خدیجہ کبریٰؑ

اب ہم آلِ عبا اور اہلِ کسا کے حالات بیان کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے مادرِ زہراؑ ام المومنین خدیجہ کبریٰ کا حال بیان کریں گے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ہی آئیں۔ قصی پر پہنچکر ان کا خاندان رسول اللہ صلعم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ آپ اپنی نیک مزاجی اور نیک سیرتی کے سبب طاہرہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نہایت دولتمند تھیں۔ طبقات ابن سعد میں (جو سیرت پر نہایت مفصل تصنیف ہے) لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کے لئے روانہ ہوتا تو اکیلا حضرت خدیجہؑ کا سامان تجارت تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ حضرت خدیجہ سابق الایمان ہیں اور پہلی وحی پر حضورؐ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ اور اس کے بعد آپ کی تمام دولت اسلامی مقاصد پر صرف ہوتی رہی۔ حضرت خدیجہؑ کی ایک بہن حالہ تھیں وہ بھی اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؑ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کو بے حد محبت تھی۔ نکاح کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی اور حضورؐ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی۔ نکاح کے بعد وہ ۲۵ سال زندہ رہیں۔ ان کی زندگی تک حضورؐ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضور کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے پاس بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ کو دیکھا نہیں مگر مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد ان کی بہن حضرت حالہ حضور سے ملنے آئیں۔ اور گھر میں آنے کی اجازت مانگی۔ اُن کی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ حضورؐ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "حالہ ہونگی"۔ حضرت عائشہ بھی موجود تھیں ان کو نہایت رشک ہوا۔ اور بولیں کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو رحلت فرما چکی ہیں اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں آپ کو دیں"۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے مگر استیعاب میں ہے کہ حضورؐ نے جواب میں فرمایا "ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں اور جب کوئی میرا معین نہ تھا تو انھوں نے میری مدد کی"۔

حضور اقدس صلعم کے عقد نکاح میں آنیکے بعد آپ کے ہاں چھ اولادیں ہوئیں دو صاحبزادے جو بچپن ہی میں رحلت فرما گئے اور چار صاحبزادیاں یعنی حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ حضرت زینبؓ۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثوم۔

حضرت سیّدہ فاطمہ زہرہ رضؓ

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ امام شبخلی نورالابصار میں تحریر فرماتے ہیں۔

رُوِیَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صلے اللہ علیہ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ فَاطِمَةَ فَقَالَ مَنْ عَرَفَ هٰذِهٖ فَقَدْ عَرَفَهَا وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْهَا فَهِیَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَهِیَ بِضْعَةٌ مِنِّیْ وَهِیَ قَلْبِیْ وَهِیَ رُوْحُ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبِیْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ ہ

ترجمہ:۔ جس نے ان کو پہچان لیا۔ اس نے پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا وہ پہچان لے کہ یہ فاطمہ بنت محمدؐ ہیں۔ یہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ یہ میرا قلب ہے یہ میری روح ہے جو میری پسلیوں میں بنی ہے۔ جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی"۔

اس حدیث کے علاوہ اہل بیت رسالت کے مناقب میں جو احادیث اور آیات ہمارے ناظرین آغاز عنوان میں پڑھ چکے ہیں وہ ذہن میں ہونگی اس لئے ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دنیا میں یہ شرف اور عزت اور کسی خاتون کو نصیب نہیں ہوئی جو آپ کو میسر تھی کہ آپ کے والد جناب رسول خدا۔ والدہ حضرت خدیجہؓ۔ شوہر حضرت علیؓ اور فرزندان ارجمند جناب امام حسن اور جناب حسین و جناب محسن (جو بچپن ہی میں رحلت فرما گئے) نیز یہ کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت امام حسین کی اولاد میں وہ آئمہ پیدا ہوئے جو امام الائمہ کہلائے۔ آپ کی تمام اولاد دنیا میں آجتک سادات (سردار) کے معزز لقب سے پکاری جاتی ہے۔ علاوہ ازیں شرف ذات۔ محاسن صفات اور اسلامی خدمات میں بھی سب سے بڑھی ہوئی تھیں حضورؐ کو آپ سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھیں۔ جب حضرت سیدہ آتیں تو حضورؐ فرط محبت سے کھو یا پاس تقویٰ کے سبب سے کھو کھڑے ہو جاتے۔ حضورؐ نے آپ کے بارہ میں فرمایا ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صلعم فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّی فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ۔

یعنی فاطمہ میرا جزو بدن ہے جو انکو غضبناک کریگا مجھے بھی غضبناک کریگا۔

حضرت سیدہ آٹھ سال تک آنحضرت کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہیں اور پھر مدینہ میں چلی آئیں۔ سنہ ۲ھ میں اُن کی شادی حضرت علی سے ہوئی۔

حضرت سیدہ نے حضور اقدس صلعم کی بے حد خدمت کی۔ حضور کی افراط محبت

کا یہ عالم تھا کہ آپ جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر جناب سیدہ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب سیدہ سے ملتے۔ تاکہ زمانہ فراق کم سے کم ہو۔ چنانچہ حضور کی رحلت کے بعد بھی آپ صرف چھ ماہ اس عالم میں رہیں۔ یہ چھ ماہ بھی حضور کی یاد اور گریہ و زاری میں صرف ہوئے۔

جناب سیدہ فصاحت و بلاغت میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں اپنے مصائب کو اپنے اشعار میں نہایت قادر الکلامی کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس طرح کہ اس کی نظیر دیوان عرب پیش نہیں کر سکتا۔ آپ کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

ماذا علی من شم تربۃ احمدٍ
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صُبّت علیّ مصائب لو انّہا
صُبّت علی الایام صِرن لیالیا

یعنی جو شخص حضرت رسول خدا کے روضہ کی مٹی ایک مرتبہ سونگھ لے پھر اگر وہ زندگی بھر اعلیٰ درجہ کی خوشبو نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا۔ (کیونکہ اب اس کو کسی خوشبو کی حاجت ہی نہیں رہی) (حضور کے بعد) میرے اوپر اتنی اور ایسی سخت مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے (نور الابصار۔ مدارج النبوۃ جلد ۲) امور دینی میں ذہانت اور فراست کا جو عالم تھا اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

باب علوم یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ایک دفعہ ہم لوگ حضرت رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے پوچھا۔ بتاؤ۔ "عورتوں کیلئے اچھی بات کیا ہے؟" مگر کسی نے حضور کو جواب نہ دیا۔ جب ہم سب وہاں سے اٹھے تو میں جناب سیدہ کے پاس آیا اور کہا آج حضور نے لوگوں سے یہ بات پوچھی مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ مجھے اس کا جواب معلوم ہے۔ عورتوں کے لئے اچھی بات یہ ہے کہ نہ وہ نامحرم مردوں کو دیکھیں اور نہ نامحرم مرد اُن کو دیکھنے پائیں۔ جناب فاطمہؓ کا جواب پاکر میں پھر رسول اکرم صلعم کی خدمت میں واپس آگیا اور عرض کی یا رسول اللہ آپ نے جو بات پوچھی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اچھی بات یہ ہے کہ نہ وہ نامحرم مردوں کو دیکھنے پائیں اور نہ نامحرم لوگ اُن کو دیکھ سکیں۔ حضورؐ نے پوچھا اے علی یہ بات کس نے کہی؟

میں نے عرض کیا جناب سیدہ نے بتایا ہے اس جواب سے جناب رسولِ خدا بہت خوش ہوئے اور فرمایا "کیوں نہ ہو فاطمہؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔"

جناب سیدہ کو پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپ کے جنازہ پر نامحرم لوگوں کی نظر پڑے۔ رحلت سے پہلے اسماءؓ سے فرمایا۔ عورتوں کی لاش اس طرح جاتی ہے کہ اس پر ایک کپڑا ڈالدیا جاتا ہے اور وہ ایک تختہ پر رکھ دی جاتی ہے اور لوگ اُسے اُٹھا لیجاتے ہیں یہ طریقہ مجھے پسند نہیں۔ اس لئے کہ اس سے عورت کا بدن بالکل بے پردہ ہو جاتا ہے۔ اسماءؓ نے

نے کہا اے دخترِ رسول اللہ کیا میں آپ کو وہ چیز بتا دوں جسے میں نے ملکِ حبشہ میں دیکھا ہے یہ کہکر اسماءؓ نے نرم لکڑیوں سے گہوارہ اور تابوت کی شکل بنائی اور اسپر کپڑا ڈال دیا۔ جناب سیّدہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اس طرح سے اپنے لئے گہوارہ بنوانے کی وصیت کی اور رحلت فرما گئیں۔ آج شریف مسلمان عورتوں کا جنازہ اسی طرح اٹھایا جاتا ہے۔ مسلمان عورتوں کے جنازہ کی یہ آبرو اور حرمت جناب سیّدہ کے صدقہ ہی سے ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے جناب سیّدہ سے فرمایا ہم لوگوں کو گھر کے کاموں سے بڑی زحمت ہے۔ اس وقت حضورؐ کے پاس بہت سے قیدی آگئے ہیں۔ حضورؐ سے تم بھی کسی لونڈی کو مانگ لو کہ کام میں آسانی ہو۔ آپ گئیں اور اپنا مطلب بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "صُفہ والے غریب بیکس نادار مسلمان بڑی مصیبتوں میں ہیں اور آج اُن کا خرچ چلانا مجھے ضروری ہے (میں ان قیدیوں کو بیچکر ان کی ضروریات پر خرچ کرنا چاہتا ہوں) تم کو وہ چیز بتا دیتا ہوں۔ جس کا نفع تم کو لونڈی اور غلام سے زیادہ ہوگا۔ جناب سیّدہ نے خوش ہو کر عرض کیا "ارشاد ہو" حضورؐ نے فرمایا "ہر روز ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کی تسبیح پڑھا کرو۔ جناب سیّدہ خوش خوش واپس آئیں اور برابر اس تسبیح کو پڑھتی رہیں۔ آج تک تمام دنیا کے مسلمان جو تسبیح فاطمہ نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں وہ یہی ہے جس کا فیضان برابر جاری ہے

آپ کی یہ جلالتِ قدر تھی کہ جس طرح حضورؐ نے جناب خدیجہ کی زندگی میں اور کسی عورت سے عقد کرنا جائز نہ جانا۔ اسی طرح جناب سیدہ کی زندگی بھر

حضرت علی نے بھی کوئی دوسرا عقد جائز نہ سمجھا۔

آپ کے اخلاق کریمانہ اس درجہ تھے کہ اپنی لونڈی سے گھر کا اتنا ہی کام لیتیں جس قدر خود کرتی تھیں۔ بلکہ تقسیم کار یہ تھی کہ ایک روز فضہ خدمت انجام دیتیں اور دوسرے روز جناب سیدہ خود گھر کا کام کرتیں۔

آپ کی سادہ زندگی اور زہد کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ حضورؐ آپ کے یہاں تشریف لائے۔ جناب فاطمہ آغوش میں صاحبزادہ کو لیئے ہوئے دونوں ہاتھوں سے آسیہ گردانی فرما رہی تھیں جناب رسول خدا نے یہ حالت دیکھی تو دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا۔ "اے بیٹی دنیا کی تلخی اور تکلیف پر صبر کرو۔ اس کے عوض خدا تمکو آخرت کی شیرینی اور راحت بہت زیادہ دے گا۔" یہ سنکر آپ نے کس خوشی سے فرمایا۔

یَا اَبتِ اَلحمدُ لِلّٰہِ علیٰ نعمائہ والشکر علی الائہ

"اے بابا خدا کی ہر نعمت پر وہ قابل حمد ہے اور ہر آرام ولذت پر وہ مستحق شکر ہے۔"

جناب سیدہ کو حضور کی خوشی اس درجہ منظور تھی کہ ایک دفعہ جب آپ نے اپنے دروازہ پر ایک پردہ لگا دیا تھا۔ ایک ہار اور دو بندے پہن لیئے تھے اس وقت حضورؐ مدینہ سے باہر کہیں تشریف لے گئے تھے جب واپس آکر دیکھا تو اس کو پسند نہ فرمایا۔ جناب سیدہ کو معلوم ہوا تو فوراً وہ پردہ ہار اور بندے حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیئے اور عرض کی کہ حضور ان کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالیں۔ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔ "فاطمہ کا باپ ان پر فدا ہو جائے۔ آل محمدؐ کو

دنیا سے کیا واسطہ۔ یہ لوگ تو آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور دنیا ان کے غیروں کے لئے ہے۔" جناب سیدہ کا عقد جس سادگی سے ہوا جہیز جتنا سادہ تھا۔ مہر جتنا معمولی تھا کتابوں میں کثرت سے اسکا ذکر آجاتا ہے۔ جناب سیدہ کی مثال سے آج اُمت کے لوگ جتنا چاہئیں فائدہ اٹھائیں۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری کی زبان سے سنیئے۔

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی بیٹی | حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے
ردائے فقر بھی حاصل تھی توفیق سخاوت بھی | کہ ہونا تھا اسے سرتاج خاتونانِ جنت بھی
اسی کی تربیت میں اسوہ تھا یمن سعادت کا | اسی کی گود سے دریا اُبلتا تھا شہادت کا

محسنِ عالم کی جو دردمندانہ خدمات جناب سیدہ نے انجام دیں۔ وہ بھی جناب سیدہ کے مناقب کا ایک باب ہے

ایک دفعہ حضور حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور کفار مکہ آزار رسانی کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ آخر ابوجہل نے ایک اونٹ کی اوجھڑی منگائی۔ حضورؐ جب سجدہ میں گئے تو وہ بھاری اوجھڑی حضور کی کمر پر رکھ دی۔ اس بوجھ کی وجہ سے حضور سجدہ سے سر نہ اٹھا سکے۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا مگر ان اشرار کے سامنے اکیلا جرأت نہ کر سکا۔ جناب سیدہ باوجود کم عمری کے تشریف لائیں اور اُن سب کو ملامت کی اور وہ بوجھ حضورؐ کی پشت سے ہٹایا۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضور پر کوڑا پھینکا۔ حضور گھر میں تشریف لائے حضرت سیدہ سر کو دھوتی جاتی تھیں اور سید عالم کی اس اذیت

پر گریہ کرتی جاتی تھیں۔ اور حضورؐ آپکی تسکین فرماتے جاتے تھے۔

غزوۂ احد برپا ہے حضورؐ خود زخمی ہو گئے ہیں دشمن اور اعداء میں گھرے ہیں۔ حضرت سیدہ کو حضورؐ کے زخمی ہو جانے کی خبر ملتی ہے۔ آپ فوراً حضورؐ کی خدمت کے لئے میدان احد میں پہنچ جاتی ہیں۔ حضرت علی سپر میں پانی بھر کر لاتے ہیں۔ حضرت سیدہ حضور کے زخموں کو دھوتی ہیں۔

غرض جس طرح حضرت سیدہ کا علم و عرفان۔ زہد و اتقا۔ اسوۂ اخلاق سیدالانبیاء کی تلقینات کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ اسی طرح حضرت سیدہ کی صورت و سیرت، رفتار و گفتار جناب سیدالانبیاء کی صورت و سیرت رفتار و گفتار سے بیحد مشابہ تھی اور یہ مشابہت تامہ مناسبت ذاتی اور مناسبت خلقی کی خبر دیتی تھی۔ اس موقعہ پر بھی علامہ اقبال کے چند اشعار منقبت یاد آجاتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز | از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین | آں امام اولیں و آخریں
آنکہ جاں در پیکر گیتی دمید | روزگار تازہ آئیں آفرید
بانوئے آں تاجدار ھل اتٰی | مرتضےٰ۔ مشکل کشا۔ شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق | مادر آں قافلہ سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم | حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار کیں | پشت پا زد۔ بر سر تاج و نگیں
آں دگر مولائے ابرار جہاں | قوت بازوئے احرار جہاں

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ — مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گردان و لب قرآں سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز — گوہر افشاندے بدامانِ نماز

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست — پاسِ ناموسِ جنابِ مصطفےٰ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے،
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

حضورِ اقدس صلعم نے فرمایا

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی آدَمَ فِی عِلْمِہٖ وَاِلٰی نُوْحٍ فِی فَہْمِہٖ وَاِلٰی اِبْرَاہِیْمَ فِی حِلْمِہٖ وَاِلٰی یَحْیٰی بْنِ زَکَرِیَّا فِی زُہْدِہٖ وَاِلٰی مُوْسٰی بْنِ عِمْرَانَ فِی بَطْشِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

(ریاض نضرہ جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۸۔ حدیث تشبیہ)

یعنی جو شخص چاہے کہ حضرت آدم کو انکے علم کے ساتھ۔ حضرت نوح کو انکی فہم کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم کو ان کے حلم کے ساتھ حضرت یحییٰ بن زکریا کو ان کے زہد کے ساتھ اور حضرت موسیٰ کو ان کی صولت کے ساتھ دیکھے وہ نظر کرے علی ابن ابی طالب کی طرف۔

اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم۔ فہم۔ حلم۔ زہد۔ بطش) میں حضرت علی مذکورہ بالا انبیاء کے برابر تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل انبیاء تمام

صحابہ سے افضل تھے اور جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی کل صحابہ سے افضل تھے"۔

(اربعین فی اصول الدین۔ دارجح المطالب صفحہ ۵۵۴)

حضورؐ نے حضرت علی کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے۔

عَنْ اَنَسْ ابنِ مَالِکَ قَالَ قَالَ رَسُول اللّٰہ مَا من بنی اِلاّ ولہ نظیر فی اُمتہ نعلی نظیری (اخرجہ النخلحی والدیلمی) (ارجح المطالب صفحہ ۵۴)

یعنی انس ابن مالک صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ی ہوتی ہے۔ اور میری امت میں میری مثال علی ہیں"۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے بعد ایک خطبہ میں برسرِ منبر فرمایا۔ ایک لاکھ سے زیادہ کا اجتماع اس وقت آپ کے روبرو تھا۔

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌ مولاہ۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔

یعنی "میں جس کا مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ اُس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے"۔

حضورؐ نے کس معنی میں حضرت علی کو مولا فرمایا یہ ہماری زبان سے نہیں بلکہ حضرتِ خواجہ فریدالدین عطارؒ کی زبان سے سنیں فرماتے ہیں:۔

عبث در معنیٔ "من کنت مولا" می روی ہر سو
علی مولا بہ آں معنی کہ پیغمبر بود مولا"

اِس حدیث کے علاوہ ہمارے ناظرین ان احادیث اور آیات کا بھی ایک ذہنی اعادہ کر لیں جو مناقب اہل بیت کے عنوان میں ابتدا میں بیان ہو چکیں۔

حضرت علی ۱۳ رجب بروز جمعہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے کسی اہلِ ذوق نے اس بنا پر خوب کہا ہے۔

مقصد از انشائے کعبہ یعنی میلاد تو بود — ورنہ شخص لامکاں را خانہ کے با شد روا

اسوقت سرورِ کائنات کی عمر شریف تیس سال تھی۔ جناب علی نے کبھی بت پرستی نہیں کی اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ لکھا جاتا ہے (صواعق محرقہ) حضرت علی کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد بیان کرتی ہیں کہ جب علی پیدا ہوئے تو حضورؐ نے آکر حضرت علی کو اپنی آغوش میں لیا۔ آپ کا نام علی رکھا۔ پھر آپ کے منہ میں اپنی زبان مبارک دے دی۔ جس کو حضرت علی چوستے چوستے سو گئے۔ حضرت علی کے بچپن کا زمانہ بھی حضورؐ کے سایۂ عاطفت میں گذرا اور اسکے بعد عمر بھر کبھی حضور سے جدا نہیں ہوئے۔ چنانچہ پہلی وحی پر آپ ایمان لائے اور سبقتِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور کی طرح شروع سے ایمانِ ازلی پر قائم تھے حضرت علی فرماتے تھے۔ کہ میں اِس امت میں کسی کو نہیں جانتا جس نے مجھ سے پہلے خدا کی عبادت کی ہو۔ بے شک میں نے پانچ یا سات سال پہلے سے خدا کی عبادت کی اور

میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں جس نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۲)

حضرت علی کا یہ شعر مشہور ہے۔

سَبقتکم الی الاسلام طُراً غلاماً ما بلغتُ اوان حلمی

یعنی میں نے تم سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہ پہنچا تھا (ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۱۶) (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۹۲)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ط

یعنی اے رسول اپنے اقربا کو اللہ سے ڈراؤ۔ اس وقت حضرت علی کی عمر ۱۳ سال کی تھی حضور نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور آپ نے چالیس اقربا و عمائدین کو مدعو کیا اور دعوت کے بعد آپ نے اپنی نبوت اور اپنا پیغام سنایا حضرت علی نے فرمایا یا رسول اللہ اگرچہ میں کم عمر ہوں مگر میں آپکی مدد کرونگا اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہونگا۔ اس لمحہ سے لیکر تا دم واپسی تمام دینی مراحل میں حضرت علی حضور اقدس کے ساتھ رہے اور ہر نازک سے نازک موقعہ پر اللہ اور رسول اور دین حنیف کی خدمت کیلئے سینہ سپر رہے۔ شب ہجرت جس حوصلہ مندی سے حکم نبوت سے بستر رسول پر سو گئے وہ حضرت علی ہی کی شان ہے اسلئے کہ اس شب اس بستر رسول اللہ پر رسول اللہ کے شہید کرنے کے لئے رسول اللہ کے دشمنوں کی ۷۲ تلواریں پڑنے والی تھیں اور یہ بستر اس شب قتل گاہ کے حکم میں تھا اسکے بعد حضرت علی کا مکہ معظمہ میں حضور کی امانتیں لوٹانے کے لئے تن تنہا تین دن اپنے اعدا کے درمیان زندگی بسر کرنا آسان کام نہ تھا جو آپ نے

بہ طیبِ خاطر قبول کیا اور انجام دیا اور پھر تن تنہا وہ خطرناک راستہ طے کرتے ہوئے جنابِ رسالت مآب سے آ ملے۔

اس کے بعد بدر۔ اُحد۔ احزاب۔ خیبر۔ حُنین۔ غرض تمام اہم غزوات کے اندر جس جلالتِ شان کیسا تھ آپ پیش قدمی فرماتے رہے اُنکی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ بدر میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی طرف سے حضرت علی اور جناب حمزہ اور حضرت عبیدہ میدان میں آئے اور جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد ڈالی۔ کیفِ ایمانی کے لئے ابوالاثر حفیظ جالندھری کی پُر تاثیر زبان سے اس موقعہ کے چند اشعار سُنیں۔

بڑھے اُب ابن عبدالمطلب شیرِ خدا حمزہ	امیرِ قوم و عمِ مصطفٰے و مرتضٰے حمزہ
عبیدہ اور علی مرتضٰے انکے معین ہیں	کہی تکبیر اہل اللہ نے جوشِ ہمیت میں
بڑھے شیروں کی صورت سوئے میدانِ وغا تینوں	علی حمزہ، عبیدہ، اولیائے مصطفٰے تینوں
خدائے پاک کی مدح و ثنا کرتے ہوئے نکلے	رجز پڑھتے ہوئے وحدت کا دم بھرتے ہوئے نکلے

اسکے بعد غزوہ احد کی خدمات بھی جناب علی مرتضٰے کی نہایت نمایاں ہیں جس وقت فتح کے بعد کفارِ مکہ نے گھاٹی کے عقب سے حملہ کیا اور مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ ے اس وقت ثابت قدم رہنے والوں میں جناب علی کی حیثیت نمایاں تھی وہ صحابہ جو حضور کو گھیرے ہوئے تھے اور خود زخم کھا رہے تھے کہ حضور کو کوئی آزار نہ پہنچے اسوقت جناب علی ان سب سے آگے کھڑے ہو کر دشمن کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو اپنی تیغ زنی سے سپر کی طرح روکے ہوئے تھے علامہ شبلی کے الفاظ میں ہم آپ کے سامنے اسوقت کا ایک سین پیش کرتے ہیں :-

"اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرتِ ابُودجانہ فوجوں کے دَل میں گھُسے اور صفوں کی صفیں صاف کردیں" (سیرۃ النبی جلد اوّل)

علامہ شبلی پھر دوسری جگہ آگے چلکر لکھتے ہیں:۔

مُصعب بن عمیر جو حضورؐ سے صورۃً مشابہ تھے اور عَلم بردار تھے ابن قیمہؔ نے ان کو شہید کردیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس آواز سے عالم بدحواسی چھا گیا اور بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اور دوست و دشمن کی تمیز نہ رہی...

...... رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مڑکر دیکھا تو صرف گیارہ جانثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت سعد وقاص۔ زبیر بن العوام ابودجانہ طلحہ کا نام بہ تخصیص ہے...... اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں اُلٹتے جاتے تھے لیکن کعبۂ مقصود کا پتہ نہ تھا.......جان نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرورِ عالم کو ڈھونڈتی تھیں سب سے پہلے کعب بن مالک کی نظر پڑی چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ کعب نے پہچان کر پکارا مسلمانوں رسول اللہ صلعم یہ ہیں۔ یہ سنکر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹکر اس رُخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل

پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا........"

غزوۂ احزاب کا منظر خود قرآن نے اس وضاحت سے کھینچا ہے کہ اُن نازک لمحات کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ کفارِ مکہ کے ساتھ یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام قبائل موجود تھے اور اس لشکر کی کل تعداد ۲۴ ہزار تھی۔ فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین ہل گئی۔ خود قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورۂ احزاب)

ترجمہ :- "جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑا۔ اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آگیا اور وہ زور سے لرزنے لگے"

غرض مدینہ کے گرد خندق تھی تاکہ دشمن یک بارگی حملہ نہ کر سکے مگر عمرو بن عبدود مع چند بہادر اور مشہور سواروں کے خندق عبور کر کے مسلمانوں کے سامنے آگیا۔ ان میں سب سے زیادہ بہادر عمرو ابن عبدود تھا اور وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا اُسنے پکار کر کہا۔ کون مقابلہ کو آتا ہے حضرت علی نے اٹھ کر کہا "میں" لیکن حضورؐ نے روکا اور کہا "یہ عمر ابن عبدود ہے"۔ حضرت علی بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا

اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو نے دوبارہ پکارا، اور پھر صرف وہی ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری بار جب آنحضرت نے فرمایا کہ "یہ عمرو ہے"۔ تو حضرت علی نے عرض کی "ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے"۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی اور دستِ مبارک سے عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص اگر دنیا میں مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علی نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علی:۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی۔ لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو۔ میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے مجھ سے یہ درخواست کی جائیگی...... پھر پوچھا۔ تم کون ہو۔ آپ نے نام بتایا۔ اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا۔ پیدل سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ (سیرۃ النبی جلد اول)

اسی طرح خیبر کا غزوہ بھی نہایت اہم تھا جسمیں حضورِ اقدس صلعم مع جماعتِ صحابہ کے خیبر پہ مقیم رہے اور متعدد بار فتح خیبر کی جدوجہد ہوئی مگر نتیجہ نہ نکلا۔ اس مہم پر پہلے بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔ جب اس مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلعم نے فرمایا "کل میں اس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دیگا۔ اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔" (صحیح بخاری میں یہ ارشاد گرامی موجود ہے) یہ رات نہایت اُمید و انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے تاجِ فخر کس کے ہاتھ آتا ہے ۔۔۔۔۔۔ حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علی میں مذکور ہے۔ ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی باقی نہ رہ سکی۔ صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی۔ "علی کہاں ہیں"؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سبکو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دُعا فرمائی۔۔۔۔۔۔ حضرت علی آگے بڑھے۔ مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔ مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا۔۔۔۔ مرحب کے جواب میں حضرت علی نے رجز پڑھا۔ مرحب بڑے طمطراق سے آیا تھا لیکن حضرت علی نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں

تک اُتر آئی ...... مرحب کے قتل کے بعد حملہ عام ہوا اور خیبر فتح ہو گیا......
صحیح مسلم میں حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح
الروایات ہے۔" (سیرۃ النبی جلد اوّل)

۱۔ ہم نے بہ نظرِ احتیاط دورِ نبوی میں حضرت علی کی اس فاتحانہ حیثیت کو مستند حوالوں کے ساتھ لکھنا مناسب سمجھا۔ ماحصل یہ ہے کہ دورِ نبوی کی فتوحات میں حضرت علی کا حصّہ کثیر از کثیر ہے اور یہ حضرت علی کے کارناموں کا پہلا دَور ہے۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خدماتِ دینی کا دوسرا دَور اس زمانہ کو کہنا چاہیئے جو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی علمی خدمات اسی زمانہ میں جاری رہیں۔ آپ کے مشورہ سے حضرات خلفاء اس طرح فائدہ اُٹھاتے کہ خود حضرت عمر نے حضرت علی کے ایسے مفید مشوروں پر کئی مرتبہ یہ فرمایا کہ

لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ (علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا)

۳۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کا دورِ خلافت شروع ہوا اور یہ حضرت علی کے کارناموں کا تیسرا دور ہے۔ حضرت عثمان رض کی شہادت کے بعد اندرونِ ملک جو خلفشار تھا اس کے زیرِ اثر ایک خانہ جنگی کا باب کھل گیا تھا اس کے سلسلہ میں جنگِ جمل واقع ہوئی۔ جنگِ صفین واقع ہوئی۔ خوارج نے فتنے اٹھائے اور ان سے جنگ کی نوبت آئی۔ مگر ان تمام مواقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیثیت فاتحانہ تھی۔ ہر جنگ

ہیں مدِ مقابل کو شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا اور ملک ہیں امن قائم ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ ہیں جن عاملوں اور گورنروں نے تقویٰ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا اور جانب منفعت کی طرف پڑ گئے تھے اور اُن عاملوں کے اثر سے عوام الناس کے اخلاق بگڑ چکے تھے حتیٰ کہ رشوت ستانی اور ظلم و تعدی کے واقعات بھی پیش آجاتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے از سرِ نو عاملوں اور گورنروں کو اور عوام الناس کو اس تقویٰ پر قائم کیا جو جناب شیخین کے زمانہ ہیں اور جنابِ رسالت مآب کے زمانہ ہیں موجود تھا۔ اور یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ خلافتِ راشدہ کی کامیابی کا دار و مدار اسی تقویٰ پر تھا۔

حضرت عثمان کے زمانہ ہیں مصر کا گورنر ابن ابی سَرح کی بھی شکایات دربار خلافت ہیں پہنچی تھیں اور لوگوں نے بیان کیا تھا کہ وہ اس کے ظلم و ستم اور رشوت سے تنگ ہیں۔ چنانچہ آخرکار مصر سے جو وفد آیا وہ انہی شکایات کی بنا پر تھا۔ اور خود حضرت عثمان نے ابن ابی سَرح کو قابلِ معزولی سمجھ کر معزول کر دیا تھا۔ مگر مروان کی در اندازی سے اسی مصری وفد کو گونا گوں سوئے ظنی پیدا ہو گئی اس وفد ہیں سات سو آدمی تھے انہوں نے غوغا کیا اور حضرت عثمان رض کو شہید کر دیا۔ اس سے مرکزِ حکومت یعنی مدینہ طیبہ ہیں ایک عام شورش ہو گئی۔ غرض ان حالات ہیں حضرت علی کے ہاتھ ہیں عنانِ حکومت آئی اور یہ حضرت علی کی ہی جلالتِ شان تھی کہ آپ نے اس شورش کو دبایا اور اس کے مابعد فتنوں کا استیصال کیا۔ آپ کے زمانہ خلافت ہیں جو فرامین آپکی طرف سے

عاملوں کے نام وقتاً فوقتاً جاری ہوتے تھے ان کے مطالعہ سے ہر تاریخی مذاق کا آدمی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ کی دارو گیر عاملوں اور گورنروں کے لئے بہت سخت تھی۔ اور آپ کا نظام حکومت بڑا استوار تھا۔ انتظام مملکت کے بارے میں یگانہ و بیگانہ کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس آپ کے قرابتی تھے اور ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے۔ بیت المال کی حساب فہمی میں حضرت علی نے اُن سے سخت باز پرس کی۔ اس کی بنا پر ان کو گورنری سے دست کشی کرنی پڑی۔ آپ کے بھائی حضرت عقیل نے چاہا کہ اُن کے وظیفہ میں جو بیت المال سے جاری تھا کچھ اضافہ کردیا جائے مگر آپ نے اُکی درخواست کو مسترد کردیا۔ اور حضرت عقیل عسرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک گورنر کو آپ نے لکھا کہ مجھے شکایت پہنچی ہے کہ تمہاری تقریر صدیقین کی سی ہوتی ہے مگر تمہارا عمل اباحت پر ہے۔ قول و فعل کا اتنا تضاد بھی جناب علی کو گوارا نہ تھا۔

آپ کے زمانہ خلافت میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

۱۔ آپ کے ہاتھ میں رحلتِ نبوی کے ۲۵ سال بعد عنانِ حکومت آئی اور اس زمانہ میں بہت سے اکابر صحابہ رحلت کر گئے تھے۔ اس وقت اس نسل کا دَور دورہ تھا جو زمانہ نبوی کے بعد پیدا یا جوان ہوئی تھی اور اس لئے اس نئی نسل میں سابقہ نسل کا زہد و تقویٰ۔ ایثار و قربانی۔ مقاصدِ ملی میں یک جہتی اس شان کی نہ تھی بلکہ بار بار طلب منفعت میں ناجائز طور پر مبتلا ہو کر مدِ مقابل سے ساز باز کر لیتے تھے۔ رشوت بھی گوارا کر لی جاتی تھی

۲۔ آپ کے زمانۂ خلافت کی میعاد کُل ساڑھے چار سال ہے جو حضرت عمر کے زمانۂ خلافت کے مقابلہ میں نصف سے کم ہے لہٰذا اس قلیل مدت میں اس نئی نسل کے ہاتھوں خانہ جنگیوں کی فضا میں جتنی کچھ کامیابی ہوئی یہ جناب علی مرتضیٰ ہی کی بدولت تھی۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اس خانہ جنگی کے دَور میں اندرونی نظام ہی کو کھو بیٹھتا۔ اور بیرونی حملہ آوروں کو موقع بھی مل جاتا۔

جس طرح ہم نے ناظرین کے تاریخی مذاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے دورِ نبوت کے واقعات میں مورخین اور محققین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ اسی طرح دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر ہم جناب علی مرتضےٰ کے زمانۂ خلافت اور جناب موصوف کے سابقہ کارناموں کے متعلق مؤرخین اور پھر وہ بھی غیر مسلم مؤرخین کے اقوال پیش کر دیں۔ مصر کے مشہور عیسائی مؤرخ علامہ جرجی زیدان نے لکھا ہے

"علی کی حالت کیا بیان ہو۔ زہد اور تقویٰ کے متعلق آپ کی حکائتیں اور واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصولِ اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے قول و فعل میں نہایت شریف اور آزاد تھے۔ .... آپ کی تمام توجہ محض دین کے متعلق رہتی تھی۔...... آپ مسلمانوں کے مال کی نگرانی کرنے میں ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت کام کرنے والوں تحصیلداروں اور عاملوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیتے اور اس میں شدت کرتے صرف اس وجہ سے کہ آپ کو عدل اور حق قائم کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اگر حضرت عمر کے زمانہ میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور

سچا تدین باقی تھا حضرت علی ہی خلیفہ اور مسلمانوں کے حاکم منفرد ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی .... لیکن افسوس آپ کے پاس خلافت کی خدمت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہوگئی تھیں اور انتظامات ملکی اور اصول حکومت کے متعلق والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع پیدا ہوگئی تھی۔ .... زمانہ بدل گیا تھا حالتیں متغیر ہوگئی تھیں اور دوسری طرف امیر معاویہ خزانہ کا منہ کھولے ہوئے آنکھ بند کرکے روپیہ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کرتے جاتے تھے۔" (تاریخ التمدن الاسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴۔ صفحہ ۳۷)

کارلائل لکھتے ہیں:۔ "یہ نوجوان علی ایسے شخص تھے کہ ضرور ہے کہ ہر شخص انکو پسند ہی کرے۔ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسے بہادر شخص تھے جن کی آگ جیسی تیز اور تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی اس شخص کی طبیعت میں عجیب طور کی جوانمردی تھی شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اسکے مزاج میں بڑی نرمی۔ رحمدلی۔ بھلائی اور محبت تھی۔"

(کتاب ہیروز اینڈ ہیروز شپ لیکچر دوم)

مصنف انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی رائے ہے۔ "علی تقریباً ۶۰۰ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔ علی لڑکپن ہی میں وہ شخص تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کی غرض اور غایت کی اعانت اور نصرت میں ناموری حاصل کی۔ .... علی ایک بہادر شریف سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور ان سب میں لائق ترین اب فقط علی ہی تھے جو پیغمبر صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کرکے آخر عمر تک آنحضرت کی سادہ مثال کی پیروی کرتے رہے علی علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ

مجموعے ضرب الامثال اور اشعار کے ان سے منسوب ہیں خصوصاً مقالاتِ علی جس کا انگریزی ترجمہ ولیم لول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام اڈنبرا شائع کرایا۔

حضرت علی کی شانِ علمی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ حضور نے فرمایا۔

اَنَا مَدِینَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا

یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کی ذاتِ گرامی سے شریعت اور طریقت کے وہ سرچشمے جاری ہوئے کہ امت آج تک ان سے فیضان حاصل کر رہی ہے اور یہ خصوصیت آپکی اولاد امجاد میں بھی نسلاً بعد نسلاً سینکڑوں سال تک منتقل ہوتی چلی گئی۔ اس کا کچھ ذکر تبصرہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے حوالہ کے ساتھ آچکا ہے اور اس کی تفصیلات عنقریب آپکی اولاد امجاد کے حالات میں آئینگی۔ سلسلہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ کے ہزاروں اہل شریعت اور اہل طریقت کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ اور اکابر امت اس بارگاہ میں ہمیشہ سر نیاز جھکاتے رہے غیر مسلم حوالہ جات آپ پڑھ چکے اب اکابر امت کے حوالہ جات بھی پڑھ لیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

اے پسر تو بے نشانی از علی	عین ولام یا بدانی از علی
مصطفٰے گفتش تو ئی آدم بہ علم	نوح فہم وحضرت ابراہیم حلم
ہمچو عیسٰی زہد و موسٰی بطش کیست	گر نمی دانی تو بشنو آں علی است

حضرتِ خواجہ فریدالدین عطارؒ کی رفعتِ منزلت سے کون واقف نہیں۔ اس موقعہ پر ایک حدیث کا مضمون اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ بزرگ امت میں اعزہ امت سے خطاب ہے اس لئے ان کو شفقت سے

پسر کہتے ہیں اور آگاہ اور خبردار کرنے کے انداز میں کہتے ہیں کہ اے بیٹے تو حضرت علی کی صحیح مرتبت اور منزلت سے بے خبر ہے تو صرف اتنا ہی جانتا ہے کہ نام علی لکھنے میں ع۔ل۔ی حروف آتے ہیں بس تو سن کہ یہ وہ ذاتِ گرامی ہے کہ حضور اقدسؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اے علی بہ لحاظ علم کے تم آدم ہو یعنی حضرت آدم جیسا علم رکھتے ہو۔ حضرتِ نوح جیسی فہم رکھتے ہو حضرتِ ابراہیم جیسا حلم رکھتے ہو۔ حضرت عیسٰی جیسا زہد اور حضرت موسٰی جیسی صولت رکھنے والا کون ہے۔ اے پسر اگر تو نہیں جانتا تو سن لے کہ وہ علی ہیں۔

علم عمل کے ساتھ فائدہ دیتا ہے اس لئے اس کے ساتھ تعلیماتِ قرآنی پر عمل اور اخلاص عمل کی کیفیت بھی دیکھ لیجئے۔ مثنوی شریف میں حضرت مولانا روم فرماتے ہیں اور اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی نے ایک جہاد میں ایک بڑے کافر کو پچھاڑ کر خنجر سے قتل کرنا چاہا تو اس نے اپنی بے بسی میں انتقاماً آپ کے چہرۂ انور پر گستاخی سے تھوکا جس چہرہ انور کے لئے آج تک پوری اُمت کرم اللہ وجہہ کہتی ہے غرض آپ نے اس کو قتل کرنے کی بجائے چھوڑ دیا اس نے متحیر ہو کر سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اللہ کے دشمن سے اللہ کے لئے جنگ اور جہاد کرتے ہیں۔ تیرے تھوکنے سے ذاتی طور پر غصہ آیا اگر میں اس حال میں تجھ کو قتل کرتا تو وہ اپنے نفس کیلئے ہو جاتا اور ہم اپنے نفس کے لئے کوئی کام نہیں کرتے۔ اس قرآنِ ناطق اور قرآنِ عمل کی بلاغتِ نظر دیکھئے کہ قرآن کہتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے حبیب کہہ دیجئے کہ میری نماز میری عبادت۔ میرا جینا۔ میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو عالموں کا پالنے والا ہے"۔ ٹھیک اسی کلیہ پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عمل ہے۔

کیا دنیا کا کوئی ماہر نفسیات ایسا ہو سکتا ہے جو اس طرح ایسے اشتعال اور جنگی ماحول اور قتال کی فضا کے ہنگامہ خیز لمحات میں اپنے ایک ایک عمل کا تجزیہ کرتا رہے اور اگر وہ عمل اور اس کا ہر جزو اللہ کے لئے ہو تو کر گذرے اپنی ذات کے لئے ہو تو رُک جائے۔ اب حضرت مولانا روم کی زبان سے اس واقعہ پر ایک تبصرہ سُنیں۔

افتخارِ ہر نبی و ہر ولی ۔۔۔ او خیو انداخت بر روئے علی

سجدہ آرد پیش او ہر صبح گاہ ۔۔۔ او خیو انداخت بر روئے کہ ماہ

اس کے بعد حضرت مولانا روم نتیجہ نکالتے ہیں اور اخلاص عمل کے لئے فرماتے ہیں۔

از علی آموز اخلاص عمل

اخلاص عمل ایسی اہم اور بنیادی چیز ہے کہ اعمال خیر خواہ کتنے ہی اہم اور لاتعداد ہوں لیکن اگر ان میں اخلاص نہیں ہے اور ان کی تہ میں ریا یا نمود یا ذاتی مقاصد ہیں تو وہ سب بیکار ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ عمل میں اخلاص یعنی اس کا خالص اللہ کے لئے ہونا بنیادی اور اہم ترین سبق ہے اور ایسا بنیادی اور ایسے اہم سبق کے لئے مولانا روم فرماتے ہیں کہ اسے دبستانِ مرتضوی سے سیکھنا چاہیئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صحبت نبوی کا زمانہ اس قدر طویل ہے کہ اتنا طویل زمانہ کسی اور کو میسر نہ آسکا۔ یہ اسی فیضان کا ثمر ہے کہ جس طرح حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی صفات کا مظہر اتم تھے ٹھیک اسی طرح حضرت مولائے کائنات صفاتِ نبوی کا مظہر اتم تھے۔

اب ہم اپنے ناظرین کو ایک فاضل اجل اور ایک عارفِ کامل یعنی حضرت مولانا نیاز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبانِ فیض ترجمان سے حضرت مولائے کائنات کی شان میں ایک منقبت سنواتے ہیں۔

زہے عزّ و جلال بوترابے فخر انسانے
علی مرتضےٰ مشکل کشائے۔ شیر یزدانے

ولی حق وصیٔ مصطفےٰ دریائے فیضانے
امام دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے

پیمبر بر سر منبر نشست و خواند مولایش
کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق برہانے

انیس مجلس النبی، جلیس مجلس قدسی
سرور جانِ خاصانے نشاطِ روح پاکانے

مہ ظلمت کشا و مشعل تاریکیٔ عالم
سراپا جلوۂ نورے۔ تمامی مہر تابانے

عجب نہ بود بہارے بے خزاں باغِ محبت را
کہ می بارد بروہر لحظہ فیض خاص رحمانے

نیاز اندر قیامت بے سر و سامان نخواہی شد
کہ از حبّ و تولّائے علیؓ داری تو سامانے

ہمارے بعض ناظرین شاید کسی دورِ آخر کے محدّث کی زبان سے کچھ منقبت سننا چاہیں تو ہم شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا ایک ارشاد پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا عنوان علمی دنیا میں سب سے ادق عنوان ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حضرت علی مرتضےٰ کی شان میں ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں۔

"در مبحثِ توحید و صفات زبانے داشت فصیح و آں مبحث در خطبِ وے (کرم اللہ وجہہ) یافتہ می شود۔ و از میانِ کبارِ صحابہ وے (کرم اللہ وجہہ) بر آں زبان منفرد است۔ گویا در بابِ توحید و صفات از فن کلام متکلمِ اول اوست"

ترجمہ:۔ توحید و صفات کی بحث میں حضرت علی بڑی فصاحت سے تقریر فرماتے تھے۔ یہ مبحث آپ کے خطبات میں بہت آتا ہے اکابر صحابہ میں اس صفت کے اندر آپ منفرد ہیں۔ گویا توحید و صفاتِ باری تعالےٰ کے باب میں آپ فن کلام کے اول متکلم ہیں۔

حضرتِ سعدی فرماتے ہیں۔

اگر پرسد از من خدائے کریم! بجائے کہ بردی بسر زندگی را
کہ مولات بود و کرا بندہ بودی بگویم علی باز گویم علی را

معلوم ہوا کہ حبِّ علی اور ولائے علی کا سوال حضرت سعدی کے سامنے

احادیثِ نبوی نے واضح کیا ہوا تھا آپ اسمیں مستغرق تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شانِ مولائیت کے مضمون کو مَنْ کُنْتُ مولاہُ فعلیٌ مولاہ کی روشنی میں ہمہ وقت پیش نظر رکھے تھے۔

حضرت مولانا جامی فرماتے ہیں :۔

تا نہ بودے دستِ حیدر ذوالفقار کے بود اللہ واکبر آشکار

حضور خواجۂ غریب نواز اجمیری فرماتے ہیں۔

بہ اصل و فرع بہ بین و تمیز مرتبہ کن ابو البشر بود آدم ابو تراب علی

یعنی جس طرح درخت کی ایک جڑ ہوتی ہے اور پھر اس کی ایک شاخ ہوتی ہے اسی طرح حضرت ابو البشر یعنی آدمؑ سے نسل انسانی جاری ہوئی اور وہ اس کے باپ ہوئے اور اس کی ایک شاخ سرسبز حضرت علی بھی ہیں کہ وہ زبانِ نبوت سے ابو تراب ہیں۔ یعنی ابو الاولیاء ہیں۔ اہل علم تراب کے یہی معنے کرتے ہیں۔ کہ اس سے وہ اہل اللہ مراد ہیں۔ جنہوں نے عشق الٰہی میں اپنے آپ کو خاک در خاک کر دیا۔ اس لئے ابو تراب کے معنی اُن اہل اللہ کے باپ جو عشق الٰہی میں اسطرح سرشار ہوئے اور واقعی لاکھوں اہل اللہ جو سلسلہ ہائے طریقت میں ہوئے اُن کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ کنایۂ لطیف اس شعر میں یہ ہے کہ کل نسل انسان میں تو اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ ہیں مگر ابو تراب اور ابو الاولیا کی فہرست میں بجز اہل اللہ کے اور کون ہے۔

اب ایک منقبت علامہ اقبال کی زبان سے بھی سن لیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ دورِ آخر کا محقق کیا کہتا ہے :۔

مسلم اول شہ مرداں علی — عشق را سرمایۂ ایماں علی

از ولائے دودمانش زندہ ام — در جہاں مثل گہر تابندہ ام

مرسل حق کرد نامش بوتراب — حق یداللہ خواند در ام الکتاب

ہر کہ دانائے رموز زندگیست — سرّ اسمائے علی داند کہ چیست

خاک تاریکے کہ نام او تن است — عقل از بیداد او در شیون است

شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد — ایں گل تاریک را اکسیر کرد

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب — باز گرداند ز مغرب آفتاب

می شناسی، معنی کرار چیست — ایں مقام از مقامات علی

آسماں را در جہاں بے ثبات
نیست ممکن جز بکراری حیات

حضرت امامِ حسن علیہ السلام

حضور کا ارشاد ہے۔

الحَسَنُ وَالحُسَینُ سَیّدُ اشَبابِ اَہلِ الجنّۃ

یعنی حسن اور حسین جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں۔

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضور کو بہت خوش پایا میں نے عرض کی میں آج حضور کے چہرے پر علاماتِ مسرت پاتا ہوں فرمایا کیونکر خوش نہ ہوں کہ جبریل نے آکر مجھے بشارت دی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار اور ان کے پدرِ بزرگواران دونوں سے افضل ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

حضرت ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ خدا سے عرض کیا میں نے خواب دیکھا ہے کہ حضورؐ کے بدن مبارک کا ایک ٹکڑا میری گود میں آیا ہے فرمایا "بہت اچھا خواب ہے میری فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ تم اس کو اپنے فرزند قثم کا دودھ پلاؤ گی۔ اس کے بعد ہی حضرت امام حسن پیدا ہوئے اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حضرت امام حسن ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے
آپ ۷ سال ۵ ماہ اور تین یوم کی عمر تک حضور کی آغوش تربیت میں رہے۔
حضورؐ کی رحلت کے بعد اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں علم و عرفان سے
بہرہ مند ہوتے رہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضرت امام حسن بچپن ہی سے حضور کی آغوش
میں اور حضور کے پہلو میں رہے اس کا یہ اثر تھا کہ جب آپ کی عمر ۷ سال کی ہوئی
تو جو وحی حضور سے دن کو سنتے یاد فرما لیتے اور شام کو گھر آ کر دن بھر کی وحی
اپنی والدۂ گرامی قدر کو سنا دیتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شانۂ امامت میں
آتے تو حضرت سیدہ کو پیشتر ہی سے اس روز کی وحی سے مطلع پاتے۔ آپ
وحی کے اس طرح پہنچ جانے کا ذریعہ پوچھتے تو حضرت سیدہ فرماتیں کہ آپ
کے فرزند حسن نے مجھ سے بیان کی ہے۔ ایک روز حضرت علی نے کسی گوشہ
میں چھپکر سننا چاہا تو اس روز حضرت امام حسن کی زبان قدرے رکی اور خود ہی
فرمایا۔ میری زبان آج رکتی ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے آج میرے کوئی بزرگ
میرا کلام سننا چاہتے ہیں۔ اور یہ اُن کے رعب کا اثر ہے (بحار جلد ۱۰)
غرض سن رشد کو پہنچتے پہنچتے جملہ کمالات خاندان نبوت سے آپ پوری طرح
بہرہ مند ہو گئے۔

حضرت سیدہ سے طبرانی میں ایک روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "لیکن
حسن اس کے واسطے میری ہیبت اور سرداری ہے اور لیکن حسین اس کے
واسطے میری جرأت اور جود ہے۔" چنانچہ حضرت امام حسن کی اس ہیبت کا یہ اثر

تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے آکر آپ کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی بلکہ آپ کو پوشیدہ اور مخفی طور پر زہر دیا گیا آپ کی سرداری کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ حضورؐ نے آپ کو خود سید فرمایا اور سیادت کا تاریخی فائدہ امّت کو یہ پہنچا کہ امت جو دو ٹکڑوں میں منقسم تھی آپ کے زمانہ میں ایک سیاسی مرکز پر متحد ہو گئی۔ چنانچہ اسکی پیشین گوئی بھی حضورؐ نے فرمائی تھی۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ کے پہلو میں منبر پر حضرت حسن ابن علی تھے اور حضورؐ ایک دفعہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور دوبارہ حضرت حسن کی طرف۔ اور فرماتے تھے "تحقیق یہ لڑکا میرا سید ہے۔ اللہ تعالے صلح کرادیگا اس کے سبب مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان۔"

حضرت امام حسین کے لئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ان کو میری جرأت ملی ہے اس کے لئے واقعہ کربلا کافی ہے کہ ہزارہا برہنہ شمشیروں میں امام برحق نے جس درجہ جرأت اور شجاعت دکھائی مسلم اور غیر مسلم اس کو تسلیم کرتے ہیں ایک ظالم حکومت کا استبداد اور ظالم افواج کا ایک ہجوم آب و دانہ بند کرتا ہے پردہ داران خاندانِ نبوت ساتھ ہیں۔ کل ہمراہیوں کی تعداد ۷۲ ہے انہیں سب شہید ہو چکے ہیں اور صرف اپنے برادرزادوں اور فرزندوں کی باری ہے۔ لیکن جرأت حسین کو ان میں سے کوئی چیز جنبش نہیں دے سکتی آخر فرزند اور برادرزادہ بھی شہید ہو جاتے ہیں آپ تنہا شمشیر برہنہ لیکر اعداء دین سے جہاد فی سبیل اللہ شروع کرتے ہیں۔ دیر تک تیغ زنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے

سرتاپا زخمی و مجروح ہو جاتے ہیں لیکن نہ جرأت میں فرق آتا ہے نہ تلوار ہاتھ سے چھٹتی ہے۔

اسی طرح حلم و عفو و جود و سخا اور صبر و شکر غرض جملہ صفات نبوی کا ظہور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین میں اس طرح تھا کہ گویا آپ حضور کی صفات کا مظہر اتم بن گئے ہیں۔

حضرت امام کا حلم وسیلۃ النجات میں ہے کہ حضرت امام حسن حلم اور صبر کے پہاڑ تھے۔ ایک دفعہ کوفہ میں آپ گھر میں تھے۔ ایک اعرابی آیا اور سخت بے ادبی کی۔ آپ کے والدین کے حق میں کلمات نامزا کہے۔ حضرت امام حسن نے اپنے خادم کو فرمایا کہ روپوں کی ایک تھیلی لے آ اور اس اعرابی کو دیدے۔ اس عطا کے بعد آپ نے فرمایا معاف کرنا میرے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے ورنہ زیادہ دیتا۔ اعرابی نے یہ کیفیت دیکھ کر بیساختہ کہا بیشک آپ ابن رسول اللہ ہیں۔ میں صرف آپ کے امتحان حلم کو آیا تھا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

یعنی برائی کا عوض بھلائی سے دینا قرآن کی تعلیم ہے۔ ابن رسول اللہ نے اپنے اس فعل سے آیۂ پاک کی عملی تصویر پیش کر دی۔

ابن سعد۔ ابن عمر۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ مروان حاکم تھا اور ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی کو برا کہتا تھا۔ حضرت امام حسن سنتے تھے اور کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ ابن سعد کی ایک اور روایت ہے کہ ایک روز مروان حضرت امام

حسنؑ کے سامنے آیا اور حضرت کو نا سزا الفاظ کہے حضرت امام حسن خاموش رہے۔ اس کے بعد مروان نے داہنے ہاتھ سے ناک صاف کی تو امام ہمام نے فرمایا تیرا بُرا ہو تُو نہیں جانتا کہ منہ کے واسطے داہنا ہاتھ ہے اور اعضاء اور اسفل کے واسطے بایاں ہاتھ۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی بدگوئی پر سکوت اقتضاء حلم کے سبب تھا اور کسی دنیاوی خوف کو اس میں دخل نہ تھا اگر دنیاوی خوف کی وجہ سے ہوتا تو اس کے فعل ناشروع پر بھی سکوت فرماتے۔ مگر امام برحق کی حیثیت سے فعل نامشروع کو دیکھ کر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ یافعی وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ کے زہد کی یہ حالت تھی کہ تین بار اپنا کل مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا اور کئی دفعہ آدھا مال راہ خدا میں بخش دیا۔

جود و سخا ایک شخص نے حضرت امام حسنؑ سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانسو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لاکر سب اٹھا لیجا۔ وہ جب مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرت نے اپنی چادر عطا فرما دی۔ اور فرمایا مزدور کی مزدوری بھی میری طرف سے ہونی چاہیئے۔ (مرآۃ المنجان صفحہ ۱۲۳)

ایک شخص نے آپ سے کچھ طلب کیا اور اپنے حالِ زار کی شکایت کی تو آپ نے اپنے کارندے کو بلایا اور اس سے اپنی آمدنی اور خرچ کا حساب لینے لگے۔ جب حساب پورا ہو چکا تو کارندے سے فرمایا۔ اب جو کچھ تمہارے

پاس میرا مال بچا ہو لاؤ۔ وہ پچاس ہزار درہم لایا پھر حضرت نے فرمایا تمہارے پاس میری پانسو اشرفیاں بھی تھیں اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں حضرت امام حسن نے وہ بھی منگوا کر کل درہم اور اشرفیاں سائل کو دیدیں پھر اس سے عذر خواہی فرمانے لگے۔

اسی طرح حضرت امام حسنؑ نے کسی جگہ سنا کہ ایک شخص خدا سے دس ہزار درہم مانگ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی کاشانہ امامت پر تشریف لائے اور اس کے پاس دس ہزار درہم بھیجدیئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۲)

حضرت امام حسنؑ کی یہ جود و عطا دیکھ کر لوگ متحیر ہوتے تھے آخر ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت خود فقر و فاقہ سے رہتے ہیں اور لوگوں کو اس قدر عطا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کروں۔

حضرت امام حسنؑ کی یہ جود و سخا دیکھ کر اہل نظر کو حیرانی نہیں ہوتی بلکہ ان کو فرزند رسول اور جانشین رسول کی یہ جود و عطا دیکھ کر حضور اقدس کی جود و عطا یاد آجاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جود و عطا کا منشا یہ تھا کہ جس کو دے دیا وہ زندگی بھر کے لئے مالا مال ہو گیا۔ اور احتیاج سے چھٹکارہ ہو گیا۔

مقام رضا و رضوان

ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ کو معلوم ہوا کہ جناب ابو ذر غفاری کہتے ہیں کہ "مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری محبوب ہے"۔ حضرت امام نے فرمایا "خدا ابو ذر پر رحم فرمائے وہ یہ کہتے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضاء و

قدر پہ توکل کرے وہ ہمیشہ ایسی چیز کو پسند کریگا جسے خدا اس کے لئے پسند کرے۔" بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت امام حسین کا ارشاد گرامی ہے۔

عبادات حضرت امام حسنؑ نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے حالانکہ سواری کے اونٹ اور گھوڑے ساتھ ہوتے مگر آپ ان پر سوار نہ ہوتے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کی ملاقات کو جاؤں اور اس کے گھر تک پا پیادہ نہ جاؤں (اسد الغابہ جلد ۳)

زمانۂ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسن خلیفہ ہوئے اس وقت خلافتِ راشدہ کے تیس سال پورے ہو چکے تھے اور حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ خلافت تیس سال چھ ماہ رہے گی۔ اور اس کے بعد بادشاہت ہو جائیگی۔ یعنی خلافت حقہ کی جو شان ہے وہ نہ رہیگی بلکہ دنیا دارانہ بادشاہت کی صورت پیدا ہو جائیگی۔ چنانچہ اس میعاد میں تقریباً چھ ماہ باقی تھے کہ حضرت امام حسن کے ہاتھ میں امورِ خلافت آئے ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ امیر شام یعنی امیر معاویہ نے جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں لشکر کشی کی اسی طرح پھر ایک مرتبہ لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ تیاری کے بعد شام سے ایک بڑا لشکر لیکر چلے ادھر حضرت امام حسنؑ نے اہتمام فرمایا اور کوفہ سے ایک لشکر لے کر آپ روانہ ہوئے۔ مدائن کے مقام پہ دونوں لشکر جمع ہوئے مگر حضرت امام حسنؑ نے اس وقت بڑے تدبر سے کام لیا۔ جنگ کی بجائے صلح کی صورت اختیار کی۔ قیام امن کے لئے انتقالِ خلافت کو بھی منظور کیا۔

جب ایک مملکت میں خانہ جنگی برپا کرنے والے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں اور ذاتی مقاصد کے خاطر ملک و مملکت میں فتنہ و فساد کی صورتیں پیدا کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا انسداد وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اگر اس کا انسداد نہ کیا جائے تو ملک و مملکت تباہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ ملک و ملّت کو ان آفات سے بچانیکی تین صورتیں ہیں چنانچہ حضرت علی حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ نے اپنے اپنے زمانہ میں حالات کے مناسب اور وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جس وقت جو تدبیر مناسب تھی اس کو اختیار کیا۔ اور ملک و ملت کو ان آفات سے بچانیکی پوری سعی فرمائی جو ملک و ملّت کے لئے ہلاکت کا باعث ہوتیں۔ ہر سہ مواقع پر یہ فتنہ امیر شام ہی کی طرف سے اٹھا اور مقابلہ ہر دفعہ خاندان نبوت سے تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانہ جنگی کا آغاز کون کرتا ہے اور دفع شر کا انسداد کون کرتا ہے پہلا موقع یہ تھا کہ حضرت علی خلیفہ ہو گئے تھے اور امیر شام کی طرف سے بغاوت ہوئی تھی۔ صفین کے مقام پر دونوں فوجیں جمع ہوئی تھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میدان صفین میں زورِ شمشیر کا جواب زورِ شمشیر سے دیا اور اس ہیجان مملکت کو دفع کیا۔ علماء اہل سنت بھی امیر شام کی اس لشکر کشی کو بغاوت ہی کہتے ہیں۔

دوسرا موقعہ یہ تھا کہ حضرت امام حسن خلیفہ منتخب ہو جاتے ہیں۔ پھر امیر شام کی فوجیں مقابلہ کے لئے مدائن میں جمع ہو جاتی ہیں حضرت امام حسنؑ نے مدائن میں سابقہ خون ریزی کا خیال کر کے صلح کی فضا قائم

کی اور اس کے لئے عدیم المثال ایثار و قربانی سے کام لیا۔ یعنی انتقالِ خلافت کو بھی گوارا فرمایا۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اور جناب مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی صادق آئی۔ جسمیں آپ نے فرمایا تھا۔ "یہ میرا بیٹا سیّد ہے اللہ تعالےٰ اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دیگا۔" چنانچہ صلح ہو گئی۔ اتحادِ ملّت ہو گیا۔ اتنی بڑی مملکت اور قوم کا اتفاق و اتحاد آسان چیز نہ تھا۔ مگر امام حسنؑ کے ایثار و قربانی اور تدبّر نے اسکو آسان کر دیا۔ عالم اسلامی کا عملاً متحد کر دینا ایسا عظیم الشان شاہکار ہے کہ اس کی اہمیت اور اس کے مفاد پر سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ اہلِ نظر اور اہلِ بصیرت اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ آج تمام عالم اسلامی میں اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ تمام اسلامی حکومتیں متحد ہو جائیں۔ اور ایک مسلم بلاک بن جائے تاکہ مسلم اقتدار کی بقا کا سامان ہو سکے محترم جمال الدین افغانی اور اس کے بعد پچاسوں رہنمایانِ قوم اس کی جد و جہد کر چکے ہیں مگر اتحادِ اسلامی تو در کنار اتحادِ عربیہ بھی میسر نہ آیا۔ ایثار و قربانی کے ساتھ اتحادِ ملی کا جو سبق بارگاہِ حسنی سے ہم کو ملا کاش ہمیں یاد رہے۔ آج اگر اس سبق پر ہم عمل کریں تو پاکستان سے احساسِ صوبائیت ختم ہو سکتا ہے۔

تیسری بار یہ فتنہ پھر شام ہی سے برپا ہوتا ہے۔ چونکہ دنیا میں وہ گروہ جو حرص و ہوا کو اپنا شعار بنا لیتا ہے کسی منزل پر قناعت کے لئے راضی نہیں ہوتا خفیہ کہ زہر سے حضرت امام حسنؑ کی شہادت کا سامان کیا جاتا ہے اور پھر یزید کی خلافت کا قبل از وقت اہتمام ہوتا ہے جو حضورؐ کی سنت کے بھی خلاف

تھا اور خلفائے راشدین کی سنت کے بھی خلاف تھا۔

یزید کے حالات فسق و فجور ہرگز اس قابل نہ تھے کہ اہل تقویٰ اسے قبول کرتے مگر اب اہل تقویٰ میں حضرت امام حسین ہی حق امامت کو ادا کرتے ہیں۔ اور اس دفعہ اس فتنۂ قومی فتنۂ ملکی اور فتنۂ مذہبی کو رد کرنے کی آخری صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی۔ اپنے خاندان اور اپنے احباب کی جو قلیل التعداد جماعت سرفروشی کیلئے آمادہ ہے ہزارہا کی فوج سے ٹکرا جائے اور اس طرح شہادت سے تمام امت کے خون سرد کو ایک دفعہ پھر اس طرح گرما دیا جائے کہ یزید کی بیعت خلافت کو ٹھکرانے کے لئے اہل مدینہ بھی آمادہ ہو جائیں۔ اہل مکہ بھی آمادہ ہو جائیں اور تمام ممالک اسلامی غلامانہ طور پر یزید کی بیعت کو قبول کرنے کی بجائے جرأت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دے۔ چنانچہ واقعۂ کربلا کے بعد ٹھیک ایسا ہی ہوا اور دور یزیدی کی خاک اڑ گئی۔ فتنہ تمام عریاں ہو کر فتنہ معلوم ہونے لگا اور ٹھکرایا گیا۔ تفصیلات آگے آتی ہیں۔

حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کی رحلت کے بعد ۶ ماہ ۳ یوم خلافت کے امور انجام دیئے ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو امیر معاویہ کی درخواست پر اُن سے صلح کر کے امور خلافت کو اُن کے سپرد کیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہاں دس سال قیام فرمایا آخر یزید کی سازش سے آپ کو زہر دیا گیا۔ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو آپ نے زہر کے اثر سے شہادت پائی اور مدینہ طیبہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے اب ہم حضرت سیدنا امام حسنؓ کی بارگاہ میں ایک منقبت پیش کرتے ہیں۔

فاطمہ کے قمر کا کیا کہنا — ابنِ خیر البشر کا کیا کہنا

اہلِ جنّت کا سید و سردار — اس سیادت اثر کا کیا کہنا،

سطوتِ مملکت دہشت اس کی — اُس شہِ بحر و بر کا کیا کہنا

متحد کر گیا تھا عالم کو — اُس مسیحا نظر کا کیا کہنا،

یعنی اُمت کا مصلحِ اعظم — اس شہِ خشک و تر کا کیا کہنا!

بارگاہِ حسن کا ہے مقبول — گریۂ چشم تر کا کیا کہنا

فاطمہ رض سے خدا کہے شاید — تیرے لختِ جگر کا کیا کہنا

ساتھ سالک کے سب کہو ملکر
اُن کے نورِ نظر کا کیا کہنا

حضرت امام حسین علیہ السلام

حُسَینٌ مِنّیِ وَاَنَا مِنَ الحُسَینْ ٥

حضورؐ نے فرمایا حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور یہ بہت بڑی منقبت ہے۔ حضرت امام حسین ۳ یا ۵ شعبان کو سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۱ھ تک جدِّ بزرگوار یعنی حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور سنہ ۴۰ھ تک اپنے پدرِ بزرگوار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اور سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ تک اپنے برادرِ عالی قدر جناب امام حسن کے ساتھ رہے۔

جناب رسالت مآب نے اپنے دونوں صاحب زادوں کا نام حسنؑ اور حسینؑ اور تیسرے فرزند کا نام محسن رکھا۔ اس کے بعد فرمایا میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو حضرت ہارون پیغمبر کے بیٹوں کے تھے یعنی شبّر شبیّر اور مشبّر۔ یہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں جن کے مقابل اسمائے عربی زبان میں حسن حسین اور محسن ہیں۔

حضرت امام حسنؑ اپنے سینے سے سر تک۔ اور حضرت امام حسینؑ سینے سے

پاؤں تک بالکل رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ حضرت رسولؐ خدا فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ میری دنیا کی بہار ہیں۔

حضرت امام حسین کی منزلت

جناب واصلہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضور اقدسؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور اسوقت آپ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے مکان پر تھے۔ حضرت حسنؓ آئے انہیں رسول خدا نے اپنے داہنے زانو پر بیٹھالیا اور پیار کیا پھر حضرت امام حسینؓ آئے انہیں آپ نے بائیں زانو پر بٹھالیا اور پیار کیا۔ حضرت فاطمہ آئیں انہیں سامنے بٹھالیا پھر حضرت علی کو بلایا اور اس کے بعد فرمایا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝

یعنی یقیناً خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے اے اہل بیت کہ تم لوگوں سے ہر برائی دور کئے رہے اور جس قدر ممکن ہو تم لوگوں کو پاکیزہ رکھے (اسد الغابہ جلد ۳۔ صفحہ ۲۶) اس قسم کی متعدد حدیثیں صحیح مسلم مشکوٰۃ۔ کنز العمال میں بھی ہیں۔

حضرت امام حسین نے بھی ۲۵ حج پا پیادہ کئے اور جسقدر حج آپ نے کئے وہ سب عراق جانے سے پہلے کئے حضرت مصعب فرماتے ہیں کہ آپ کثرت سے روزہ رکھنے والے کثرت سے نماز پڑھنے والے اور کثرت سے حج اور صدقہ اور دیگر امورِ خیر کے بجالانے والے تھے۔ عربی الفاظ

كَانَ الحُسَيْنُ فَاضِلاً كَثِيراً لصَّوم والصَّلوٰة وَالحَجّ وَالصَّدقةِ وَاَفعَالُ الخَيرِ جَمِيعًا ٥

(اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

انہماک نماز واقعات کربلا سے ظاہر ہے جن کی تفصیلات آگے آتی ہیں۔ عیزار ابن حریب سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت امام حسینؓ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کہا آج کے دن یہ شخص اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ (اصابہ جلد ۲۔ صفحہ ۱۵)

اس سے زیادہ جناب ابوہریرہ کا قول ہے کہ ایک جنازہ میں بہت سے لوگ جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ بھی تھے اور حضرت امام حسینؓ بھی تشریف لے گئے تھے راہ میں ابوہریرہؓ اپنے کپڑے سے حضرت امام حسینؓ کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے حضرت امام حسینؓ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم میرے پاؤں جھاڑتے ہو؟ اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہؓ نے کہا

وَعنِي مِنكَ فلو يعلم الناس منكَ مَا اَعلمُ ليحملونك على عواتقهم ٥

یعنی آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کام سے نہ روکئے آپ کے فضائل ومناقب جسقدر مجھے معلوم ہیں اگر وہ دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں۔ تو لوگ آپ کو پیدل چلنے بھی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر اٹھالیں۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۹)

اِس سے زیادہ اہم حضرت عمر کا قول ہے حضرت امام حسین بیان فرماتے تھے ایک مرتبہ میں حضرت عمر کے پاس گیا دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں (حضرت امام حسین کا بچپن کا زمانہ تھا) یہ دیکھ کر میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا "میرے باپ (رسول اللہ صلعم) کے منبر پر سے اُتر جایئے اور اس منبر پر جا کر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا "میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے"۔ پھر انھوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور فرمایا "میرا باپ تم پر فدا ہو جائے تم میرے یہاں کبھی کبھی آیا کرو"۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ معاویہ اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ باتیں کر رہے ہیں حضرت عمر کے بیٹے دروازہ پر تھے وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہنے لگے "صاحب زادہ تم میرے ہاں آئے نہیں" میں نے کہا۔ "میں تو آیا تھا مگر آپ اور معاویہ تنہائی میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ میں بھی عبداللہ ابن عمر کے ساتھ واپس آگیا"۔ یہ سُنکر حضرت عمر نے کہا "میرے لڑکے سے زیادہ تمہارا حق ہے:

فانما انبت ما ترے فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔

کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک خدا کے فضل اور آپ حضرات (اہل بیت طاہرین) کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے"۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۔ کنز العمال جلد ۷۔ صفحہ ۱۰۵۔ ازالۃ الخفا جلد ۲۔ صفحہ ۸۰)

جناب ابن عباس رسول خدا کے چچا زاد بھائی اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے ایک دفعہ حضرت امام حسین سوار ہونے لگے تو انہوں نے حضرت کی رکاب

پکڑ کر حضرت کو سوار کیا۔ اس پر کسی نے کہا "اے ابن عباس آپ رشتے اور عمر دونوں میں حضرت امام حسین سے بڑے ہیں پھر آپ ان کے سامنے اس طرح پیش آتے ہیں"۔ اسپر وہ بولے۔

یا لکع وما تدری ھذین ھذان ابنا رسول اللہ اولیس مما انعم اللہ بہ ان امسک لھما و اسوی علیھما۔

یعنی اے کم بخت تجھے کیا معلوم کہ یہ دونوں بزرگ کون ہیں یہ دونوں رسولِ خدا کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں کیا میں اُن کی رکاب بھی نہ پکڑوں۔ اور انہیں گھوڑوں پر سوار بھی نہ کروں۔ (ناسخ جلد ۶۔ صفحہ ۴۵)

امام حسینؑ کا حلم

حضرت امام حسین کے حلم کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز حضرت امام حسین اپنے احباب کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر جا رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور پوچھا یہ کون شخص ہے جو رسول اللہ کا عمامہ سر پر۔ پیراہن مبارک بدن پر اور شمشیر حمائل کئے ہوئے ہے۔ لوگوں نے کہا یہ حسین ابن علی ہیں۔ وہ شخص حضرت علی کے اعدا سے تھا۔ حضرت امام ہمام کے سامنے آیا اور کلماتِ ناسزا کہے ابن رسول اللہ نے تبسم کیا اور فرمایا۔ "خشکیٔ صحرا کا اگر تم پر اثر ہے تو کچھ عرصہ میرے پاس قیام کرو تاکہ میں تمہارا علاج کروں۔ اگر تمہاری عورت نے تمکو افلاس کی وجہ سے ستایا ہے تو یہ روپیہ لو اور اس کو دے دو۔ غرض اسی طرح

آپ نہایت خلق سے اس کے ساتھ پیش آئے۔ اس وقت چار سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ انہیں سے ایک نے عرض کیا اگر حکم ہو تو اس کو قتل کر دوں امام برحق نے فرمایا "ہم ایک محکم پہاڑ کے مانند ہیں ہم کو کو تندی اور درشتی ہلا نہیں سکتی۔

ایک دن ایک شخص نے ایک ایسا قصور کیا کہ لوگوں نے خیال کیا۔ آج امام عالی مقام اس شخص سے بہت ناراض ہونگے اور اس کی خطا کو معاف نہیں کرینگے۔ مگر دیکھا کہ حضرت امام حسین کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی۔ حاضرین کے استعجاب پر فرمایا" ملائکہ اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہوتا ہے"۔ اس جملہ سے اشارہ اس طرف تھا کہ ہمارا دل رحمت خدا کے نزول کا مقام ہے غضب و خشم کی عادات بیگانہ ہیں ان کا اثر ہمارے دل پر نہیں ہوتا۔

سخاوت ایک دفعہ ایک بادوی مدینہ میں آکر لوگوں سے پوچھنے لگا۔ یہاں سب سے زیادہ کریم اور سخی کون شخص ہے لوگوں نے کہا حضرت امام حسین۔ وہ گیا تو حضرت کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت کے پہلو میں کھڑا ہو کر حضرت کی مدح میں شعر پڑھنے لگا۔ حضرت امام حسینؑ نے نماز سے سلام پھیرا تو قنبر سے دریافت کیا کہ مال حجاز سے کچھ بچا ہے انہوں نے کہا چار ہزار اشرفیاں۔ حضرت نے سب منگوا کر اس کو دے دیں۔ اور معذرت کی۔ وہ بدوی آپ سے وہ عطیہ لیکر رونے لگا حضرت نے فرمایا تو میرے مال کو کم سمجھ کر روتا ہے۔ اس نے کہا نہیں بلکہ میں یہ خیال کر کے

روتا ہوں کہ مٹی حضرت کے پیکر اقدس کو کیونکر کھا سکتی ہے۔

حضرت اسامہ بن زید ایک دفعہ بیمار ہوئے حضرت امام حسینؑ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے پہنچے تو سنا کہ وہ کہتے ہیں ہائے میرا غم و اندوہ۔ حضرت امام حسین نے پوچھا کہ اے بھائی تمہیں کس بات کا غم ہے انہوں نے کہا اپنے قرضہ کا جو ساٹھ ہزار درہم ہے حضرت نے فرمایا کچھ غم نہ کرو میں اسے ادا کر دونگا۔ انہوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے ادا کرنے سے پہلے میں مر جاؤنگا۔ اور یہ بوجھ لیکر دنیا سے جاؤنگا۔ حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہاری زندگی ہی میں اسے ادا کر دونگا۔ چنانچہ حضرت نے ان کے انتقال سے قبل ان کا پورا قرض ساٹھ ہزار درہم ادا کر دیا۔

ایک شخص شعیب خزاعی بیان کرتا تھا کہ حضرت امام حسین جب کربلا میں شہید ہو چکے تو آپ کی کمر مبارک میں بہت سے گٹھے نظر آئے لوگوں نے حضرت امام زین العابدین سے اسکی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت اپنی پشت مبارک پر غلے اور روپے اور اشرفیوں کی گٹھریاں لاد کر بیواؤں۔ یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ انہیں کے یہ نشانات ہیں۔ عبدالرحمٰن سلمی نے حضرت کے ایک صاحب زادہ کو (جو امام نہیں تھے) بچپن میں سورۂ الحمد یاد کرائی تھی جب حضرت امام حسینؑ نے صاحب زادہ سے سن لیا کہ یاد ہے تو عبدالرحمٰن کو ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں دیں۔ اور ان کے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت نے اسے اتنا کیوں دیا فرمایا اس نے جو عظیم الشان خدمت کی ہے اسکے مقابلہ میں میرا یہ انعام کیا حقیقت رکھتا ہے (مناقب جلد ۴۔ صفحہ ۷۰)

ایک شخص امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں ایک مرد درویش اور صاحب عیال ہوں۔ مجھ کو آج کا قوت آپ مرحمت کریں فرمایا بیٹھ جا تیرا رزق راہ میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پانچ تھیلیاں امیر معاویہ کے پاس سے آئیں۔ ہر تھیلی میں ہزار دینار تھے۔ فرزند رسول اللہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اُس سائل کو دے دیں۔ اور عذر کیا کہ اس تھوڑے سے مال کے لئے تم نے بہت انتظار کیا۔ اگر میں جانتا کہ اس قدر ہے تو تمکو اتنا انتظار نہ کراتا۔ ہم کو معذور رکھو کہ ہم اہل بلا سے ہیں اور حالات دنیا سے علیحدہ ہیں۔ اپنی خواہشوں کو گم کر کے دوسروں کی مراد پر زندگانی بسر کرتے ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں امام حسینؑ کے پاس تھا۔ ایک لونڈی آئی اور اس نے ایک شاخ ریحان حضور کے سامنے پیش کی حضرت امام نے فرمایا میں نے خدا کے واسطے تم کو آزاد کیا۔ حضرت انس کہتے ہیں میں نے عرض کیا یہ ہدیہ جو یہ لونڈی لائی ہے اس قابل نہ تھا کہ آپ نے اس کو آزاد کیا۔ فرمایا اللہ تعالٰے نے ایسا ہی ادب سکھایا ہے کہ جب کوئی تمہارے واسطے ہدیہ لائے تم اس سے بہتر اس کے عوض دو یا اس جیسا۔ میں نے اس کو آزادی دی ہے جو اس کے ہدیہ سے بہتر تھی۔ ان واقعات کے ساتھ حضور رسالت مآب کی اس عطا کو یاد کریں جسنے فتح حنین پر لوگوں کو مالا مال کر دیا تھا۔ اور دیگر بے شمار مواقع کی عطا بھی اسی طرح بے بہا تھی فی الحقیقت جو اپنی جان اور اپنی خاندان کی جانوں کے نذرانے اللہ کی بارگاہ میں آسانی سے دے سکتے تھے اُن کو اللہ کے راستہ میں ہر چیز دینا آسان تھی۔

حضرت امام حسینؑ کے حلم کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز امام حسینؑ کھانا نوش کرتے تھے کہ خادمہ کے ہاتھ سے کھانے کا گرم پیالہ گرا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کی طرف تادیباً دیکھا اس نے یہ آیہ کریمہ پڑھی

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ غصّہ کو ضبط کرتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں نے غصہ کو ضبط کیا۔ اس نے عرض کی۔

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ

یعنی لوگوں کی خطا معاف کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ اس نے آیہ پاک کا آخری حصہ پڑھا۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اور احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا میں نے تجھ کو خدا کے واسطے آزاد کیا۔ اس طرح امام برحق نے اپنے قول و فعل سے آیت قرآنی کی پوری تفسیر کر دی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں مسلسل یکے بعد دیگرے ایسے ایسے آئمہ پیدا ہوئے کہ ہر ایک ان میں سے اپنے وقت میں وارثِ کمالاتِ محمدی اور آئینہ جمال محمدی اور قائم مقام رسول اللہ اور ہادیٔ خلق خدا تھا۔

تقرّبِ خداوندی

حضرت امام حسینؑ ایک دفعہ رات کے وقت باہر تشریف لیجارہے تھے۔ حضرت انس ابنِ مالک

ساتھ تھے۔ جاتے جاتے اُم المومنین حضرت خدیجہ کے مزار پر پہنچے۔ مزار پُرانوار کو دیکھ کر آپ کو رقت ہو گئی۔ حضرت انس سے فرمایا "بھائی تم اپنے گھر جاؤ" حضرت انس کہتے تھے کہ "میں وہاں سے ہٹ کر قریب ہی ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا کہ حضرت کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نے وہاں نمازیں پڑھیں اور اس کے بعد خدا سے اس طرح مناجات کرنے لگے۔

یا رب یا رب انت مولاہ	فارحم عبید الیک ملجاہ
یا ذا المعالی علیک معتمدی	طوبیٰ لمن کنت انت مولاہ
طوبیٰ لمن کان خائفاً ارقا	یشکو الی ذی الجلال بلواہ
وما بہ علۃ ولا سقم	اکثر من حبہ لمولاہ
اذا اشتکی شبہ وغصتہ	اجابہ اللّٰہ ثم لباہ
اذا ابتلی بالظلام مبتہلا	اکرمہ اللّٰہ ثم ادناہ

یعنی اے میرے رب اے میرے رب تو ہی میرا آقا اور مولا ہے۔

پس تو اپنے اس حقیر بندے پر رحم فرما جو تیری پناہ چاہتا ہے۔ اے بلندیوں والے تجھ ہی پر میرا پورا بھروسہ ہے جس کا تو مولا ہو گیا اس کی خوش قسمتی کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ جو بندہ ہوشیار او بیدار رہے اور تجھ جیسے ذوالجلال والاکرام سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرے وہ کیسا مبارک اور نیک بخت ہے اس کو کوئی شکایت اور مرض اپنے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ جب وہ اس سے اپنے غم واندوہ کی شکایت کرے تو فوراً اللہ اس کی دعا قبول کرے اور اس کے استغاثہ پر لبیک کہنے لگے اور جب وہ اندھیری رات

میں اس کی مدد گاہ میں گڑگڑائے تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے اور اس کو اپنے دربار میں مقرب کر لے۔

حضرت کی مناجات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ خدا کی طرف سے ہاتفِ غیبی نے اس طرح جواب دیا۔

لبیکَ عبدی وانت فی کنفی　　وکلما قلت قد علمناہ

صوتک تشتاقہ ملائکتی　　فحسبکَ الصوت قد سمعناہ

دعاک عندی یجول فی حجب　　فحسبک الستر قد سفرناہ

لو ھبت الریح جو انبہ　　خر صریعا لما تغشاہ

سلنی بلا رغبۃ ولا رھب　　ولا حساب انی انا اللہ

ترجمہ:- اے میرے بندے میں تیرے لئے حاضر ہوں تو میری خاص بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ اور جو کچھ تو نے کہا وہ سب میں نے سن لیا۔ تیری آواز اتنی پیاری ہے کہ میرے فرشتے تیرے مشتاق رہتے ہیں۔ تو نے اپنی آواز سے جو اس وقت مناجات کی وہ سب میں نے خوب سن لی۔ تیری دعا میرے ہاں حجابوں میں جو لانیاں پیدا کر رہی ہے تو نے جو دعا کی اسی قدر کافی ہے۔ میں نے تیرے اوپر سے کے پردے ہٹا دیئے اگر اس کے اطراف وجوانب سے ہوائیں چلیں تو لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہو جس سے وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ مجھکو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے بغیر کسی بات کی پرواہ کے بے خوف (حساب) مانگ لے کیونکہ میں یقیناً اللہ ہوں۔

(مناقب جلد ۴ صفحہ ۷۸۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴)

امام عالی مقام کی شہادت اسکی اہمیت اور اس کی پیشین گوئیاں!

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح امام حسنؓ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ یہ میرا بیٹا سید
ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دیگا۔
اسی طرح حضور رسول اللہ صلعم نے حضرت امام حسینؓ کے بارے میں بھی پیشین گوئی
کی تھی کہ حضرت کی امت حضرت امام حسینؓ کو شہید کریگی۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے
کہ ام الفضل بنت حارث ایک دفعہ رسول خدا کے پاس گئیں اور کہا" اے
رسول خدا میں نے آج کی رات ایک بُرا خواب دیکھا ہے" حضور نے فرمایا" کیا
دیکھا ہے"۔ کہا" حضور وہ بہت سخت ہے" حضورؐ نے فرمایا" سنوں بھی تو
کیا دیکھا"۔ انہوں نے کہا" میں نے دیکھا گویا آپ کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا
گیا اور میری گود میں رکھا گیا ہے"۔ یہ سنکر حضورؐ نے فرمایا" تم نے بہت اچھا خواب
دیکھا ہے اگر خدا نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری
گود میں رہیگا"۔ جناب فاطمہ کے ہاں حضرت امام حسین پیدا ہوئے اور میری گود میں
رہنے لگے۔ اور وہی ہوا جو رسول خدا نے فرمایا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میں حسینؓ
کو لیکر حضورؐ کے پاس گئی۔ اور انہیں حضرت کی گود میں دیکر دوسری طرف متوجہ
ہو گئی۔ پھر دیکھا کہ حضورؐ رسول خدا کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ام الفضل
نے کہا .... اے رسول خدا میرے ماں باپ فدا ہوں آپ
کیوں رونے لگے۔ فرمایا" ابھی میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے خبر دی کہ

میری اُمت بہت جلد میرے اِس فرزند کو قتل کر یگی۔" میں نے کہا۔ "یا حضرت کیا اِس فرزند کو؟" حضرت نے فرمایا "ہاں اور وہ میرے پاس ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے۔" (مشکوٰۃ مطبوعہ لاہور جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت کثرت سے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضور اقدس کو اس واقعہ کی خبر تھی اور حضور دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرماتے تھے۔

حضرت حسینؓ اور واقعۂ کربلا

امیر شام یعنی امیر معاویہ نے ۵۶ھ میں اہل شام سے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ پھر مروان کو لکھا کہ اہل مدینہ سے بیعت لے۔ مروان ان دنوں عامل مدینہ تھا۔ چنانچہ مروان نے اہل مدینہ کو طلب کر کے بیعتِ یزید کا مطالبہ کیا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے جواب دیا کہ یہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ حضرت ابو بکر نے اور حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے لڑکوں کو ولی عہد مقرر نہیں کیا۔ اس پر مروان اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر میں سخت گفتگو ہوئی اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ مروان نے یہ واقعات امیر شام کو لکھ بھیجے اس اطلاع پر امیرِ شام خود مدینہ آئے اور یزید کی بیعت ولی عہدی کا مطالبہ کیا۔ اور بعض کچھ ناگواریاں پیدا کر دیں۔ حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر ناگواری حالات کو دیکھ کر مکہ معظمہ چلے گئے مگر امیر شام نے بھی مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ وہاں پھر بیعت یزید کا مطالبہ پیش کیا۔ مگر ان حضرات نے پھر بھی بیعت یزید سے صاف انکار کیا لیکن باقی لوگوں سے لطائف الحیل سے بیعت لے لی گئی۔ جس کی تفصیلات سے اس وقت بحث نہیں۔

آخر سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ نے انتقال کیا۔ یزید تخت حکومت پر بیٹھا حضور کی تعلیم کے خلاف جناب شیخین کی سنت کے خلاف یزید کے ساتھ ملوکیت اور دنیاوی بادشاہت کا آغاز ہوتا ہے۔ کسرائیت پیدا ہوتی ہے اور اس لئے تبدیلی کا دروازہ کھلتا ہے۔ یزید ظالم اور بے رحم تھا۔ گانے بجانے میں مصروف رہتا تھا۔ علانیہ فسق و فجور میں مبتلا رہتا اور شراب پیتا تھا۔ یہی وہ خصلتیں ہیں جنکی بنا پر ان چار حضرات نے (حضرت امام حسین، حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن زبیر) یزید کی بیعت سے انکار کیا اور یہی وہ خصلتیں ہیں جنکو واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ کے ایک وفد نے دمشق آکر اپنی آنکھ سے خود دیکھا اور اس وفد نے جب مدینہ طیبہ جاکر یہ کیفیت بیان کی تو اہل مدینہ کو یقین ہو گیا کہ حضرت امام حسین نے اس سبب سے کربلا کے سب مصائب برداشت کئے مگر ایسے فاسق و فاجر کی بیعت اختیار نہیں کی۔ چنانچہ تمام اہل مدینہ نے بیعت توڑ دی اور حضرت حنظلہؓ کے صاحبزادے کو اپنا امیر بنا لیا۔ اسی بنا پر یزید نے مدینہ طیبہ پر اور پھر اہل مکہ پر کیونکہ انہوں نے بھی حضرت عبداللہ ابن زبیر کو اپنا امیر بنا لیا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد لشکر کشی کی۔ ان تفصیلات سے بھی ہمیں اس جگہ بحث نہیں البتہ اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جس ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے وہ بڑا مقدس ہاتھ ہوتا ہے۔

حضرت امام کی مکہ معظمہ روانگی اور پھر مکہ سے کوفہ روانگی

غرض یزید نے تخت نشین ہوتے ہی مدینہ

کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ حسین ابن علی۔ عبداللہ ابن زبیر وغیرہ سے میری بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو ان کو شہید کر کے ان کے سر روانہ کر دو۔ ان حضرات نے اس موقعہ پر بھی بیعت یزید سے انکار کیا اور حاکم مدینہ کی سختی پر مکہ معظمہ کی روانگی کا قصد کر لیا۔ حضرت امام حسین نے رخصت ہونے سے پیشتر رسول اللہ صلعم کے روضہ پر حاضر ہو کر زیارت کی اور حالات عرض کئے اور وہیں مزار اقدس پر سر رکھ کر سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مع جماعت ملائکہ تشریف لائے۔ حضرت امام حسین کا سر اپنے سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا۔ "بیٹا میں دیکھتا ہوں عنقریب میری امت تم کو کربلا میں بلا کر قتل کریگی۔" حضرت امام حسینؓ نے عرض کیا۔ "نانا جان مجھے دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں آپ اسی وقت مجھے اس قبر میں رکھ لیجئے۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں ابھی تمکو دنیا میں رہنا ضروری ہے تاکہ درجۂ شہادت پر فائز ہو۔"

حضرت امام حسینؓ بیدار ہوئے تو آپ نے مدینہ سے مکہ معظمہ روانگی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ۲۸ رجب کو آپ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور ۳ شعبان کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہاں آپ کے پاس کوفیوں کے بے شمار خطوط آنے لگے۔ خطوں میں بنی امیہ کے ظلم و ستم اور یزید کی خلافت سے بیزاری کا ذکر ہوتا تھا۔ اور یہ درخواست ہوتی تھی کہ حضرت کوفہ تشریف لائیں اور اہل کوفہ کو یزید کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔ حضرت امام حسین نے ان خطوں کا کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد اور خط آئے اور انہیں ایک شرعی حجت قائم کی کہ اگر آپ

ان نازک حالات میں ہماری راہنمائی اور ہدایت کے لئے نہ آئے تو ہم قیامت کے روز اللہ اور رسول کے سامنے یہ شکوہ کرینگے کہ ہم نے آپ کو دین کی حفاظت اور اپنی ہدایت کیلئے بلایا اور آپ نہیں آئے اب آپ کیلئے کوفہ جانا ضروری ہوگیا۔ آپ نے احتیاط کے طور پر پہلے چچازاد بھائی حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا ان کے پہنچتے ہی ۱۸ ہزار اہل کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت مسلم نے اس واقعہ سے حضرت امام حسینؑ کو مطلع کیا اور آپ مع اہل وعیال ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مکہ سے کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

آپ کوفہ کے راستہ میں مقام ثعلبیہ میں تھے کہ آپ کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر موصول ہوئی اور اہل کوفہ کی غداری اور بیوفائی کی تفصیلات معلوم ہوئیں ادھر ابن زیاد نے (جو یزید کی طرف سے کوفہ میں آکر حضرت مسلم سے تصادم کر چکا تھا) راستہ کی ناکہ بندی کیلئے فوجیں تعینات کر دی تھیں۔ کہ حضرت امام حسین کسی اور طرف نہ جاسکیں۔ حُر بن یزید ریاحی دو ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ پہنچا۔ حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا اور آپ سے بیان کیا کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ آپ کو کوفہ لے چلوں اور کسی دوسری طرف نہ جانے دوں۔

۲۔ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کو آپ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہوئے دوسرے یا تیسرے دن عمر ابن سعد کوفہ سے ایک بہت بڑی فوج کیساتھ کربلا میں آپہنچا۔ اسکے بعد ایک فوجی دستے کے ساتھ شمر لعین آپہنچا اور ساتویں محرم کو عمر بن حجاج ایک مزید کمک لیکر آیا اور دریائے فرات کے کنارہ پر بندش آب کے لئے

فوجیں ڈالدیں۔

اہل بیت نبوت اور حضرت امام حسین کے احباب خاص پر پیاس کی سختیاں اور دیگر تمام مظالم و مصائب کا ہجوم ہوتا گیا۔ بار بار یزید کی بیعت کا مطالبہ ہوتا تھا اور آپ ہر دفعہ اس مطالبہ کو ٹھکرا دیتے تھے اسی گفت و شنید میں ۸ محرم ہوگئی۔

۹ محرم کو عمر سعد اپنی فوج لیکر خیمہ اقدس کے سامنے مقابلہ کیلئے آ کھڑا ہُوا حضرت امام حسین اس وقت خیمہ اقدس میں سر بزانو بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ غنودگی طاری تھی۔ حضرت زینب نے لشکر اعدا کی آوازیں سنکر حضرت امام حسین کو جگایا۔ آپ نے فرمایا اے بہن اسوقت نانا جان نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ تم ہمارے پاس آ رہے ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت زینب پر رقت طاری ہوگئی۔ پھر حضرت عباس نے فرمایا بھائی دشمن آپہنچے ہیں حضرت امام حسین نے فرمایا اگر ممکن ہو تو ان سے کل صبح تک کی مہلت لے لو۔ تاکہ آج شب ہم لوگ عبادت الہٰی و دعا اور استغفار میں بسر کریں حضرت عباس نے تعمیل کی۔ اعداء دین نے بڑی مشکل سے ایک دن کی مہلت دی۔

ہم نے یہاں تک واقعات کو ترتیب قائم رکھنے کے لئے لکھا ہے مگر بہت ہی مختصر۔ اس لئے کہ ہم نفس شہادت اس کے اسباب اس کے نتائج اور اس پر تبصرہ اپنے ناظرین کی خدمت میں زیادہ تفصیل سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

کربلا میں نویں شب اور شب عاشورۂ محرم

اگر اہل بیت نبوت اور حضرت امام حسینؓ کے مصائب و آلام پر ناظرین کا ذہن رسا غور کرے تو اس ایک واقعہ کربلا کا اس طرح تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس ایک کربلا کے بطون میں متعدد کربلائیں نظر آنے لگیں چنانچہ اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شب عاشورہ اور اس سے پیشتر کی شب خود ایک کربلا سے کم نہ تھی اس لئے کہ ان دونوں شبوں میں سب شریک حال اس سے واقف ہو چکے ہیں کہ آنیوالی صبح عاشورہ کیا پیام لانی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسینؑ نے جانشین رسول اللہ کی حیثیت سے بہت سے جزئی واقعات پیشین گوئی کی صورت میں صاف صاف بیان فرما دیئے تھے اور ان پیشین گوئیوں کی روشنی میں مشیت بے نقاب نظر آنے لگی تھی۔ ایک دوسری کربلا وہ تھی جو یوم عاشورہ پیش آنے والی تھی اور تیسری کربلا یہ تھی کہ شہدا کے سر نیزوں پر ہیں اور اہل بیت اسیرانہ بادیہ پیمائی کر رہے ہیں۔

نویں شب تمام اہل بیت نبوت اور احباب اپنے اپنے خیموں میں کثرت سے تسبیح و تحلیل اور عبادات کرتے رہے اس طرح کہ خیمہ اقدس سے تسبیح و تحلیل کی

آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی رہیں۔ اسی کے درمیان اس رات کا دوسرا شغل یہ تھا کہ حضرت امام حسین نے اپنے سب احباب کو جمع کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنے احباب کے خلوص و محبت کا حال معلوم ہوگیا میرے احباب و اقربا جیسے باوفا کسی کے احباب و اقربا نہیں ہیں تم سب کا ممنون ہوں مگر حالات بتا رہے ہیں کہ عنقریب کیا ہونے والا ہے اس لئے میں اپنی اطاعت کا بار تمہاری گردن سے اتارتا ہوں اور تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ اپنی اپنی مستورات کو اور اپنی اپنی سواریوں کو لے کر رات کے اندھیرے میں کسی طرف چلے جاؤ۔ اس لشکر یزید کو صرف مجھ سے سروکار ہے میں یہاں موجود ہوں۔ اس ارشاد سے ایک طرف حضرت امام حسینؑ کی سربفلک حوصلہ مندی کا پتہ چلتا ہے دوسری طرف احباب و اقربا کی نادرالوجود وفا شعاری کا حال معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام حسینؑ کے اس ارشاد پر آپ کے احباب نے جو جوابات دیئے وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ اٹھے اور عرض کیا۔ "اے فرزند رسول اللہ کیا میں آپ کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لوں۔ قسم خدا کی مجھ سے ایسا کبھی نہ ہوگا۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں مارا جاؤنگا پھر جلا دیا جاؤنگا اور پھر زندہ کر کے جلا دیا جاؤنگا اور اس کے بعد میری خاک ہوا میں اڑا دی جائیگی اور یہ عمل ستر بار ہوگا تب بھی میں آپ کی خدمت سے جدا نہ ہونگا۔" حضرت زہیر ابن القین اٹھے اور عرض کیا۔ "قسم خدا کی مجھے یہ پسند ہے کہ میں مار ڈالا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر

قتل کیا جاؤں اور پھر اسی طرح ہزار مرتبہ عمل دوہرایا جائے تاہم مجھ کو اپنے یہ مصائب قبول ہیں اگر اس کے عوض آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے سر سے یہ آئی ہوئی بلا ٹل جائے۔" محمد ابن بشیر اٹھے اور عرض کیا "یا ابن رسول اللہ اگر میں آپکو چھوڑ دوں تو جانوران درندہ مجھے پھاڑ کھائیں۔"

شب عاشورہ پھر امام عالی مقام نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا۔ "کل صبح تم سب قتل کر دئے جاؤ گے اسلئے میں پھر تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ چاہو تو اس قتل اور تہلکہ سے مخلصی پا سکتے ہو۔ اور یہاں سے جا سکتے ہو۔" سب حضرات نے فرمایا کہ ہم سب اس سرفرازی شہادت پر دل شاد ہیں آپ کے بھتیجے حضرت قاسم نے عرض کیا" کیا میں بھی ان قتل ہونے والوں میں ہوں" حضرت امام حسین نے دریافت کیا۔" بھتیجے موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟" حضرت قاسم نے عرض کیا۔" شہد سے زیادہ شیریں۔" آپ نے فرمایا۔" تم بھی قتل ہو گے اور میرا علی اصغر بھی شہید ہو گا۔"

حضرت عباس ابن علی کی شجاعت کی اسقدر شہرت تھی کہ شمر آپ کے لئے پیام امن لایا۔ اور حضرت عباس نے اپنے بزرگ بزرگوار حضرت امام حسین کی ہمرکابی اور اپنی شہادت کی سرفرازیوں کے لحاظ سے نہایت نفرت کے ساتھ اس احسان کو ٹھکرا دیا۔

اس سے پیشتر حضرت امام حسین نے اثناء سفر میں بھی ایک موقعہ پر اپنے احباب کو جمع کر کے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور ان کو اجازت دی تھی کہ اگر وہ چاہیں تو رخصت ہو جائیں۔ اس واقعہ پر حضرت بریر ہمدانی کا جواب بھی

ایمان کی لذتوں سے لبریز ہے۔ چنانچہ حضرت بریر ہمدانی نے فرمایا: "اے فرزندِ رسول اللہ خدا تعالیٰ کا یہ بھی بڑا احسان ہوگا کہ ہم آپ کے سامنے لڑائی میں مصروف ہوں اور ہمارے تمام اعضاء آپ کے لئے پارہ پارہ کر دئے جائیں تاکہ روزِ قیامت آپ کے جدِ بزرگوار کی شفاعت ہمکو نصیب ہو۔"

فرزندِ رسول اللہ کا فیضانِ صحبت جناب رسول خدا کے فیضانِ صحبت کی تاثیرات رکھتا تھا۔ حضورِ اقدس کے اصحاب نے غزوۂ بدر کے اہتمام کے وقت جس وفاشعاری سے تقریریں کی تھیں یاد ہونگی۔ یاد دہانی کے لئے ایک انصاری صحابی کے الفاظ عرض کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تھا۔ "یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔" اللہ اکبر اصحابِ حسین کی وفاداریاں اصحاب رسول کی وفاداریوں کی مثل نظر آرہی ہیں یہ ہیں دبستانِ حسینی کے فیوض و برکات اور اس کے کیمیائی اثرات، ہمیں اس موقعہ پر غالب کا ایک شعر یاد آتا ہے۔ حضرت امام حسین کی منقبت میں کہتے ہیں۔

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند بقدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اس کو

غرض شبِ عاشورہ ان گفتگوؤں کے بعد حضرت امام حسینؑ نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ سب احبابِ باوفا کے لئے دعائیں کیں اور مناسب مناسب پند و موعظت کے جملے ارشاد فرمائے۔

اس شب کا دوسرا شغل یہ تھا کہ تدبیر جہاد کے لئے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خیمہ کے گرد خندق کھود دی گئی۔ کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر دیں

اس موقعہ پر حضورِ اقدس کا غزوۂ احزاب اور اعداء کی کثرت یاد آجاتی ہے اور اہلِ مدینہ کی رسد کی قلتیں پیٹ سے پتھر باندھنا اور خود حضورؐ کا اس حال میں مبتلا ہونا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے فرزندِ رسول اللہ کے سامنے آج بدر و احد اور احزاب کے نمونے ہیں۔ مختصر یہ کہ تمام اہلِ بیتِ نبوت اور احباب خندق سے فارغ ہوئے تو پھر عبادات میں مشغول ہو گئے اور اسی شغل میں صبح ہو گئی۔ پھر سب نے صبح کی نماز ادا کی۔ حضرت امام حسینؓ ابھی مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک غیبی آواز آئی۔

یا خَیْلَ اللہ اِرْکَبُوْا

یعنی اے اللہ کے لشکر اب سوار ہو جاؤ

صبح عاشورۂ محرم الحرام

حضرت امام زین العابدین کی روایت ہے کہ حضرت نے نمازِ صبح پڑھکر یہ دعا مانگی۔ "اے اللہ تو ہر مصیبت میں میری جائے پناہ اور ہر تکلیف میں میری امیدگاہ ہے اور ہر معاملہ کا کارساز تو ہی ہے اور ہر مصیبت جو مجھ پر پڑی اس میں میرا بھروسہ اور اعتماد تجھ ہی پر ہے۔

سپاہِ کوفہ و شام نے آمادۂ جنگ ہو کر اپنی صفیں قائم کرلیں حضرت امام حسین نے بھی اپنے مختصر عسکر الٰہی کو جہاد فی سبیل اللہ کیلئے مناسب انتظامات کے ساتھ کھڑا کر دیا اور پھر ایک دفعہ اس" آسمان کے نیچے بدر کا منظر سامنے آگیا۔

عجب انداز سے آئے خدا کے چاہنے والے
زبانیں خشک، پوشاکیں دریدہ۔ پاؤں میں چھالے

آیاتِ امامت (۱) خیمہ اقدس کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دی گئیں تھیں کہ وقتِ جہاد اعداد عقب سے حملہ نہ کریں چنانچہ اب ان لکڑیوں میں آگ روشن کر دی گئی۔ اسیر ابنِ جو بیرہ آگے بڑھا اور

حضرت امام حسین کو طعن کیا کہ "اے حسین (معاذ اللہ) تم نے آتش دوزخ سے پیشتر آگ روشن کر لی"۔ جس طرح انبیاء نشانیوں اور معجزوں سے لوگوں کو اپنی رفیع شخصیت اور اپنی دینی حیثیت سے باخبر کر دیتے ہیں۔ حضرت امام حسین نے بھی نائب رسول اللہ کی حیثیت سے اس موقعہ پر چند ایسی نشانیاں دکھا دیں تاکہ آپکی شانِ امامت سے اور آپکی منزلت سے لوگ واقف ہو جائیں۔ چنانچہ ابن جویریہ کے اس طعن پر آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ عَذَابَ النَّارِ فِي الدُّنْيَا،

یعنی اے اللہ تو اس کو دنیا ہی میں عذابِ نار کا مزہ چکھا دے۔"

ادھر حضرت امام عالی مقام نے یہ فرمائی ادھر ابن جویریہ کا گھوڑا چمکا اور اس کو اسی وقت خندق کی آگ میں ڈال دیا۔ حضور نے اس فوری قبولیت دعا پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ جن اعداء نے یہ کلمات سنے تھے ان کے دل بھی ڈر گئے۔ اور اسطرح اعداء کا ڈر جانا متعدد موقعوں پر ہوا ہے۔ مگر ہر ایسے موقع پر عمر سعد اور شمر کی دھمکیوں سے پھر یہ لوگ اپنی شقاوت پر قائم ہو جاتے تھے۔ اور جب دلوں پر اللہ کی مہر لگ چکتی ہے تو پھر ہدایت کیلئے دل آمادہ ہو بھی نہیں سکتا۔

۲۔ اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا ایک مردود لشکرِ اعداء سے آگے بڑھا اور حضرت امام حسینؑ کو طعن کے طور پر کہا اے حسینؓ دیکھتے ہو یہ فرات سامنے لہرا رہا ہے اور (معاذ اللہ) تم اس سے ایک بوند پانی نہیں پی سکتے۔ آپ نے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ "اے اللہ اسے پیاسا مار۔" فوراً اس شخص کو تشنگی محسوس ہوئی۔ ہر چند پانی پیتا تھا۔ اور اسکی پیاس کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔

اسی آتشیں التہاب جگر سے یہ دریا پر جا بیٹھا۔ پانی پیتا تھا اور سیراب نہ ہوتا تھا آخر اسی طرح پانی پیتے پیتے ہلاک ہو گیا۔ اور واصل جہنم ہوا۔

۳۔ ایک اور شخص اعدا سے نکلا اور کہا اے حسینؓ تمکو رسول اللہ سے کیا نسبت کہ تم بار بار ان کا نام لیتے ہو۔ حضرت امام حسینؓ نے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ "الٰہی یہ میرے اس رشتہ کو جو تیرے رسول کے ساتھ ہے منقطع کرتا ہے تو اس کے رشتۂ حیات کو منقطع کردے۔" چنانچہ اس شخص کو فوراً درد شکم محسوس ہوا۔ رفع حاجت کے لئے ایک طرف گیا اور وہاں اس کے ستر پر ایک سیاہ بچھو نے ڈنگ مارا جس کی تکلیف سے وہیں نجاست میں لوٹتا ہوا ہلاک ہو گیا۔ پھر شمر نے طعنہ زنی کی اس پر حضرت مسلم ابن عوسجہ نے تیر مارنے کا قصد کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔

لا ترمد فانی اکرہ ان ابدا ئہم بقتال ٥

"یعنی تم اس کو تیر نہ مارو اس لئے کہ میں اس بات سے کراہت کرتا ہوں کہ جنگ کا آغاز میری طرف سے ہو۔"

غرض ان واقعات کے بعد حضرت امام حسینؓ ایک ناقہ پر سوار ہو کر لشکر اعداد کے مقابل کھڑے ہو گئے اور پھر آپ نے اپنے منصب امامت کے لحاظ سے پیام حق پہنچا دینے کے لئے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ کا آغاز کیا اس کے بعد دوسرا خطبہ دیا اور کچھ وقفہ کے بعد ایک تیسرا خطبہ دیا اب ہم ان ہر سہ خطبات کا کچھ کچھ حصہ پیش کرتے ہیں حضرت امام طبری لکھتے ہیں کہ یہ ایسے فصیح و بلیغ خطبات تھے کہ پھر حضرت امام حسینؓ کے بعد اس قسم کے خطبات نہ سنے جا سکے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)

میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کا پہلا،

دوسرا اور تیسرا خطبہ

پہلا خطبہ حضرت امام حسینؑ نے ان الفاظ سے اپنے پہلے خطبہ کا آغاز فرمایا "اے لوگو میری بات سنو اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو تاکہ میں حق نصیحت کو جو مجھ پر واجب ہے ادا کر دوں اور اپنے یہاں آنے کے عذرات بیان کر دوں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا اور میرے قول کی تصدیق کی اور میرے معاملہ میں دادِ انصاف دی تو تم اس کے سبب سے نیک ہو جاؤ گے اور مجھ پر ظلم کرنے کی راہ نہ پاؤ گے اور اگر تم نے میرے عذر کو قبول نہ کیا اور طریقِ انصاف اختیار نہ کیا تو تم اپنے کام کو درست اور اپنے شرکاء کو جمع کر لینا کہ تم پر تمہارا کام اور اس کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے پھر تم کو جو کچھ میرے ساتھ کرنا ہو کرنا اور مہلت نہ دینا۔ میرا ولی وہ خدا ہے جس نے قرآن کو نازل فرمایا اور جو صالحین ہی کو ولی بناتا ہے۔"

اتنا کہہ کر جناب حسینؑ نے اتنی دیر تک انتظار کیا کہ عمر سعد کی فوج کے لوگ

یک جا جمع ہو کر متوجہ ہو جائیں جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے پھر سلسلہ بیان شروع فرمایا اور کہا۔

"اے لوگو! اے گروہِ کوفہ و شام تم لوگ میرے حسب نسب پر لحاظ کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں بعدہٗ اپنے دل میں غور کرو۔ اور اپنے نفوس کو ملامت کرو۔ اور چشم انصاف سے دیکھو کہ آیا مجھے قتل کرنا اور میری ہتک حرمت کرنا تمہارے لئے حلال ہے کیا میں تمہارے نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی دختر کا فرزند نہیں ہوں اور کیا میں رسول کے اس وصی کا فرزند نہیں ہوں جو آنحضرت کا ابنِ عم تھا اور جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کے اس امر کی تصدیق کی جسے وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ کیا حمزہ سید الشہدا میرے باپ کے چچا نہیں ہیں اور کیا یہ قول رسول جو بمنزلہ خبر مستفیض کے ہے تم تک نہیں پہنچا جو آنحضرتؐ نے میرے بھائی کے حق میں اور خود میرے حق میں فرمایا کہ

سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ

"یہ دونوں جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں"۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "اگر اس حدیث کے بیان کرنے میں تم مجھ کو سچا سمجھتے ہو تو بے شک تم نے ادراکِ حق کیا کیونکہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور میں جانتا ہوں کہ خدا جھوٹ بولنے والوں کو دشمن رکھتا ہے اور اگر تم اس حدیث کے بیان کرنے میں مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو ابھی تم لوگوں میں بہت سے ایسے لوگ زندہ ہیں جو میری راست بیانی کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ پس تم لوگ جابر بن عبد اللہ،

انصاری۔ ابو سعید خدری۔ سہیل ابن سعد ساعدی۔ زید ابن ارقم اور انس ابن مالک سے دریافت کر لو وہ تم لوگوں کو بتلا دینگے کہ ان لوگوں نے یہ حدیث جناب رسالت مآب کی زبانی خود میرے اور میرے بھائی کے حق میں سنی ہے یا نہیں۔ کیا یہ بھی تمہارے لئے تمکو میری خون ریزی سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہے .... اگر تم لوگوں کو میرے اس کلام میں شک ہے تو کیا میرے اس دعویٰ میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور قسم خدا کی پورب سے لیکر پچھم تک تمہارے رسول کا بیٹا تم میں یا تمہارے سوا اور لوگوں میں سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے افسوس ہے تم پر کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے تمہارے کسی شخص کو مارا ہے جسکے عوض اس کے خون کا بدلہ اسوقت تم مجھ سے لینا چاہتے ہو یا میں نے تمہارا کوئی مال تلف کیا ہے یا میں نے تم لوگوں میں سے کسی کو زخمی کیا ہے یا کسی طرح کا آزار پہنچایا ہے۔ جس کے لئے تم اس وقت مجھ سے قصاص کے طلبگار ہو...... (جواب کا انتظار کیا مگر کوئی جواب نہ آیا) پھر آپ نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ اے شبیث ابن ربعی اے حجاز ابن الجبر اے قیس ابن اشعث اے یزید ابن الحارث آیا تم وہ لوگ نہیں ہو جنہوں نے مجھ کو متواتر ان لفظوں میں خط لکھ لکھ کر بلوایا کہ ہمارے درختوں کے میوہ پختہ ہو گئے ہیں اور ہمارے نخلستان سرسبز اور شاداب ہو گئے ہیں۔ آپ بہ عجلت تمام ہمارے پاس تشریف لائیں ہم لوگوں نے لشکر تیار کر رکھے ہیں"۔ سب تو خاموش رہے مگر شبیث ابن ربعی نے بیعت یزید کا ذکر کیا اور اس کا مطالبہ کیا مگر آپ نے پھر قطعی انکار کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے ناقہ سے اتر کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور عمر بن سعد کے لشکر کے اور قریب آ گئے

بریر ہمدانی نے آگے بڑھ مخصوص اہل کوفہ کو مخاطب کرکے بہ آواز بلند پکارا اور کہا اے قوم خدا سے ڈرو اور اپنے پیغمبر صلعم کی وصیت یاد کرو کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ عِترَتِی

یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور ایک اپنی عترت اور وہ ثقل محمدؐ یہی ہیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں اور انکی ہمراہی میں اُن کے لڑکے لڑکیاں۔ عترت اور حرم محترم ہیں۔ اب تم کھل کھل کر بیان کرو کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہارا کیا ارادہ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ تم کس طرح پیش آنا چاہتے ہو۔ آیا تم لوگوں کو منظور نہیں ہے کہ یہ جماعت وہاں لوٹ جائے جہاں سے آئی ہے۔ کیوں اہل کوفہ کیا تم نے اپنے وعدوں کو بالکل فراموش کر دیا...... حضرت بریر کا یہ کلام سنکر وہ لوگ مہمل جواب دیتے رہے اور تیر بریر سانے شروع کر دئیے مگر حضرت حسینؑ ہادیٔ برحق کی حیثیت سے اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اور پھر دوسرے خطبہ کا آغاز فرمایا۔

دوسرا خطبہ

"مَیں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں آیا تم مجھ کو پہچانتے ہو" سب نے کہا ہم کیونکر آپ کو نہ پہچانیگے۔ آپ ہمارے رسول کے فرزند اور نواسے ہیں۔ امام نے فرمایا "تم کو خدا کی قسم آیا تم جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہ بنت محمد صلعم ہیں" سب نے کہا ہاں۔ "تمکو خدا کی قسم آیا تم جانتے ہو کہ جناب خدیجہ بنت خویلد میری دادی ہیں جو اس امت کی پہلی عورت ہیں" سب نے کہا ہاں۔ امام نے فرمایا "تم کو خدا کی قسم آیا تم جانتے ہو کہ حمزہ

سیدالشہداء میرے باپ کے چچا تھے۔" سب نے کہا ہاں۔ امام نے فرمایا۔ "تم کو خدا کی قسم آیا تم جانتے ہو کہ جعفر جو ریاضِ جنت میں دو شہ پروں کے ذریعہ پرواز کرتے ہیں وہ میرے ہی چچا تھے۔" سب نے کہا ہاں۔ امام نے کہا۔ "آیا تم جانتے ہو کہ یہ شمشیر جناب رسول اللہ کی ہے جو میں حمائل کئے ہوں۔" سب نے کہا ہاں۔ امام نے فرمایا۔ "آیا تم جانتے ہو کہ یہ عمامہ جناب رسول خدا کا ہے جو میں باندھے ہوں۔" سب نے کہا ہاں۔ امام نے کہا "آیا تم جانتے ہو کہ میرے پدر بزرگوار ایسے بزرگ ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور جو بلحاظ علم و حلم کے تمام اہل اسلام سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور وہ تمام مومنین اور مومنات کے مولا ہیں۔" سب نے کہا ہاں۔ امام نے کہا۔ جب تم کو یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر تم کیوں میرے خون کو مباح سمجھتے ہو۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ فردائے قیامت میں میرے ہی والد بزرگوار تمام تشنگان اُمت کو حوضِ کوثر پر اس طرح پہنچائیں گے جس طرح شتربان اپنے اونٹوں کو مشرع آب پر پانی پلانے کی غرض سے لیجاتے ہیں اور بعض لوگوں کو وہاں سے اس طرح ہٹا دینگے جس طرح غیر اونٹوں کو ہٹا دیا کرتے ہیں۔ اور اس دن لوائے حمد میرے ہی پدر بزرگوار کے ہاتھ میں ہوگا۔" ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو یہ سب باتیں معلوم ہیں مگر باایں ہمہ ہم لوگ آپ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

تیسرا خطبہ

"میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے دنیا کو پیدا کیا اور اس کو دارِ فنا اور زوال پذیر قرار دیا۔۔۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس امر پر تم لوگوں نے اتفاق کیا ہے وہ خدائے تعالےٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

اور وہ اس وجہ سے تم لوگوں سے منہ پھیر لیگا۔ اور اپنا عذاب تم پر نازل فرمائیگا اور اپنی رحمت کو تم لوگوں سے دور کر دے گا۔ دیکھو خداوند عالم کیسا اچھا پروردگار اور مالک ہے اور تم اس کے کیسے بُرے بندے ہو کہ تم نے اسکی رسالت اور شریعت کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی رسالت کی تصدیق کی اب اسی کے اہل بیت پر فوج کشی کر رہے ہو ان کے قتل پر مستعد ہو اس وجہ سے شیطان تم پر غالب آگیا ہے اور اس نے تم کو ذکرِ خدا سے باز رکھا ہے۔ پس تم کو ہلاکت نصیب ہو یہ کیا ارادہ تم نے کیا ہے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

افسوس! یہ وہ قوم ہے جو بعد ایمان لانے کے کافر ہو گئی۔ پس اس قوم ظالمین پر لعنت ابدی ہو۔

جناب امام حسین کا ایسا موثر خطبہ سن کر عمر سعد کے کان کھڑے ہو گئے سوچا کہ آپ کے کلام صداقت التیام نے اس فوج پر اثر کیا تو معاملہ درہم برہم ہو جائیگا اس نے فوج کو للکار کر آواز دی کہ تم امام حسین کے جواب دینے کی کوشش نہ کرو یہ سمجھ لو کہ حسین امیر المومنین علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آج پر موقوف نہیں اگر کل تک تم ان سے یونہی گفتگو میں مصروف رہو گے تو وہ برابر ایسی ہی مسلسل تقریریں کرتے رہیں گے اور ان کی زبان تمہارے جوابوں سے ہرگز بند نہ ہو گی۔ اہل کوفہ و شام نے چاروں طرف سے سمٹ کر امام عالی مقام کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ مگر امام عالی مقام نے ڈانٹا تو وہ لوگ پھر اپنی اپنی جگہ پر ہٹ گئے۔ امام عالی مقام نے پھر فرمایا: "اے قوم شقاوت اثر تم لوگوں کو ہلاکت و ذلت نصیب ہو تم نے خود سرگشتہ

ویران ہو کر ہم سے فریاد کی اور ہم تمہاری فریاد سننے کیلئے اور تم کو مدد دینے کے لئے آمادہ و مستعد ہوئے۔ اب تم نے ہمارے منہ پر تلواریں کھینچ لی ہیں۔ اور تم نے اس فتنہ کی آگ بھڑکائی جو ہمارے اور تمہارے دشمن نے پیدا کیا ہے پس تم لوگ اپنے دشمنوں کے اغوا سے اپنے دوستوں کی عداوت و مخالفت پر مستعد ہو گئے۔ بغیر اس کے کہ ان کا انصاف تم پر ظاہر ہوا ہو۔ یا کوئی امید انہوں نے تمکو دلائی ہو۔ سوائے اس کے کہ تم نے حرام دنیا کو حاصل کیا اور ذلیل ترین زندگانی دنیا کی آرزو کی حالانکہ ہماری طرف سے تمہارے لئے کوئی برائی ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہم نے تمہارے ادائے حقوق میں کوئی خطا کی پس ایسی حالت میں تم کیونکر گرفتار عذاب نہ ہو گے کہ تم نے ہم سے نفرت کی اور ہم کو چھوڑ دیا اور لشکر ہماری مخالفت میں جمع کر لئے۔ حالانکہ ہماری تلواریں نیام کے اندر ہیں .... قسم خدا کی ہمارے بعد تم دنیا میں زیادہ نہ رہو گے موت کی چکی تمہارے سروں پر گھومیگی اور تم کو پامال و فنا کر ڈالیگی اور میرے پدر بزرگوار نے میرے جد عالی قدر کی زبانی اس واقعہ کی پوری خبر پہنچائی ہے پس تم لوگ اپنا کام شروع کر دو اور اپنے ہمراہیوں کو اپنا ہم دست بنا لو کہ جو کچھ امر ظاہر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اب تم ہم پر حملہ کرو اور ہم کو مہلت نہ دو کیونکہ ہم نے اپنے تمام امور خدائے قادر و توانا کے سپرد کر دیئے ہیں کہ کوئی مخلوق اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ یقیناً میرا پروردگار راہ مستقیم پر استوار ہے"

اس آخری خطبہ کو تمام کر کے امام عالی مقام نے عمر سعد کو قریب بلایا

اور حضور نے پیشین گوئی کے طور پر ارشاد کیا "اے عمر سعد تو مجھ کو ان خواہشوں کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے کہ وہ زنا زادہ ابن زیاد تجھ کو ملک رے اور جرجان کی حکومت دیگا۔ قسم اس خدا کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ سلطنت رے تجھکو نصیب نہ ہوگی تو اپنی اس بات پر قائم رہ اور جو جی میں آئے کر مگر یہ یقین کرلے کہ بعد میرے دنیا و آخرت میں تجھکو کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کوفہ میں تیرا سر نیزہ پر نصب ہے اور لڑکے اس پر پتھر مار رہے ہیں۔"

عمر سعد کو اس پر غصہ آیا اور جنگ کے آغاز کا اہتمام کرنے لگا حضرت امام عالی مقام نے حسب ذیل الفاظ میں ایک صدائے استغاثہ بلند کی۔

اَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا لِوَجْهِ اللهِ اَمَا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللهِ۔

ترجمہ۔ آیا کوئی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ ہماری مدد کرے۔ آیا کوئی ہے جو حرم رسول اللہ کی اعانت کرے۔"

حضرت حر یہ صدائے استغاثہ سنکر عمر سعد کے پاس آئے اور سوال کیا کہ کیا واقعی تو اس مرد صالح کو مار ڈالے گا۔ کیا تو اس معاملہ کو سلامتی سے نہیں طے کرسکتا۔ اس نے کہا کہ تیرا امیر نہیں مانتا۔ حر اس وقت لرزہ براندام تھے ایک ساتھی افسر نے کہا کہ تم اس سے پیشتر معرکوں میں شریک ہو چکے ہو۔ مگر میں نے کبھی تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم میں جنت اور دوزخ کے درمیان فیصلہ کر رہا ہوں۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا اور حضرت کی خدمت میں آکر رکاب پر سر رکھدیا۔ حضور نے ارشاد کیا۔

مَنْ تَكُوْنُ اِرْفَعْ رَأْسَكْ

یعنی تو کون ہے سر تو اُٹھا۔ حُر نے رکاب پر سر رکھے ہوئے کہا کہ کیا میری توبہ قابل قبول سمجھی جائیگی۔ رحمتہ اللعالمین کے فرزند نے اُس حر سے کہا جو امام عالی مقام کو کربلا میں لانے کے ذمہ دار تھے فرمایا "خدا تیری الحاح وزاری کو قبول کرے"۔ اب حُر حضرت حَر ہو گئے۔ حضرت حُر نے جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ تو ہمارا مہمان ہے پہلے آرام کر لے حضرت حُر نے اجازت کیلئے اصرار کیا۔ اس پر امام عالی مقام نے اس شرط پر اجازت دی کہ پہلے اُن کو وعظ ونصیحت سے راہِ راست پر لانیکی کوشش کرو حضرت حُر نے حسب ایماء اہل کوفہ سے خطاب کیا مگر اہل کوفہ کی طرف سے اس کے جواب میں تیر باری ہوئی۔ عمر سعد نے اپنے علمبردار کو حکم دیا۔ کہ آگے بڑھ۔ اور ایک تیر فوج امام کی طرف خود پھینکا۔ گویا باضابطہ آغازِ جنگ ہو گیا۔

باضابطہ آغازِ جہاد اور شہادت احبابِ حسینؑ

حضرت حُر کے ہمراہ فرزندِ حُر اور حضرت حُر کے بھائی اور حضرت حُر کے غلام بھی امام عالی مقام کی فوج میں آگئے تھے۔ حضرت حُر نے جب میدان میں جانے کا ارادہ کیا تو اُن کے فرزند نے گوارا نہ کیا کہ وہ کھڑے رہیں اور باپ میدان جنگ میں مصروف جہاد ہوں۔ اسلئے پہلے وہ میدان وغا میں آئے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے لگے۔ بہادر باپ کے بہادر بیٹے تھے۔ فوج مخالف کے جس حصہ پر حملہ کرتے اسکو درہم برہم کر دیتے تھے۔ یہانتک کہ جب زخموں سے چور ہوگئے تو جام شہادت نوش کیا اور راہی ملکِ بقا ہوئے عدیم النظیر ایثار اور قربانی کی ایک مثال سامنے آجاتی ہے جبکہ حضرت حُر بیٹے کی شہادت پر اظہار مسرت کرتے ہیں۔

حضرت حُر

حضرت حُر پھر خود امام عالی مقام سے اجازت لیکر مبارز طلب ہوئے حضرت حُر مشہور بہادر تھے انکی بہادری کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اکیلے ہزار سوار کے برابر گنے جاتے تھے اور پھر امام عالی مقام کی مختصر سی صحبت نے سرفروشی کا وہ جذبہ پیدا کر دیا تھا جس کے تحت ان کی

شجاعت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ جو کوئی سامنے آتا اسکو بہت جلدی جہنم پہنچا دیتے۔ یہ بہادری دیکھ کر کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ ان کے سامنے آئے مجبور ہو کر انہوں نے فوج کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کرنے شروع کر دیئے جسطرف جھکے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ شجاعت کے زور میں فوج کے اندر گھس گئے۔ ہزاروں دشمنوں نے ملکر گھیر لیا۔ مگر یہ ان کے نرغہ سے نکل آئے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر عمر سعد کے ہوش اُڑ گئے۔ کمانداروں کو حکم دیا کہ تیر برسائیں۔ بیک وقت ہزاروں تیر برسائے گئے۔ حضرت حُر کا گھوڑا زخمی ہو گیا۔ آپ اس پر سے اُتر کر پا پیادہ لڑنے لگے۔ امام عالی مقام نے دیکھا کہ حُر پا پیادہ لڑتے ہیں۔ آپ نے اپنا گھوڑا حضرت حُر کے لئے بھیجا۔ گھوڑا جب حضرت حُر کے قریب پہنچا۔ انہوں نے اس سرفرازی پر رکاب کو بوسہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس سرفرازی نے ان کو اتنا بے خود کر دیا کہ اب یہ اور زیادہ بے جگری سے لڑنے لگے۔ یہانتک کہ زخموں سے چوُر ہو گئے۔ اور جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی مصعب اور ان کے غلام عُمر یکے بعد دیگرے اجازت لیکر میدان میں آتے گئے۔ اور داد شجاعت دیکر دونوں شرف شہادت پر فائز ہوئے

حضرت بُریر ہمدانی

ان کے بعد حضرت بُریر ہمدانی حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت طلب کر کے مبارز طلب ہوئے۔ آپ جنگ کرتے وقت یہ فرماتے جاتے تھے۔" اسے مومنوں کے قتل کرنے والو! ہمارے قریب آؤ اور ہم سے جنگ کرو" حضرت

بریر کے یہ الفاظ بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ اعدائے امام عالی مقام کس قدر اور کس قسم کی شقاوت پر آمادہ تھے۔ ناظرین کو حضرت بریر کے وہ الفاظ یاد ہوں گے۔ جو آپ نے اثنائے راہ میں کہے تھے۔ جب امام عالی مقام نے اپنے احباب کو واپس جانے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت ان الفاظ کا ذہنی اعادہ کیجئے اور ان کی سرفروشی کا اندازہ کیجئے۔ غرض آپ اسی طرح جنگ کرتے رہے آخر تیس نابکاروں کو واصل جہنم کر کے شرف شہادت پر فائز ہوئے

حضرت وہب ابن عبداللہ

حضرت وہب ابن عبداللہ حضرت امام عالی مقام سے اجازت لے کر مبارز طلب ہوئے بہت سے نابکاروں کو قتل کر کے واپس آئے اور اپنی والدہ جناب قمریؓ سے عرض کیا کہ آیا آپ خوش ہوئیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

مَا رَضِیْتُ اَوْ تُقْتَلَ بَیْنَ یَدَیِ الْحُسَیْنِؑ۔

یعنی میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک تم حضرت حسینؑ کے سامنے قتل نہ ہو لوگے۔ یہ پھر میدان جنگ میں جانے لگے کہ بیوی نے دامن تھام لیا۔ اُن کی ماں نے کہا کہ بیٹا بیوی کا کہنا نہ مانو۔ بیوی نے ان کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور ان سے یہ وعدہ لے لیں کہ یہ جنت میں جا کر مجھ کو نہ بھولیں اور یہ عرض حضور قبول فرما لیں کہ ان کی خدمت میدان جنگ میں ہو اور میری خدمت یہ ہو کہ اہل بیت نبوت اور مخدرات عصمت مجھے ہمیشہ اپنی خدمت میں رکھیں۔ یہ دونوں درخواستیں حضور نے

قبول فرمالیں۔ ان کی والدہ اس اثناء میں یہ دعا کرتی رہیں۔

الٰہی لَا تَقْطَعْ رَجَائِی

"یعنی اے اللہ میری اُمید منقطع نہ کیجیو" حضرت امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا

لَا تَنْقَطِعْ رَجَاءُكِ يَا اُمَّ وَهَبْ

"یعنی اے ام وہب اللہ تعالیٰ نے تمہاری امید کو قطع نہیں کیا۔"

گویا ان کی والدہ کی تمنا یہ تھی کہ ان کے فرزند وھب ابن عبداللہ شہادت کے مرتبہ پر پہنچیں اور حضرت حسین پر اپنی جان قربان کردیں۔ اور حضرت امام حسین نے اپنے کشف سے مشیت الٰہی کا فیصلہ ملاحظہ فرماکر یہ جواب دیا۔

الغرض حضرت وھب دوبارہ جنگ کے لئے نکلے اور ۲۲ اہلِ دوزخ کو واصل جہنم کرکے جام شہادت نوش فرمایا۔

منحصر مرنے پہ ہو جن کی امید — نا اُمیدی ان کی دیکھا چاہیئے

حضرت مسلم ابن عوسجہ

حضرت مسلم ابن عوسجہ مشاہیر عرب سے ہیں ان کی شجاعت سے اہل کوفہ و شام خوب واقف تھے۔ یہ حضرت امام عالی مقام کے خاص محب تھے۔ حضرت سے اجازت حاصل کرکے نہایت خون ریز جنگ کی۔ اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایک کے مقابلہ پر ایک ہی ہوتا تو یہی حضرات غالب رہتے۔ دشمن کو سوائے اس کے بن نہ پڑتی تھی کہ ہزاروں ملکر ایک کو گھیر لیتے تھے۔ اسی طرح ان کے ساتھ بھی ہوا۔ آخر زخمی ہوکر گھوڑے سے گرے۔ امام عالی مقام ان کو گرا ہوا دیکھ کر حضرت حبیب ابن مظاہر کو ساتھ لیکر خود ان کے قریب پہنچے ابھی کچھ

جان باقی تھی آنکھ کھولی۔ حضرت حبیب نے کہا۔ اگر میں تمہارے بعد زندہ رہتا تو تم سے کہتا کہ کوئی وصیت کرو۔ جس کو میں پورا کروں مگر مجھے معلوم ہے۔ کہ عنقریب میں بھی تمہارے پاس اس عالم میں پہنچتا ہوں۔ تاہم کوئی وصیت کرنی ہو تو کرو۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ اپنی زندگی امام عالی مقام پر قربان کر چکے ہیں۔ صرف ایک رمق جان باقی ہے اس کو بھی کسی اور کام میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے اور امام عالی مقام ہی کے بارے میں یہ رمق جان بھی صرف ہوتی ہے امام عالی مقام کی طرف اشارہ کر کے حضرت حبیب ابن مظاہر سے کہتے ہیں۔

اُوصِیکَ بِھٰذا الرَّجُل۔

یعنی میں تم کو اس شخص کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی زندگی کو ان پر قربان کر دینا۔ یہ کہتے ہی روح مبارک اعلےٰ علیین کو پرواز کر گئی۔

حضرت ہلال ابن نافع

ہلال ابن نافع نہایت حسین خوش جمال اور اسم بامسمیٰ بزرگ تھے۔ تیر اندازی کے فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کے عقد کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور ان کی زوجہ ان کے ساتھ تھیں۔ شوہر کو آمادہ پیکار دیکھ کر ان کی زوجہ نے اُن کا دامن تھام لیا۔ اور رونے لگیں۔ حضرت نے یہ سنکر بلایا کہ تمہاری اہل وعیال کی حسرتوں کا علاج سوائے اس کے نہیں کہ تم ان کے سامنے موجود رہو۔ ہلال ابن نافع نے عرض کیا کہ اگر میں آپ کی نصرت سے ہاتھ اٹھاؤں تو فردائے قیامت جناب رسول خدا کے سامنے کیا جواب دونگا۔ یہ کہکر میدان کارزار میں آئے اور نہایت شجاعانہ جنگ کی۔ بہت سے نابکاروں کو واصل جہنم کیا اور خود

بھی جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت نافع ابن ہلال ہلال ابن نافع کے بعد نافع ابن ہلال عازم جنگ ہوئے سخت معرکہ آرائی کی۔ خود عمر سعد کے ایک افسر فوج نے کہا کہ تم لوگ بیوقوف ہو گئے ہو کہ ان بہادروں سے جو شیرِ شجاعت اور آبِ شمشیر سے پرورش پائے ہوئے ہیں اور اپنی خوشبوؤں میں سر ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں ایک ایک کرکے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس لئے یکبارگی حملہ کرو۔ چنانچہ فوج حسینی پہ یکبارگی ایک نہایت سخت حملہ کیا گیا۔ جسمیں گھمسان کا جنگ ہوا۔ بہت سے اعدائے دین بھی مارے گئے اور حضرت کے بھی ۳۰ ہمراہی مع نافع ابن ہلال کے شہید ہوئے انمیں سے صرف ایک حضرت عبداللہ بن عروہ غفاری کے حال سے اندازہ کر لیجئے کہ کیونکہ ان سب نے دشمن کے حملہ کو دفع کیا ہوگا۔ انھوں نے اپنی ضعیفی کے باوجود ۲۵ اعداء کو تہ تیغ کر ڈالا۔ تفصیلات آگے آتی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عروہ غفاری یہ نہایت سن رسیدہ بزرگ تھے۔ صحابیٔ رسول اللہ تھے ہوکہ بدر سے لیکر حنین و صفین میں شریک رہ چکے تھے۔ حضرت نے ان کو آمادہ کارزار دیکھ کر فرمایا یا شیخ میں تمہاری ان محاسن خدمات کے متعلق خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ مختصر یہ کہ فوج مخالف کے سامنے گئے اور رجز خواں ہوئے اور ۲۵ سواروں کو قتل کرکے مشرف بہ شہادت ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب ایسے سن رسیدہ اور معمر شخص نے تنہا ۲۵ سواروں کو قتل کر ڈالا تو

اس جماعت کے شیر دل اور دلیر نوجوانوں نے کتنے کتنے معاندین کو مارا ہوگا۔

حضرت ابو ثمامہ صیداوی

ان کے بعد ظہر حضرت ابو ثمامہ صیداوی نے عرض کیا کہ "یا مولا یہ تنور جنگ ضرب کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو مگر میں جب تک اپنے خون میں آلودہ نہ ہولوں گا آپ کے جسم مبارک پر آنچ نہ آنے پائے گی مگر اس وقت میری آرزو یہ ہے کہ ایک نماز اور آپ کے پیچھے پڑھ لیتا تو اپنے پروردگار عالم سے جا ملتا"۔ ان کی یہ التماس کر جناب حسینؑ نے سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا تو دیکھا کہ ٹھیک نماز ظہر کا وقت ہے فرمایا" تم نے نماز کی یاد دلائی خدا تمہیں نماز گذاروں میں شامل فرمائے ہاں یہی نماز ظہر کا اول وقت ہے اس جماعت سے کہو کہ اتنی دیر لڑائی موقوف کرے کہ ہم نماز ظہر ادا کرلیں"۔ مگر ان بے دینوں نے اتنی دیر بھی لڑائی موقوف نہ کی کہ حضرت نماز ادا کرلیں۔ آخر حضرت نے سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن القین سے فرمایا کہ تم دشمن کے حملوں کو روکو تا آنکہ ہم لوگ نماز پڑھ لیں۔

حضرت حبیب ابن مظاہر

نماز کی تیاری دیکھ کر حصین ابن نمیر مردود نے کہا کہ تم لوگوں کی نماز کب قبول ہو گی - اس دریدہ دہن کے یہ گستاخانہ الفاظ حضرت حبیب ابن مظاہر سے برداشت نہ ہوئے اس کو ڈانٹ کر کہنے لگے۔

لَا تُقْبَلُ الصَّلٰوۃُ مِنْ ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتُقْبَلُ مِنْکَ یَا خَمَّارُ۔

"یعنی فرزند رسول اللہ کی نماز قبول نہ ہو اور تجھ غدار کی نماز قبول" حضرت سے عرض کیا کہ "یا مولا۔ اب تو یہ نماز میں فردوس بریں کے مصلے میں پڑھونگا۔ غرض یہ کہتے ہوئے حصین ابن نمیر کی طرف بڑھے اور ایک تلوار کا وار کیا۔ جس سے اس کے چہرہ اور ناک پر زخم آیا۔ اور وہ بھاگ گیا تاہم اس کہنہ مشق نے جو سامنے آیا اسے مارا۔ حتیٰ کہ ۶۲ بے دینوں کو قتل کر کے جام شہادت نوش کیا۔

اللہ اکبر! عشق الہٰی کی کیا کیا ادائیں ہوتی ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ نماز پڑھ لوں تو شہید ہو جاؤں۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ شہید ہو لوں تو نماز پڑھوں۔

حضرت سعید ابن عبداللہ و حضرت زہیر ابن القین

حضرت کا حکم پاتے ہی سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن القین آگے کھڑے ہو گئے اور حضرت نے باقی ماندہ احباب کے ساتھ نماز ظہر ادا کی مگر بے دینوں کے تیر عین حالت نماز میں بھی آتے رہے حتیٰ کہ نماز کے تمام ہوتے ہوتے سعید ابن عبداللہ تمام ہو گئے اور وہ شہید راہ خدا جان بحق ہو گئے۔ حضرت نے نماز ظہر سے فراغت پا کر باقی ماندہ اعوان و انصار کی جماعت درست فرمائی اور ارشاد کیا۔ کہ اے ہمارے جاں نثارو! نظر اٹھا کر دیکھو یہ بہشت کے دروازے کشادہ ہیں اور خود جناب رسالت مآب چشم براہ ہیں اپنے دین کی حمایت میں اپنی گوشت کو ذبیح کرو۔ اور اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم سے

ان دشمنوں کے مظالم کو دفع کرد۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَاہٗ۔

*

اس مشاہدہ کا موقع تو حشر میں تھا مگر حشر سے پہلے ابن رسول اللہ صلعم نے اپنے اعوان وانصار کو مشاہدہ کرا دیا۔ حضرت کی تقریر کے آخری جملوں پر حرم محترم سے گریہ وزاری بلند ہوئی۔ حضرت کے اعوان وانصار پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ حضرت زہیر ابن القین نے عرض کیا کہ "خدا کی قسم کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری جان ہمارے جسموں میں باقی ہے ہم اپنی جانیں آپ لوگوں کی راہ میں ہبہ کر چکے ہیں اور وہ تلواروں اور نیزوں کے لئے وقف ہیں"۔ ان الفاظ کو کہہ کر زہیر ابن القین نے اجازت طلب کی اور میدان کارزار میں آکر جنگ شروع کی۔ اپنی خداداد شجاعت سے عمر سعد کے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو ابتر کر دیا اور تھوڑی دیر میں بروایت محمد ابن ابی طالب ۱۲۰ دشمنوں کو مار گرایا۔ آخر خود بھی فائز شہادت ہوئے۔ حضرت اپنے جاں نثار کی لاش پر تشریف لائے اور فرمایا حق سبحانہ تجھ کو اپنی حضوری سے دور نہ کرے۔

حضرت حنظلہ ابن سعد الشامی اور حضرت عمر ابن قرظہ

حضرت حنظلہ حضرت امام عالی مقام کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی خدمت اس طرح انجام دے رہے تھے کہ جو تیر امام عالی مقام پر آتا تھا یہ اپنے سینہ پر آڑ لیتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے قوم اشقیا

مجھے یقین ہے کہ تم انہی عذاب کے مستحق ہو گئے جو قوم عاد و ثمود اور قوم نوح
پر ہوا"۔ امام عالی مقام جواباً فرماتے جاتے تھے حق سبحانہٗ کی رحمت تم پر نازل ہو"۔
حضرت حنظلہ کے یہ الفاظ ان اشقیا کے فعل پر ایک دوسرا فتویٰ ہیں۔
حضرت بریر ہمدانی کا فتویٰ آپ سن چکے ہیں۔ یہ اسی قسم کا دوسرا فتویٰ ہے
آخر کار آپ نے بھی تسلیم بجا لا کر فوج مخالف پر حملہ کیا۔ اور بہت سے
نابکاروں کو مار کر خود فائز شہادت ہوئے۔ ان کے بعد عمر ابن قرظہ نے
ان کی قائم مقامی کی۔ جو تیر امام عالی مقام کی طرف آتا تھا اس کو اپنے سینہ
پر روک لیتے تھے۔ اور ہر تیر پر فرماتے جاتے تھے۔ "یا ابن رسول شرط جانبازی
بجا لایا"۔ امام عالی مقام ہر مرتبہ فرماتے جاتے تھے کہ "ہاں جب خدمت رسول اللہ
میں پہنچو تو میرا سلام بھی کہنا"۔ ہم جانبازی کا یہ نرالا انداز دیکھ رہے ہیں آپ
کو یاد ہے غزوہ اُحد میں رسول اللہ صلعم کے صحابیوں نے بھی اسی طرح کی جان
بازی دکھائی تھی۔ امام عالی مقام کے ہمراہی بھی اسی طرح کی جانبازی دکھا رہے
ہیں۔ آسمان اور زمین دیکھ رہے ہیں کہ

صفت اصحاب احمدؐ۔ سر بکف آ تا رہا — یعنی جاں بازِ حسین و یعنی ابرار حسینؑ
وہ وفا کار محمدؐ۔ یہ وفا کار حسینؑ — ایک ہیں انصار احمدؐ اور انصار حسینؑ

حضرت عمر ابن قرظہ نے اسی طرح جام شہادت نوش کیا۔

حضرت جون غلام ابوذر غفاری

ان کے بعد جون غلام ابوذر غفاری نے اجازت طلب کی اس ضعیف
سن رسیدہ اور قدیم جاں نثار کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا" اے جون تو نے

اس سن میں اپنی عاقبت کی غرض سے میری رفاقت اختیار کی تھی۔ اب تو مبتلائے رنج
و مصیبت نہ ہو۔" انہوں نے نہایت وفادارانہ طور پر عرض کیا۔ یا ابن رسول اللہ میرا
حسب نسب بھی غیر معروف ہے اور میرا رنگ بھی سیاہ ہے کیا حضور اس وجہ سے نہیں
چاہتے کہ میں بہشت میں داخل ہوں۔ خدا کی قسم میں آپکی خدمت سے کبھی جدا نہ ہونگا۔
جب تک کہ اپنے سیاہ خون کو آپ کے خون مبارک سے نہ ملا دوں۔" وفاداری
کا یہ نیا انداز دیکھ کر امام عالی مقام نے اجازت مرحمت کی۔ اس ضعیفی کے باوجود انہوں
نے نہایت شجاعانہ جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔ حضرت امام زین العابدین
فرماتے ہیں کہ بعد میں جب ان کو دیکھا گیا۔ تو ان کے جسم سے بوئے مشک آتی تھی۔

حضرت غلام امام زین العابدین

حضرت امام عالی مقام نے اپنے ایک غلام کو اپنے صاحبزادہ حضرت
امام زین العابدین کے نام ہبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اجازت چاہی تو حضرت
نے فرمایا کہ میں تمہاری اجازت دینے کا مجاز نہیں۔ اپنے آقا سے اجازت حاصل
کرو۔ وہ مطیع اور وفادار حضرت امام زین العابدین سے اجازت حاصل کر کے
عازم جنگ ہوئے۔ نہایت شجاعانہ جنگ کی۔ اور ۷۰ ملاعنہ کو قتل کر کے اپنے
آقا کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ "کیا آپ میری خدمت سے راضی ہو گئے" اور
دوبارہ پھر عازم جنگ ہوئے اور انتہائے حرب و ضرب میں شہید ہو گئے حضرت
حسینؓ نے ان کے سر کو آغوش میں لیا اور رومال سے خاک و خون صاف کرنے
لگے۔ رمق جان باقی تھی یہ دیکھ کر تبسم زیر لب کیا اور جنت کی راہ لی۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے ۔۔۔ کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

اس واقعہ سے حضرت زیاد بن سکن رضہ کی شہادت احد یاد آجاتی ہے۔

حضرت عابس ابن شبیب مع غلام و دیگر اصحاب

یہ بزرگ جناب امام حسین ؑ کے مشہور اصحاب میں سے ہیں چنانچہ حضرت عابس ابن شبیب اپنے باوفا غلام سے فرماتے ہیں کہ "آج تیرا کیا ارادہ ہے آج کا دن وہ ہے کہ مراتب تحت الثریٰ سے ثریا تک بلند ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ دن نہ آئیگا" مشاہدہ کر رہے تھے اس لئے منہ سے یہ جملہ نکل گیا۔ غلام پر بھی امام عالی مقام کی صحبت نے اثر کیا تھا وہ بھی یہی دیکھ رہے تھے۔ جواب دیا "میں بھی یہی سمجھتا ہوں خدا کی آج کے دن آسان ہے ورنہ ؎

صبرے کن اے دل ۔ از بتوانی وصول یافت	او آفتاب و منزل او بر سماء قدس
نے دوست جانب تو تو از نزول یافت	نے تو بسوئے دوست توانی عروج کرد

اسلئے میں بھی آپ کے ساتھ ہوں" وہ باوفا غلام کو ساتھ لیکر خدمت امام میں آکر عرض کرنے لگے۔ کہ آپ پر میرا اسلام ہو۔ آپ گواہ رہیں کہ میں آپکی اور آپ کے والد ماجد کی شریعت پر دنیا سے انتقال کرتا ہوں" جانثاری کا یہ نیا انداز ہے۔ رسمیات سے بے نیاز ہو کر اجازت نہیں لیتے یہ کہتے ہیں اور میدان کارزار میں پہنچ جاتے ہیں۔ مشہور شجاعان عرب سے تھے۔ "الرجل الرجل" کہتے ہوئے مبارز طلب ہوئے ربیع ابن تمیم جو فوج مخالف کے آزمودہ کار دیروں میں سے تھا کہنے لگا کہ میں اس شخص کی شجاعت اور دلیری کو جانتا ہوں۔ خدا کی قسم جو شخص اس کے مقابلہ کو نکلے گا اس کی تلوار سے مارا جائیگا۔ ربیع کی یہ تقریر سنکر ہر شخص

عالبس کی شجاعت سے خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے مقام پر خاموش ہو بیٹھا۔ جب کوئی مقابلہ پر نہیں آیا تو آپ نے ہتھیار پھینک دئے اور اب ہنستے مبارز طلب ہوئے شیر دل بہادر کے مقابلہ میں اب بھی کوئی نہیں آیا۔ بزدلوں کی طرف سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ تو یہ سینہ تانے ہوئے مدِ مقابل کا انتظار کرتے رہے۔ آخر جب کوئی نہیں آیا تو تلوار ہاتھ میں لی اور میمنہ اور میسرہ پر پے در پے حملہ کرنے شروع کر دئے فوج مخالف میں ہل چل مچ گئی۔ اسی طرح پچاسوں مردودوں کو واصل جہنم کر کے خود جنت کی راہ لی۔ ان کے بعد اُن کے غلام میدان میں آئے اور دادِ شجاعت دیکر جام شہادت نوش کیا۔ پھر حضرت طرماح ابن عدی بن حاتم جو مولائے کائنات کے محبوں اور ہم نشینوں میں سے تھے عازم جنگ ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی حضرت معلی ابن معلی جو اپنی شجاعت میں عدیم المثال تھے۔ میدانِ کارزار میں آئے دونوں نے نہایت شجاعانہ جنگ کی اور آخر کار زخموں سے چور ہو کر جام شہادت نوش کیا۔

شہدائے بنی فاطمہ و بنی ہاشم

حضرت عبداللہ ابن مسلم

اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے جو شخص معرکہ کارزار میں آئے وہ حضرت عبداللہ ابن مسلم تھے۔ آپ حضرت مسلم کے صاحبزادے تھے۔ امام عالی مقام کی خدمت میں اجازت کے خواستگار ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ ابھی تمہارے باپ کی شہادت کو کتنا عرصہ گذرا ہے انکا ماتم ابھی میرے دل سے بھولا بھی نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی ماں کا ہاتھ تھامو۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ ہماری جان آپ پر فدا ہم ہم دل کے ایسے بودے نہیں ہیں۔ ہم کو کامل امید ہے کہ آپ ہماری ناچیز جان کا ہدیہ قبول فرمائینگے۔ جناب امام حسینؑ نے آبدیدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اندروہ شیر شبیہ شجاعت فوج مخالف کی طرف بڑھا۔ اعدائے دین پر سخت حملہ کیا اور ان کی صفوں میں سخت انتشار پیدا کر دیا آخر خود بھی فائز شہادت ہوئے۔

حضرت قاسم ابن حسنؑ

حضرت قاسم ابن حسن علیہ السلام نے میدان حرب کا قصد کیا اور رخصت طلبی کی غرض سے اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے جناب امام حسین نے آپ کی طرف نگاہ یاس

سے دیکھا اور بے اختیار ہو کر اپنے ہاتھ ان کے گلے میں ڈال دیئے اور دونوں بے اختیار رونے لگے۔ رونے سے فراغت ہوئی تو پھر اجازت کیلئے التدعا کی اور امام عالی مقام نے پھر انکار کر دیا۔ حضرت قاسم آپ کا انکاری جواب سنکر اس قدر روئے اور اسقدر لجاجت اور سماجت کی کہ آخر امام حسینؑ کو رخصت کرنا پڑا۔ حضرت قاسم کی شجاعت اور دلیری کو دیکھ کر فوج مخالف پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوسکی شرح شافیہ میں لکھا ہے کہ عمر سعد جسکو ہزاروں کے برابر سمجھتا اس کو مقابلہ کیلئے بھیجتا وہ ان کی تیغ شرربار سے مقتول ہو کر گر رہتا۔ غرض تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت قاسم نے ۷۰ آدمیوں کو مار گرایا۔ انہی لوگوں میں ارزق شامی اور اسکے چار بیٹوں کی لڑائی نہایت مشہور ہے۔ ارزق شامی مشہور بہادروں میں سے تھا اسنے جب یہ دیکھا کہ لوگ حضرت قاسم ابن حسن کی شجاعت سے خائف ہو کر انکے مقابلے پر نہیں آتے ہیں تو چلّا کر کہا تمکو کیا ہو گیا ہے ایک لڑکے کے مقابلے سے عاجز ہو گئے ہو۔ عمر سعد نے کہا کہ پھر تو ہی انکا مقابلہ کر۔ اس نے کہا کہ امیر تم مجھکو ایک لڑکے کے مقابلہ پر بھیجتے ہو۔ انکے لئے میرا لڑکا ہی کافی ہے۔ اپنے چاروں پہلوان لڑکوں میں سے ایک کو حضرت کے مقابلہ پر بھیجا۔ حضرت کے ایک ہی وار میں وہ زمین پر آ رہا۔ اسکا بھائی یہ دیکھکر غصہ سے بیتاب ہو کر حضرت کے مقابلہ پر آیا۔ حضرت نے مختصر سی لڑائی کے بعد اسکو بھی جہنم رسید کیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے چاروں لڑکے جب قتل ہو چکے تو ارزق غصہ سے دیوانہ ہو کر شاہ مرداں کے پوتے حضرت قاسم کے مقابلہ پر آیا۔ امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ اتنی دیر تک حضرت قاسم جنگ کر چکے ہیں اور اب تھک گئے ہیں۔ ادھر ارزق کی بہادری بھی مشہور تھی تو امام عالی مقام کو فکر ہوا آپ نے حضرت قاسم

کی فتح کی دعا کی - مقابلہ کے بعد حضرت قاسم نے اسکو بھی کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ اسکے بعد حضرت قاسم نے فوج پر حملے شروع کر دئیے آخر ایک ظالم نے کمین گاہ سے چھپ کر تلوار کی ضرب کاری سے آپکو شہید کیا۔ گرتے گرتے پکارے۔

یَا عَمَّاہُ اَدْرِکْنِیْ ہ

"یعنی اے چچا میری مدد کو پہنچو"

جناب امام حسین اپنے پیارے بھتیجے کی صدائے استغاثہ سنکر فوراً انکے قریب پہنچے۔ دیکھا کہ پیارے بھتیجے کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور چور ہے بے اختیار ہو کر پکارے "قسم بخدا تیرے چچا پر یہ بات بہت گراں ہے کہ تو مدد کیلئے پکارے اور میں نہ پہنچوں، پہنچوں تو تیری کوئی اعانت کر سکوں۔ اعانت بھی کروں تو وہ مفید اور کارگر نہ ہو۔" یادگار جناب حسنؑ اسی طرح حضرت امام عالی مقام کی آغوش میں واصل بحق ہوئے اور تقرب گاہ قدس میں جا پہنچے۔

حضرت عون ابن علی

حضرت عون ابن علی اپنی جوش شجاعت کے تقاضہ سے کہنے لگے کہ یا آقا اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اس فوج کثیر میں گھس جاؤں اور انکو کیفر کردار کو پہنچاؤں۔ یہ کہکر متوجہ قتال ہوئے اور اپنی تیغ شرربار سے میمنہ اور میسرہ کو منتشر کر دیا اور بہت سے بے دینوں کو دم کے دم میں بیدم کر دیا۔ آخر دو ہزار سواروں نے ملکر حضرت عون کو گھیر لیا مگر وہ بشر بیشہ شجاعت ان آہنی دیواروں کو توڑتا ہوا باہر نکل آیا اور امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو کر سر کا سر مبارک پیر پہ رکھ دئے اور پائے اقدس کو آنکھوں سے لگایا۔ آپ نے انکی اس دلیرانہ ہمت کی بڑی تعریف کی

اور فرمایا کہ بھائی اب تم آرام کرلو۔ عرض کیا اب رخصت فرمائیے کہ میں آپ کے حقوق ھلیدا داکردوں۔ چنانچہ پھر میدان کارزار میں آکر پھر ویسے ہی گراں بار حملات کئے اور اب کی بار بھی بہت سے بے دینوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ انمیں سب سے زیادہ صالح ابن سیار کا مقابلہ ذکر کے قابل ہے۔ بڑی دیدہ دلیری سے سامنے آیا مگر ایک ہی وار میں ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی بڑی تیزدستی سے بڑھا اور ایک ہی وار میں واصل جہنم ہوا۔ آخر چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور ایک شقی کی ضربت شمشیر سے وہ مجاہد فی سبیل اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّتِ رَسُوْلِ اللّٰہ

فرماتے ہوئے اعلےٰ علیین کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت عباس علمدار

آپ حضرت علی علیہ السلام کے نہایت نامور فرزند ہیں اُمّ البنینؑ آپکی والدہ ماجدہ کا نام ہے دونوں جانب سے شجاعت آپ کے حصہ میں آئی تھی۔ اہل عرب اپنی آنکھ سے متعدد بار آپ کی شجاعت دیکھ چکے تھے۔ اور آپ کو ذاتی وجاہت کی وجہ سے قمر بنی ہاشم کہتے تھے حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں ہمارے چچا عباس ابن علی معرفت الہٰی میں کامل تھے۔ حق و باطل کی پوری تمیز رکھتے تھے۔ امتحان میں پورے درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت امام حسینؑ سے آپ کی رسم عقیدت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ حضرت علی کی رسم عقیدت حضور اقدس صلعم کے ساتھ تھی۔ حضرت امام حسینؑ کے بھائی تھے مگر آپ کو کبھی بھائی کہہ کر نہ پکارا۔ ہمیشہ آقا۔ مولا۔ سید کہکر مخاطب کرتے تھے جس طرح حضرت علی نے آنحضرت کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی اسی طرح حضرت

عباس حضرتِ امام حسینؓ کی آغوشِ شفقت میں پلے تھے۔ اس وقت حضرت کے ہمراہ حضرت علی کی اولاد میں سوائے حضرت عباس کے اور کوئی باقی نہ تھا۔ اجازتِ جنگ کے طالب ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا "تم میرے علمدار لشکر ہو جب تم نہیں تو ہم بھی نہیں" حضرت عباس کے اصرار پر فرمایا کہ میں تم کو لڑنے کیلئے نہیں بھیجتا۔ البتہ اس فوج ستم پیشہ کو وعظ و پند کر کے تھوڑا سا پانی طلب کرتے تو پیاس سے مرتے ہوئے بچے ہلاکت سے بچ جاتے۔ حضرت عباس حکم بجا لائے مگر ظالموں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت عباسؓ بچوں کی بے تابی کو دیکھ کر آب مشک اٹھا کر چلے۔ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں آئے اور نہایت شجاعانہ جنگ شروع کی۔ قیامت کی خون ریزی ہونے لگی۔ فوجِ اشقیا تتر بتر ہونے لگی تو آپ نے دریا کا رُخ کیا پھر فوج اُمنڈ آئی۔ ایک افسر فوج مارد نامی نے یہ کہہ کر کہ انھوں نے بڑے بڑے شجاعوں کو تہ تیغ کر ڈالا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور چلانے لگا اور اپنے لشکر کو ملامت کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ اس جوان سے لڑنے کو میں اکیلا کافی ہوں۔ عمر سعد نے یہ سنکر اپنے لشکر کو ہٹنے کا حکم دیا۔ مارد آگے بڑھا اور کچھ مکالمہ شروع کیا۔ اسی اثنا میں حضرت عباس نے موقع پا کر اس کا نیزہ چھین لیا اور گھوڑے کی ساق پر مارا۔ گھوڑا گر پڑا مارد کو پیدل ہونا پڑا۔ عمر سعد نے اس کے غلام کو کہا کہ فوراً اپنے آقا کے لئے گھوڑا لے جا۔ وہ طاویہ نامی گھوڑے کو لیکر بڑھا۔ حضرتِ عباس نے اس غلام کے نیزہ مارا اور وہ گر پڑا۔ آپ خود طاویہ پر سوار ہو گئے۔ شمر نے چلا کر کہا کہ یا عباس یہ وہی گھوڑا ہے جو آپ کے بھائی حضرت امام حسن کے پاس سے چرا لیا گیا تھا۔ حضرت عباس یہ سُنکر خیمہ میں تشریف لائے اور واقعہ عرض کیا۔ حضرت امام حسین نے اس گھوڑے کو پہچانا

گھوڑے نے بھی پہچان لیا اور اپنے سر کو حضور کے کپڑوں سے ملنے لگا۔ مارد حیلہ پا کہ
ملئے میرے نیزہ سے۔ میرے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت عباس مجھ کو ماریں گے
حضرت عباس بھی عازم جنگ ہوئے اور ایک تلوار کا ایسا کاری وار مارد پر کیا کہ
اس کا ایک ہاتھ قلم ہو گیا وہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ یا عباس مجھے نہ ماریں آپ
کا غلام بنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تجھ جیسے بد نہاد غلام کا کیا کرونگا پھر ایک
نیزہ کے وار سے اس کا کام تمام کیا۔ حضرت عباس نے اس حملہ میں ۲۵۰ آدمیوں
کو قتل کیا اور اس سے پیشتر کے حملہ میں ۵۲۰ بے دینوں کو قتل کر چکے تھے حضرت
عباس خیمہ میں تشریف لائے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا . . . . . .
. . . . اہل بیت کو آخری بار وداع کر لو
حضرت عباس کی بیوی اور بچے آپ سے ملکر گریہ وزاری کرنے لگے۔ آپ نے اہل
بیت کی تشنگی کو ملاحظ فرمایا اور ایک مشک اٹھالی اور پھر عازم جنگ ہوئے
اس حملہ میں ۲۰۰ بے دین قتل کئے اور لشکر اعدا کو منتشر کر دیا موقع پاتے ہی
دریا کا رخ کیا۔ صفوں کو چیرتے پھاڑتے نہر فرات پر پہنچے اور مشک بھری
مگر خود پانی نہ پیا

اللہ اللہ احترام تشنگی اہل بیت مشک بھر کر نہر سے پیاسے وفا والے چلے

اعداء سے فرمایا کہ اگر ہمارے ساتھ تم سے آدھی فوج بھی ہوتی تو ہم تم سب کو قتل
کر دیتے۔ چلو میں پانی لیا۔ مگر امام عالی مقام اور اہل بیت کی پیاس یاد آگئی۔ غیرت نے
گوارا نہ کیا کہ تنہا پانی پئیں۔ غرض پانی پھینکدیا اور بھری ہوئی مشک لیکر خیمہ کی
جانب چلے۔ فوج چاروں طرف سے امنڈ آئی اور ہر طرف سے وار ہونے لگے ایک

ایک ہاتھ میں مشک تھی اور دوسرے ہاتھ سے برابر قتال کئے جارہے تھے۔ ایک بے دین نے کمین گاہ میں چھپ کر اور موقع پاکر ایک وار کیا جس سے آپ کا سیدھا ہاتھ قلم ہوگیا آپ نے دوسرے ہاتھ میں تلوار لی۔ اور پھر قتال شروع کردیا۔ اس ہنگامہ میں بھی آپ نے دستِ چپ سے پچاس بے دینوں کو قتل کر ڈالا۔ اس ہاتھ پر بھی ایک بھاری زخم لگا آپ فرماتے تھے کہ "اے نفس کفار سے خوف نہ کر تجھ کو رحمت غفار کی بشارت ہو" قتال برابر جاری تھا۔ آپ قتال کے ساتھ مشک کی حفاظت بھی کرتے جاتے تھے کہ ناگاہ ایک تیر مشک میں آکر لگا۔ سارا پانی بہہ گیا اہل بیت تک پانی نہ پہنچ سکا۔ آپ کو بہت افسوس ہوا گوناگوں اور پے در پے زخم کھا کر گھوڑے سے گرے اور پکارے۔ اے بھائی حسین آپ پر میرا آخری سلام ہو" حضرت امام عالی مقام حضرت عباسؑ کے جسدِ اقدس کے قریب پہنچے اور فرمایا۔

الآنَ انکسرَ ظھری و قلّتْ حیلتی

یعنی "اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میری تدبیریں ختم ہوگئیں" حضرت عباسؑ کی روح پر فتوح اعلیٰ علیین کو پہنچی اور آپ کو سخت گریہ ہوا۔

حضرت علی اکبر حضرت عباس علیہ السلام کے شہید ہو جانے کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس سوائے ایک فرزند دلبند کے جو حضرت علی اکبر شبیہ پیغمبر کے نام سے مشہور ہیں اور کوئی باقی نہ رہا۔ حضرت علی اکبر کی والدہ اُم لیلیٰ ثقفیہ اور وہ میمونہ بنت ابو سفیان کی بیٹی تھیں اسی تعلق سے اہل شام آپ کے لئے امان لائے تھے مگر آپ نے یہ حکم منظور نہ کیا کہ میرے

جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت آلِ مروان کی وجاہت سے کہیں زیادہ ہے
اس وقت آپ کی عمر شریف ۱۸ برس کی تھی۔ حضرت زینب نے آپکو پرورش کیا تھا
جناب علی اکبر خلقت۔ اخلاق۔ گویائی میں جناب رسالت مآب سے مشابہ تھے۔
والد بزرگوار کے مطیع۔ بڑے دیندار قرآن و حدیث کے ماہر اور بڑے شجاع تھے
جناب علی عباس کے بعد آپ نے اجازت چاہی حضرت امام عالی مقام اپنی بیکسی میں ان کے منہ کو دیکھنے
لگے آخر آپ نے صبر و شکر کرتے ہوئے اجازت دی۔ جس وقت آپ مخدرات
عصمت سے رخصت ہونے کیلئے گئے تو خیمۂ اطہر میں ایک کہرام مچ گیا اور صدائے
واہ محمداہ چاروں طرف سے بلند ہوئی۔ حضرت امام حسین نے اپنے ہاتھوں سے
حضرت علی اکبر کو سلاح جنگ پہنائے۔ ایک زرہ پر دوسری زرہ زیب تن کرائی
خود اپنے پیارے فرزند کے سر پر رکھا۔ جناب امیرالمومنین کا چرمی کمر بند نہائیت
مضبوطی سے آپ کی کمر میں باندھا اور عقاب نامی گھوڑے پر سوار کرکے اپنے مجاہد
بیٹے کی شان کو دیکھ کر بیحد زاری کی۔ آسمان کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے "اے
پروردگار تو گواہ رہ کہ میں اپنے ایسے جوان کو فوج مخالف فوج سے جہاد کیلئے بھیجتا
ہوں جو مکارم خلعت حسن صورت اور طلاقت میں جناب رسول صلے اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ پروردگار مجھ کو جس وقت تیرے نبی کی
زیارت کا شوق ہوتا تھا۔ تو میں اس کی صورت کو دیکھ لیا کرتا تھا" یہ فرما کر آپ نے
اپنے نوجوان بیٹے کو رخصت کیا۔ اور عمر سعد کی طرف مخاطب ہو کر بآوازِ بلند ارشاد کیا
"اے عمر سعد یہ تونے کیا کیا خدا تیرے رحم کو قطع کرے جیسے تونے میرے رحم
کو قطع کیا اور دنیا میں کوئی امر اور ارمان تیرے لئے مبارک نہ فرمائے اور تجھ

پر ایک شخص کو مسلط کرے جو تجھ کو تیرے خاص فرشِ راحت پر قتل کر ڈالے افسوس تو نے اُس قرابت کا جو مجھکو جنابِ رسالتمآب کے ساتھ تھی کوئی خیال نہیں کیا۔" یہ کہکر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۝

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدمؑ کو۔ نوحؑ کو۔ آلِ ابراہیم کو آلِ عمران کو۔ عالموں میں سے اور پھر ان کی ذریت یکے بعد دیگرے ۔

غرض حضرت علی اکبر میدان جنگ میں پہنچکر رجز خواں ہوئے دونوں جانب سے حملات گراں بار شروع ہوگئے۔ پے در پے ایسے شجاعانہ حملے کئے کہ بڑے بڑے شجاعانِ عرب کے چھکے چھوٹ گئے ۔آپ نے اس حملہ میں ۱۲۰ اور بروایت دیگر ۵۰۰ بے دینوں کو قتل کیا۔ جب میدان صاف پایا تو خیمہ میں آکر امام عالی مقام کی زیارت کی اور کہا۔

یَا اَبَتَاہُ - اَلْعَطَشُ ۝

اس وقت تک آپ بہت زخمی ہو چکے تھے۔ اور کپڑے خون میں تر تھے آپ نے حسرت سے کہا۔" اے بیٹا مجھ پر اور تیرے جد بزرگوار پر نہایت شاق گزرتا ہے کہ تو التجا کرے اور ہم سے کچھ نہ ہو سکے تو مدد کو پکارے اور کوئی تیری مدد کو نہ پہنچے" آپ نے ایک انگوٹھی دی کہ" اسے چوستے رہو اور پھر جہاد میں مصروف ہو جاؤ یقین کامل رکھو کہ تمہارے جد بزرگوار بہت جلد تمہیں ایک ایسا ساغر سرشار پلائیں گے جس کے بعد پھر تم کبھی پانی کی خواہش نہ کرو گے"۔

حضرت علی اکبر پھر میدان جنگ میں تشریف لائے۔ دونوں جانب سے سخت تلواریں چلنے لگیں اور لاش پر لاش گرنے لگی۔ اس مرتبہ بھی آپ نے ۸۱ بے دینوں کو قتل کیا۔ یہ حالت دیکھ کر فوج نابکار چاروں طرف سے ہجوم کر آئی۔ اور آپ پر ٹوٹ پڑی سب ظالموں نے اس مظلوم کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ جب زخموں سے چور ہو گئے اور گھوڑے سے گرنے لگے تو بہ آواز بلند فرمایا۔ "اے والد بزرگوار میرے جد بزرگ جناب رسول خدا صلعم نے تشریف لا کر مجھے ایک ایسے ساغر سے سیراب فرمایا جسکے بعد اب پھر مجھے پانی کی خواہش نہ ہو گی۔ اور آپ فرما رہے ہیں کہ اے حسین جلد آؤ۔ جلد آؤ کہ یہ دوسرا جام تمہارے لئے تیار ہے۔" جوں ہی یہ آواز جناب حسین نے سنی بے اختیار ہو کر فرمایا۔ "اے میرے بیٹے۔ اے میرے پارۂ جگر۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے بعد اے بیٹا دنیا پر حیف ہے۔ خدائے سبحانہ اس قوم جفاکار کو قتل کرے جنہوں نے خدا اور رسول صلعم پر جرأت کی اور اپنے رسول کی ہتک حرمت کی۔" اتنا فرما کر نہایت اضطراب کے ساتھ قتل گاہ میں تشریف لائے۔ اور گھوڑے سے بے ساختہ اپنے جوان بیٹے کی لاش پر گر پڑے اور ان کے جسم پارہ پارہ کو آغوش میں لیا۔ اور خون و غبار کو صاف کرنے لگے۔ بار بار اپنے سینہ سے لگاتے تھے اور گریہ کرتے تھے۔ رمق جان باقی تھی۔ آنکھ کھول کر اپنے پدر بزرگوار کی زیارت کی اور فرمایا کہ "رحمت الٰہی اور نعمت نامتناہی کے دروازے میرے لئے کھول دئے گئے۔ اتنا کہکر آپ نے رحلت کی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن٥

حضرت امام عالی مقام نے نہایت صبر کے ساتھ اس نوجوان کا لاشہ اٹھایا اور شکر کرتے ہوئے سراپردۂ مطہر میں لے گئے۔

حضرت کے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
اور شکر کا سجدہ انہیں کرتے ہوئے دیکھا

شہادتِ سیّد الشہدا سیّدنا امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند دلبند حضرت علی اکبر کے شہید ہو جانے کے بعد جناب امام حسین کے پاس کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو آمادۂ کارزار ہو کر فوج مخالف سے مقابل ہوتا۔ ایسے مصائب و آلام کے وقت میں نہایت عدیم المثال استقلال صبر اور شکیبائی کے ساتھ امام عالی مقام فوج مخالف کے سامنے آکھڑے ہوئے چونکہ امام تھے منصب امامت کے لحاظ سے بغرض اتمام حجت یوں مستغیث ہوئے۔

"آیا کوئی ہمارا معین و ناصر ہے جو دشمنوں کے ضرر کو حرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دفع کرے۔ آیا کوئی ایسا دیندار ہے کہ جو ہمارے استغاثہ کو قبول کرے اور خدائے سبحانہ تعالےٰ سے ہماری اعانت کیلئے ماجور ہو" آپ کی صدائے استغاثہ سنکر جناب امام زین العابدین علیہ السلام باوجود علالت بسیار کے اپنی تیغ آبدار لیکر خیمہ مقدس سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے پیچھے سے آکر تھام لیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔

یَا عَمَّتَاہُ ذَرِیْ لِیْ اُقَاتِلُ بَیْنَ یَدَیِ ابْنِ رَسُوْلُ

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ٥

"یعنی پھوپھی اماں مجھے چھوڑ دیجئے کہ میں فرزند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے درجۂ شہادت پر فائز ہوں جناب امام حسینؑ نے خیمۂ مطہر کی طرف نظر کی اور یہ سامان ملاحظہ فرما کر حضرت ام کلثوم کو آواز دی" اے ام کلثوم انکو روک لو ایسا نہ ہو کہ دنیا نسل آل محمدؐ سے خالی ہو جائے"۔ پھر آپ نے چلّا کر کہا" اے سکینہ۔ اے فاطمہ۔ اے زینب۔ اے ام کلثوم ہمارا سلام آخری لو" اس صدا کا بلند ہونا تھا کہ اہل بیت میں کہرام مچ گیا۔ چاروں طرف سے صدائے الوداع اور صدائے الفراق بلند ہو گئی۔ جناب امام حسین علیہ السلام ان کی بے قراری کو نہ دیکھ سکے۔ فوراً خیمۂ مطہر میں داخل ہوئے۔ جناب سکینہ نے عرض کی:" اے پدر بزرگوار آپ تو مرنے جاتے ہیں ہمیں کس کے حوالہ کئے جاتے ہیں"۔ یہ سنکر امام عالی مقام کو بے اختیارانہ گریہ ہوا فرمایا۔" اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک میں اپنی موت پر کیوں کر آمادہ نہ ہوں۔ کیونکہ نہ کوئی میرا معین باقی رہا ہے نہ مددگار یقین رکھو کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کی رحمت دنیا اور آخرت میں کبھی تم سے جدا نہ ہوگی۔ پس قضائے خدا پر صبر کرو شکیبائی اختیار کرو۔ اور زبان پر شکوہ نہ لاؤ۔ کیونکہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے"۔ یہ فرما کر اپنی پیاری بیٹی کو چھاتی سے لگایا اور اس مضمون کے چند اشعار پڑھے:" قریب ہے کہ بعد میرے اے سکینہ تیرا رونا طول کھینچے گا۔ جبکہ موت مجھے آئے گی تو میرے قلب کو اپنے رونے سے نہ جلا۔ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے۔ ہاں جس وقت

.میں مقتول ہو جاؤں پس اے بہترین دختران اس وقت تجھے سب سے زیادہ رونے کا حق ہوگا۔ جب تم روؤ تو اپنے رونے میں یہ بیان کرنا کہ اے قتل ہونے والے تو پیاسا شط فرات پر ذبح ہوا۔ اے سکینہ تو بہت جلد میرے پاس آ کہ میں تجھ کو اس طرح وداع کر لوں۔ جیسے مرنے والا وداع کیا کرتا ہے۔"

ایں کہ آمد نوبت من الوداع	الوداع اے عترتِ من الوداع
زود دلہائے شما خواہد شدن	سوزناک از فرقتِ من الوداع

آئی اب نوبت ہماری الوداع	مل لے اے دختر پیاری الوداع
عترتِ حیدر خدا حافظ کے اب	بھرتے ہیں ہم اپنی باری الوداع

جناب امام حسین علیہ السلام اٹھ کر امام زین العابدین کے خیمہ میں آئے۔ جناب امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ میرے جد بزرگوار نے میرے پدر بزرگوار کو شدت مرض میں بے ہوش پا کر میری پھوپھی جناب فاطمہ کبریٰ کو اپنے پاس بلایا اور ان کو ایک لپٹی ہوئی تحریر عطا فرمائی اور کہدیا کہ میرے پدر بزرگوار کو دیدیں۔ جب حضرت امام زین العابدین نے شفا پائی تو وہ وصیت نامہ انکو دیدیا گیا۔ اسکے علاوہ وداع انبیاء و اوصیا جو منصب امامت سے مخصوص تعلق رکھتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام مدینہ سے چلتے وقت ان کو حضرت ام سلمہؓ کے سپرد فرما گئے تھے اور ان کو کہہ گئے تھے کہ جب جناب امام زین العابدین واپس آئیں تو اُن کے حوالہ کر دے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد آپ نے سلاح جنگ زیب تن فرمائے۔ اہل بیت کرام میں

جو کہرام مچا کس کی زبان ہے کہ بیان کر سکے۔

حضرت علی اصغر علیہ السلام

اسی اثنا میں حضرت علی اصغر علیہ السلام کی حالت کا مشاہدہ فرمایا اور دیکھا کہ انکی حالت شدت تشنگی سے قریب بہ ہلاکت ہو گئی ہے پس آپ ان کو آغوش میں اُٹھا کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فوج مخالف کے سامنے کھڑے ہو کر ارشاد فرمانے لگے کہ

"پروردگار میرے خزانہ میں اس لعل کے سوا کوئی دوسرا موتی نہیں ہے"۔ یہ کہکر جناب امام حسینؑ نے اس قوم جفاکار کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے کوفیوں تم نے مجھکو تو قصوروار ٹھہرایا ہے مگر بتاؤ کہ اس شیرخوار اور نادان بچہ پر تم کیا الزام لگاتے ہو۔ اس کو تو پانی دو کہ شدت عطش سے اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے" کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر حرملہ ابن کاہل اسدی نے ایک تیر مارا جو حلق علی اصغر پر آلگا اور وہ معصوم بچہ پھڑک کر جان بحق ہو گیا خون جاری ہوا امام عالی مقام نے اس خونِ ناحق کو چلو میں لیکر آسمان کی طرف پھینکا اور کمال صبر و استقلال سے فرمایا۔

"خدائے تعالے ہمارے ان مصائب کو دیکھ رہا ہے یہ تو تمام شدائد ہم پر آسان ہیں۔ پروردگار تیرے نزدیک میرے بچہ کا خون ناحق ناقہ صالح کے قتل سے تو کم نہیں اگر آج کے روز کسی وجہ سے تو نے اپنی فتح و نصرت ہم سے روک لی ہے تو اس کا نعم البدل ہمیں عنایت فرما"

علامہ سبط ابن جوزی جو سوادِ اعظم اہل سنت میں اکابر علماء سے شمار ہوتے ہیں

اپنی کتاب تذکرۂ خواص الائمہ میں لکھتے ہیں کہ جناب امام حسین کے یہ دعا فرمانے کے بعد ہاتف نے ندا دی۔

دَعْهُ يَا حُسَيْنُ فَإِنَّ لَهُ مُرْضِعَةً فِي الْجَنَّةِ

یعنی اے حسین اس بچہ کو رخصت کرو، اس کے لئے ایک دایہ بہشت عنبر سرشت میں رکھ دی گئی ہے۔

شرح شافیہ میں لکھا ہے کہ اس کے بعد جناب حسینؑ گھوڑے سے اترے اس بچہ پر نماز پڑھی اور ذوالفقار سے اس کی قبر کھود کر ان کو مدفون کر دیا۔

مکالمہ با فوجِ شام

علامہ طبری کا بیان ہے کہ جناب امام حسینؑ اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور فوج مخالف کے سامنے عمر سعد کو بلایا۔ وہ آیا تو آپ نے اس سے اتمامِ حجت کیلئے فرمایا کہ "میں نے تجھ سے جس طرح ابتدائے جنگ کے وقت تین باتوں میں سے ایک بات کے قبول کرنے کو کہا تھا اسی طرح انتہائے جنگ پر بھی تین باتوں کے ماننے کے لئے کہتا ہوں میں گنواتا جاتا ہوں تو ہر ایک کی نسبت ہاں یا نہیں کا قطعی جواب دیتا جا"۔ اس نے کہا فرمایئے آپ نے فرمایا۔ "پہلے یہ کہ مجھکو مدینہ واپس جانے دے کہ میں پھر اپنے جدّ بزرگوار صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جا بیٹھوں۔ اس نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا۔ "اچھا تھوڑا سا پانی دے دے کہ میں اپنے کلیجہ کی آگ کو بجھالوں" اس نے کہا کہ "یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" آپ نے فرمایا۔ "اگر تمہارے نزدیک میرا قتل ہی مناسب ہے تو تم کو معلوم ہے کہ سوائے میرے اب اور کوئی باقی نہیں۔ تم میں سے ایک ایک آدمی نکل کر میرا مقابلہ کرتا جائے" عمر سعد نے کہا

"ہاں یہ امر مجھے قبول ہے"۔ مگر اس پر بھی عمر سعد دو دن جنگ میں قائم نہ رہا جس طرح اس سے پہلے بھی وہ اس بات پر قائم نہ رہا تھا۔

امامِ عالی مقام کا فوجِ شام سے مقابلہ

اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی: "پروردگار تو گواہ رہیو اس پر جو کچھ کہ اس قوم ملعون نے کیا ہے انکا قصد ہے کہ تیرے رسول کی ذرّیت میں سے کوئی متنفس باقی نہ رہے"۔ اس کے بعد آپ آمادۂ قتال ہو کر صفوفِ دشمن کے برابر آ کھڑے ہوئے اور ذیل کے اشعارِ رجز ارشاد فرمائے۔

اَنَا اِبْنُ علی اَلْمُطَهَّرُ مِنْ آلِ هَاشِم
كَفَانِی بِهٰذَا مُفْتَخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ
وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَكْرَمُ مَنْ مَشٰی
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ یَزْهَرُ
وَفَاطِمَةُ اُمِّیْ مِنْ سُلَالَةِ اَحْمَد
وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
وَفِیْنَا كِتَابُ اللّٰهِ اُنْزِلَ صَادِقًا
وَفِیْنَا الْهُدٰی وَالْوَحْیُ بِالْخَیْرِ یُذْكَرُ
وَنَحْنُ اَمَانُ اللّٰهِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ
نُسِرُّ بِهٰذَا فِی الْاَنَامِ وَنَجْهَرُ

ترجمہ "میں فرزندِ علی ہوں جو طاہر و مطہر اور آلِ ہاشم سے ہیں تفاخر

کے وقت میرے لئے یہ فخر کافی ہے (۲) اور میرے جدِ بزرگوار رسول اللہ
ہیں جو روئے زمین کے چلنے والوں میں سب سے افضل ہیں یا ہم اللہ کے چراغ
ہیں اور روئے زمین پر روشن ہیں۔ (۳) حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ہماری
مادرِ گرامی ہیں اور جنابِ جعفر جن کا لقب ذوالجناحین ہے ہمارے چچا ہیں
(۴) کتابِ خدا ہمارے ہی گھر میں نازل ہوئی ہے اور ہم ہی ہیں وہ ہدایت
اور وحی ہے جس کا خیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ (۵) ظاہری اور باطنی
طور پر خلائق کے لئے امان ہیں۔

اسی مضمون کو ایک اہل دل نے فارسی اشعار میں اس طرح ترجمہ کر دیا ہے

جدِ من خیر الوریٰ فاضل ترین انبیاء است — آفتابِ اوجِ عزت۔ شمعِ جمعِ اصفیاء است
منقبت ہائے پدر گر بر شمارم دور نیست — در درزح لافتیٰ و بدر یرزح ہل اتیٰ است
مادرم خیر النساء فرزند خاص مصطفےٰ است — بر کمالِ او۔ کلامِ "بضعۃ منی" گواہ است
ہست عمم جعفر طیار کاندر باغ خلد — دائما پرواز او۔ تا آشیانِ کبریا است
حمزہ سر خیل شہیداں باشد عمِ پدر — ایں چنیں اصل و نسب در جملہ عالم کجا است

اس قسم کا مضمون ادا فرما کر آپ نے فرمایا کہ "اے قوم اگر تم خدا اور
رسول پر ایمان لائے ہو تو مجھ پر ظلم کرنا روا مت رکھو اور پانی مجھ سے بند مت
کرو۔ یا مجھے کسی طرف جانے دو اگر اس سے باز نہیں آتے تو خیر

رَضِیْنَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ

شام کے اور کوفے کے لوگ یہ سنکر خدا کے غضب ڈرنے لگے اور حضرت
کی بے کسی پر رونے لگے مگر شمر ذی الجوشن مردود نے لوگوں کو بھڑکایا اور پھر

سب کو جنگ کے لئے آمادہ کیا۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور سخت خوں ریزی ہونے لگی۔ آپ کی تیغ آبدار نے میمنہ سے میسرہ تک اور میسرہ سے میمنہ تک ہل چل ڈال دی یہاں تک کہ ہر شخص اپنی شجاعت اور دلیری کے دعووں کو بھول گیا۔

حملۂ اول باوجود رنج و الم اور تشنگی کے اس پا داری سے آپ نے جنگ کی کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ حضرت امام حسین کی شجاعت کے ثبوت میں مورخین کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عبداللہ ابن عماد۔ جو عمر سعد کے لشکر میں موجود تھا بیان کرتا ہے۔

"خدا کی قسم ہم نے کسی ایسے شخص کو جس کے تمام برادر و فرزند اعوان و انصار مقتول اور اہل بیت محصور ہو چکے ہوں ایسی قوت اور پا داری سے جنگ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

(۲) تاریخ طبری کبیر میں لکھا ہے کہ

"فوجوں نے راست و چپ جناب امام حسین پر حملہ کیا۔ حضرت امام حسین نے پہلے ان صفوں کو پراگندہ کیا جو دائیں طرف سے حملہ آور ہوئی تھیں پھر ان پلٹنوں کو درہم برہم کیا جو بائیں طرف سے یورش کر رہی تھیں راوی جو حاضرین جنگ میں سے تھا کہتا ہے کہ میں نے کبھی ایسے مجروح و مغموم تنہا شخص کو جس کے بیٹے عزیز اور اصحاب قتل ہو چکے ہوں اور اہل بیت محصور ہو چکے ہوں حضرت حسین سے بہتر یا حضرت حسین کے بعد دل کو سنبھالنے والا بے دھڑک شجاعانہ پیش قدمی کرنے والا نہیں دیکھا۔"

(۳) ابو اسحٰق اسفرائنی۔ امام حسین کے اظہار شجاعت میں بیان کرتے ہیں کہ

"حضرت نے اس قوم پر حملہ کیا اور اس کے قلب میں پہنچکر صدا دی اور نعرہ لگایا اور گھوڑے کو کاوہ پر لگایا۔ حضرت ہر طرف جاتے تھے اور تلوار چلاتے تھے۔ کبھی چپ کبھی راست۔ کبھی طولاً اور کبھی عرضاً اور اپنی تلوار سے دشمنوں کو اس طرح کاٹتے تھے۔ جس طرح گھاس کاٹتے ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے دشمنوں کے جسم پسے جاتے تھے اور خون کی ندیاں جاری تھیں"

پس حضرت حسینؑ خیمہ میں واپس آئے اور حضرت کے زخموں سے خون جاری تھا لشکر یزید نے اپنے مقتولین کا شمار کیا تو معلوم ہوا کہ ۱۵۲۰ سوار قتل ہو چکے ہیں اہل کوفہ کے دل میں رعب اور خوف سما گیا۔ علام ابن شہر آشوب اور محمد ابن ابی طالب نے فوج مقتولین کی تعداد ۱۹۵۱ لکھی ہے۔

حملۂ دوم

پھر آپ نے جنگ کا آغاز کیا۔ اسی اثناء میں خیمہ کی طرف ایک دستۂ فوج کا رُخ دیکھ کر امام عالی مقام نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ "میں تمہارے ساتھ لڑتا ہوں اور تم میرے ساتھ لڑتے ہو اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے کہ تم خیمہ کا رُخ کرتے ہو۔ اگر تم دین کو برباد کر چکے ہو تو عرب کی غیرت کو کام میں لاؤ۔" شمر نے اس دستۂ فوج کو واپسی کا حکم دیا۔

شمر نے مشورہ دیا کہ اس طرح کامیابی نہیں ہو سکتی اس لئے چاروں طرف سے حملہ کر کے یک بارگی حملہ کریں اور حیلہ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ تمام افواج چاروں طرف سے یک بارگی حملہ آور ہوئیں آپ بھی بڑی ہمت سے اپنے گھوڑے پر اور جم کر بیٹھ گئے۔ اور سخت معرکہ ہوا۔ بڑھتی ہوئی فوجوں میں انتشار ہو گیا۔

آپ نے اپنی تنہائی اور بے کسی پر حسرت کرتے ہوئے نہایت پُر درد لہجہ میں اپنے عزیزان و انصار میں سے اس طرح ایک ایک کو یاد فرمایا۔ "اے مسلم ابن عقیل۔ اے ہانی ابن عروہ۔ اے حبیب ابن مظاہر۔ اے ظہیر ابن القین اے مسلم ابن عوسجہ۔ اے علی ابن حسین اے میرے دلاور شجاعوں۔ اے میرے تیز رفتار سواروں یہ کیا ہو گیا کہ میں تمہیں پکار رہا ہوں اور تم مجھے جواب تک نہیں دیتے۔ دیکھو یہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموس ہیں کہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اٹھو اور ان کی مدد کرو۔ افسوس تم لوگوں کو موت آ گئی اسی وجہ سے تم مجبور ہو۔" غرض پھر آپ نے فرمایا۔ "خداوندا تو مجھ کو ان لوگوں میں تنہا نہ چھوڑنا۔ جن لوگوں نے دیدہ و دانستہ میرا انکار کیا ہے۔"

حملہ سوئم لڑائی کا سلسلہ جاری تھا۔ اور حملات سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے آپ بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں موقعہ پا کر آپ نے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی اور دریا کا رُخ کیا۔۔۔ فوج اعداء نے سخت رکاوٹ کی۔ مگر آپ دریا تک پہنچ گئے اور دریا میں گھوڑا ڈال ہی دیا۔ اس موقعہ پر حضرت امام حسینؑ کے محاسنِ اخلاق کو دیکھو۔ آپ نے اپنے وفادار رہوار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَنْتَ عَطْشَانُ وَاَنَا عَطْشَانُ وَاللّٰهِ لَا اَذُوْقُ الْمَاءَ حَتّٰی تَشْرَبَ۔

یعنی تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ خدا کی قسم میں اُس وقت تک پانی نہ پیونگا جب تک تو نہ پیئے گا۔" اس وفادار نے فوراً اپنا منہ پانی سے

اٹھالیا۔ آپ نے بھی چلّو میں پانی اٹھا کر پھینکدیا اور تنہا پانی پینا مروت سے بعید سمجھا۔ ایک شریر نے حیلہ سے کہا دیکھئے آپ کے خیمے لُٹتے ہیں۔ آپ باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ یہ سب حیلہ تھا۔ آپ نے آخری بار خیمہ کا رُخ کیا کہ سب سے آخری بار وداع ہولیں۔ چنانچہ آپ خیمۂ اقدس پر تشریف لائے اور مخدراتِ عصمت کو پھر آخری بار وداع فرمانے لگے۔ تمام اہل بیت اطہار گریہ کناں امام عالی مقام کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھ گئے۔ آپ نے پردگیان عصمت کو شدائد اور بلا پر صبر وضبط اختیار کرنیکی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا "نزول بلا کے واسطے مستعد ہو۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ تمہاری حفاظت فرمائیگا۔ اور وہ ہی تمہارا ہر حال میں معین ہوگا۔ اور تمکو دشمن کے آزار سے بچائیگا اور عاقبت تمہاری بخیر کریگا۔ اور تم کو اپنی ہر قسم کی نعمتوں سے محفوظ فرمائیگا۔ پس تم لوگوں کو مناسب ہے کہ اپنی زبان شکایت میں نہ کھولو اور ایسا نہ کرو کہ تمہاری قدر و منزلت میں کوئی فرق آئے۔

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود! ہم بہ بردند و عشقش نام کردند

یہ فرما کر آپ خیمۂ مطہرہ سے باہر تشریف لائے اور اہل بیت اطہار میں کہرام مچ گیا۔

حضرت امام عالی مقام کا باہر آنا تھا کہ فوج شام کا پھر وہ ہی ہجوم ہونے لگا۔ اور چاروں طرف سے آپ کے جسم مبارک پر زخم لگنے لگے آپ نے بآواز بلند فرمایا۔

"اے قوم بدکار تم اپنے اسلاف گذشتہ کے لئے کیسے اخلاف بداطوار ہو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عترت کی حرمت اور حفاظت کے لئے
تم لوگوں کو وصیت فرمائی تھی۔ پس تم ہی لوگ مجھے قتل کرتے ہو۔ اور میرا خون گراتے
ہو۔ خدا کی قسم مجھے تمہارے ان امور کی نسبت یقین ہے کہ حضرت رب العزت ان
مصائب میں مجھے کرامت عطا فرمائیگا۔ اور تم لوگوں سے میرے قتل اور رسوائی کی
پاداش میں ایسے انتقام لے گا جس کی طرف تمہارا کبھی خیال بھی نہیں ہوگا"۔

اتنا فرما کر آپ اپنی مدافعت میں پھر مصروف ہو گئے اور حتی الامکان ان خونخواروں
کو اپنے پاس سے ہٹاتے رہے مگر وہاں تو ان بے رحموں کی وہ کثرت تھی کہ ایک
ہٹتا تھا تو اس کی جگہ پر دس گر پڑتے تھے۔ اسی کشمکش میں حضرت امام عالی مقام اور
بھی کثرت سے زخمی ہو گئے۔ امام محمد باقر جو اپنے جدِ بزرگوار کے ساتھ واقعات
کربلا میں شریک تھے بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے جسم مبارک پر کل ۳۲۰ گہرے زخم
لگے اور ہر زخم میں کئی کئی زخم نظر آتے تھے اب یہ وقت تھا کہ

بجرمِ عشق توام می کشند و غوغائیست   تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

غرض اسی اثنا میں ابوالحتوف ملعون نے آڑ لیکر آپ کی پیشانی مبارک پر
ایسا تیر لگایا کہ آپکا روئے مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔ حضرت امام عالی مقام
نے خون بھرے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرکے ارشاد فرمایا۔

"پروردگار تو دیکھتا ہے جو اس قوم گمراہ کے ہاتھوں سے مجھ پر گذرتا ہے"

پھر دعا فرما کر آپ نے روئے مبارک سے خون پونچھا کہ خولی اصبحی مردود
کا ایک تازہ سہ پہلو تیر سینۂ اطہر کے عین وسط میں آکر پیوست ہو گیا۔ اس تیر
جفا کے لگتے ہی امام عالی مقام کو پشتِ توسن پر بیٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ تیر

کھاتے ہی آپ نے فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّتِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم

پھر فرمایا "پروردگار تو گواہ رہنا کہ یہ لوگ ایک شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے سوا کوئی دوسرا شخص رسول اللہ صلعم کا نواسہ نہیں ہے" یہ فرما کر آپ نے اُس تیر کو سینۂ اقدس سے کھینچا اور خون کا فوارہ چھاتی سے بہہ گیا۔ آپ نے اپنا خون چُلّو میں لیکر منہ پر مل لیا اور فرمایا۔

هٰکَذَا اَکُوْنُ حَتّٰی اَلْقٰی جَدِّی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" وَاَنَا مَخْضُوْبٌ بِدَمِیْ وَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَتَلَنِیْ فُلَانٌ وَفُلَانٌ"۔

یعنی "میں اپنے چہرہ پر خون اس وجہ سے ملتا ہوں کہ اس صورت میں اپنے جدِّ بزرگوار حضرت احمد مختار صلعم سے ملاقات کرونگا اور کہونگا کہ اے نانا مجھ کو فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے" صالح ابن وہب مزنی ملعون نے جو کہ تاک میں لگا ہوا تھا آپ کے پہلوئے مبارک پر اس زور سے تلوار لگائی کہ وہ رسول اللہ کے کاندھے کا سوار اور فاطمہ زہرہ کی آغوش کا پالا صدرِ زین سے فرش زمین پر آرہا۔

بلند مرتبہ شاہے ز صدرِ زیں افتاد ! اگر غلط نہ کنم عرش بر زمیں افتاد

یا بہ الفاظ دیگر یوں کہیئے کہ

وہ آن رحل زیں سے سوئے فرش گر پڑا دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

حضرت زینب رضؓ جو کمال بے تابی سے اپنے برادر عالی قدر کی آخیر حالتوں کو در خیمہ سے بہ ہزار حسرت دیکھ رہی تھیں اس خونی منظر کو دیکھ کر فرمانے لگیں۔

"ہائے بھائی - ہائے سید - ہائے اہل بیت - اب آسمان کیوں زمین پر گرتا نہیں اور کیوں پہاڑ پھٹ پڑتا نہیں۔ یہ فرما کر اس معصومہ نے ابن سعد کو مخاطب کر کے عجیب مایوسانہ لہجہ میں فرمایا۔

یا عمر ابن سعد یُقتَلُ ابو عبداللہِ وانتَ تنظر الیہٗ

"اے عمر سعد ابو عبداللہ حسین قتل ہو رہے ہیں تو دیکھ رہا ہے۔" یہ الفاظ کچھ ایسے حسرت بھرے تھے کہ عمر سعد جیسے سنگدل نے بھی آنسو بہائے۔

حضرت عبداللہ ابن حسنؓ کی شہادت

آپ اس وقت کم سن تھے اور در خیمہ پر مضطرب اور متراسیمہ کھڑے تھے یکایک وہ اپنے عم بزرگوار کو ایسے قیامت کے عالم میں دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور خیمہ اقدس سے فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت زینبؓ نے پردہ در سے ہاتھ نکال کر ان کو پکڑ لیا۔ امام حسین نے بھی اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا فوراً اپنی مصیبت زدہ بہن کو آواز دی اور فرمایا۔ "اے بہن اس کو پکڑ لو۔ اور میدان میں نہ آنے دو۔" حضرت زینب نے ان کے روکنے کی ہر چند کوشش کی مگر وہ صاحبزادے یہ کہتے ہوئے قتل گاہ کی طرف دوڑ گئے۔

لَا وَاللہِ لَا اُفارِقُ عَمّی ؎

"نہیں نہیں خدا کی قسم میں اپنے عم بزرگوار سے کبھی جدا نہ ہونگا۔" وہ صاحبزادے

میدان میں آگر گیا دیکھتے ہیں کہ ابحر ابن کعب ملعون اپنی تلوار کا وار فرق مبارک پر لگانا
ہی چاہتا ہے یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن حسن نے فرمایا

وَیلَکَ یَا ابنَ الخَبِیثَۃِ تَقتُلُ عَمّی

یعنی "اے پسر زانیہ کیا تو میرے چچا کو مار ہی ڈالے گا" یہ کہکر اس کا وار اس معصوم
نے ہاتھوں پر روک لیا۔ پھر اس شقی نے اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ اس معصوم کا
داہنا ہاتھ قلم ہو گیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس معصوم بچے کو اپنے سینے سے لگایا۔
اور فرمایا "جو کچھ تجھ پر گذری اس پر صبر و شکیبائی اختیار کر اور ان مصائب کو اپنے
لئے خیر و برکت کا باعث سمجھ۔ اب خدائے تعالےٰ بہت جلد تجھ کو اپنے آبائے
صالحین سے ملائے دیتا ہے" کہ اتنے عرصہ میں حرملہ ملعون نے ایک تیر سے اس
معصوم کو شہید کر ڈالا۔ حضرت یہ ملاحظہ فرما کر مصروفِ استغراق ہو گئے عمر سعد نے
امام عالی مقام کو اس حال میں دیکھ کر حکم دیا کہ شمع امامت گل کر دی جائے۔ اور
معاذاللہ جو اس خون ناحق کا مرتکب ہو گا۔ وہ بہت بڑے انعام کا مستحق سمجھا جائے
گا۔ یہ سنتے ہی حضرت پر فوجوں پر فوجیں اور رسالوں پر رسالے ٹوٹ پڑے اور آپ
کمال ناطاقتی سے نیم دم ہو کر نماز عصر کے ہتیہ میں رو بقبلہ سجدے میں خم ہو چکے
تھے۔ اب یہ وہ وقت ہے کہ

رہا تھا مرحلہ خنجر و گلو باقی

باوجود اس حالت کے اتنی کثیر فوج میں کسی کی بھی اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ آپ
کے قریب جا کر عمر سعد کے حکم کی تعمیل کرے۔ آخر (۱) سب سے پہلے ایک ملعون
مالک ابن بشیر آپ کے قریب آیا۔ اور اپنی شمشیر سے ایک تازہ زخم لگایا حضرت

نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔" خدائے تعالےٰ تجھ کو سیراب نہ کرے اور تو ظالموں کے گروہ میں محشور کیا جائے۔ چنانچہ اس شخص کی موت بڑی تباہ حالت سے ہوئی۔

(۲) ذرعہ ابن شریک ملعون آگے بڑھا اور حضرت امام پر اپنی تلوار کا وار کیا حضرت امام عالی مقام نے اس پر اپنی تلوار کا ایک وار کیا اور اس کو مار گرایا پھر آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔

"پروردگار میں تیرے فرمان پر صبر کرتا ہوں کیونکہ سوائے تیرے میرا کوئی مالک نہیں ہے۔ اے مدد کرنے والوں کے مدد کرنیوالے" ذرعہ ابن شریک کے مارے جانے سے ظالموں کا وہ قریب آنے والا گروہ بہت کچھ خوف زدہ ہوگیا کہ شمر ذی الجوشن ملعون نے یہ حال دیکھ کر پھر لوگوں کو آپ کے شہید کرنے پر اکسایا اس مردود کی ترغیب سے چالیس سواروں نے آکر پھر امام عالی مقام کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور آپ کے روبرو یکے بعد دیگرے حملہ کرنے لگے۔ آخر

(۳) سنان ابن انس ملعون نے آپ کے حلقوم مبارک پر اپنے تیر بیداد کا ایک ایسا گھاؤ لگایا کہ پھر آپ کو بیٹھنے کی مطلق طاقت نہ رہی۔

(۴) عمر سعد کی ترغیب پر شیث ابن ربعی آگے بڑھا اور آپ کی نظر اس کی نظر سے ملی تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ اور وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور کہنے لگا" معاذ اللہ خدا حسینؑ کے خون سے بچائے" لوگوں نے پوچھا تو نے حضرت امام حسینؑ کو کیوں شہید نہیں کیا اس نے کہا کہ" جونہی میں نے حضرت کی طرف دیکھا تو میں نے ان کی آنکھوں کو جناب رسالت مآب کی آنکھوں سے بالکل مشابہ پایا۔"

۵۔ پھر آخر کار شقی ازلی شمر لعین سامنے آیا اور آپ کے سینۂ مطہر پر چڑھا اور تلوار کھینچ کر آپ کے گلوئے مبارک سے ملادی۔ وہ شہید کرنا ہی چاہتا تھا کہ امام مظلوم نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "تو کون ہے جو ایسے امر عظیم پر اقدام کرتا ہے"۔ اس نے کہا کہ شمر ابن ذی الجوشن۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا "تو مجھ کو پہچانتا ہے کہ میں کون ہوں" اس نے کہا ہاں میں جانتا ہوں۔ آپ حسین ابن علی ہیں۔ آپ کے جد بزرگوار محمد مصطفےٰ صلعم ہیں۔ آپ نے فرمایا "افسوس ہے پھر تو مجھ کو قتل کرتا ہے"۔ پھر آپ نے فرمایا "تجھکو خدا کی قسم تو اپنا سینہ کھول" پس اس نے اپنا سینہ کھول دیا۔ آپ نے فرمایا "اللہ اکبر میرے جد بزرگوار نے سچ فرمایا کہ "یا علی تیرا فرزند اس سرزمین میں قتل کیا جائیگا جسکو کربلا کہتے ہیں۔ ان کو ایک ایسا شخص قتل کریگا جو مثل کتے کے مبروص ہوگا۔ اور اس کے بال سور کے بال جیسے ہوں گے"۔ پھر اس کے بعد شمر ملعون نے آپ کے گلوئے مبارک پر چند بار تلوار پھیری مگر گلوئے مبارک نہ کٹا آپ نے فرمایا کہ

"خدا کی قسم تیری تلوار اس جگہ کو قطع نہیں کرسکتی کہ جس پر خدا کی تسبیح جاری ہے"۔

پس اس ملعون نے آپ کو گردن کی جانب سے حالتِ سجدہ میں شہید کردیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

نہ ہوش میں رہے میکال پھینکر مندیل — تو پیٹنے لگے سر رکھ کے صور اسرافیل
تڑپ کے گر پڑے سدرہ سے منہ کے بل جبریل — فلک لرز گئے جنبش میں آیا عرش جلیل
کوئی نہ تھا کہ جو سید کی لاش اٹھا لیتا — زمین سے جسدِ پاش پاش اٹھا لیتا

⁂

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن!
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ڈوبا شفق میں جب مہِ تابانِ مصطفےٰؐ | یعنی حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ مصطفےٰؐ
بادِ خزاں تھی اور گلستانِ مصطفےٰؐ | جب گر پڑا زمیں پہ وہ جانانِ مصطفےٰؐ

خود مصطفےٰؐ نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہؑ نے اپنے گلے سے لگا لیا

آیا جو وقتِ ظہر تو سجدہ ادا کیا | تن پر جو دیکھے زخم تو شکرِ خدا کیا
طے آپ نے تمام مقامِ رضا کیا | دشمن نے جبکہ سر کو بدن سے جدا کیا

خود مصطفےٰؐ نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہؑ نے اپنے گلے سے لگا لیا

خوں میں بھرا ہوا جو بدن کا لباس تھا | حور و ملک کا دیکھ اُسے دل اُداس تھا
پر شاہِ کربلا کو نہ مطلق ہراس تھا | جس دم گرے زمیں پہ تو کوئی نہ پاس تھا

خود مصطفےٰؐ نے فرشِ زمیں سے اُٹھا لیا
اور فاطمہؑ نے اپنے گلے سے لگا لیا

لگتا جو تیر تن پہ تو کہتے تھے یا اللہ | راضی ہوں میں رضا پہ تیری تو ہے خود گواہ
یہ کہہ کے جب زمیں پہ گرے شاہِ دیں پناہ | روح الامیں اٹھانیکو تھے کر کے ایک آہ

خود مصطفےٰؐ نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہؑ نے اپنے گلے سے لگا لیا

ہر چند زخم کھاتے تھے اور ضعف تھا کمال | جاری زباں پہ شکرِ خداوندِ ذوالجلال

جز یاد حق کسی کا نہ اس وقت تھا خیال — تلوار کھا کے جبکہ زمیں پر گرے نڈھال
خود مصطفیٰ نے فرش زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہؑ نے اپنے گلے سے لگا لیا

امام اسفرائنی آگے لکھتے ہیں کہ اس شقی نے آپ کے سر مبارک کو تن اطہر سے جدا کر کے نیزہ پر چڑھا کر خولی اصبحی کو دیا اس شقی نے اور تمام لشکر شام نے تین بار تکبیر کہی اس وقت زمین میں زلزلہ ہو گیا اور مشرق اور مغرب میں تاریکی چھا گئی۔ اور تمام آدمیوں کے روبرو بجلیاں کوندگئیں منادی آسمان سے ندا کرتا تھا کہ

"امام ابن امام اور ابوالائمہ قتل ہوا۔"

اشعار

اندریں غم نے ہمیں ارض و سما بگریستند — کاہل عالم از ثریا تا سرا بگریستند
آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و قلم — در غم شاہ شہید کربلا بگریستند
در ہوائے آں لب محروم از آب حیات — ماہی اندر آب و مرغ اندر ہوا بگریستند
اولیاء گشتہ بہر مرتضےٰ زاری کناں — انبیاء بر اتفاق مصطفیٰ بگریستند
در قصور جنت الفردوس حوراں سر بسر — از برائے خاطر خیر النساء بگریستند

۱۔ جسد اقدس کے ساتھ بے ادبی

ان بے غیرت ظالموں نے ان مظالم پر ہی بس نہیں کی۔ جب تاریکی کچھ کم ہو گئی تو حضرت امام عالی مقام کے جسد اقدس سے سب ہتھیار اور زرہ وغیرہ اتار کر آپس میں بانٹ لیا۔ آپ اس روز دو زرہیں پہنے ہوئے تھے ان میں سے ایک عمر سعد نے اپنے لئے لیند کی اور مختار کے دوران انتقام میں جب عمر سعد قتل ہو چکا تو وہ

زرہ اس ملعون کے بدن سے اتاری گئی اور مختار نے اس زرہ کو عمر سعد کے قاتل ابو عمرہ کو بخشدی۔ باقی لوگ بھی جنہوں نے حضرت امام کے اسلحہ اور ملبوس لیا تھا سخت اذیتوں میں مبتلا ہو کر مرے اور ایک عالم نے اُن کی ذلت وخواری کا تماشہ دیکھا۔ حرملہ۔ خولی اصبحی۔ شمر ذی الجوشن۔ حصین ابن غیر غرض ایک ایک کو چُن چُن کر انتقامی دور میں قتل کیا گیا اور وہ سب

خَسِرَ الدنیا والآخرۃ

کے مصداق ہوئے۔

۲۔ غارتِ خیام جسدِ اقدس کو اذیت ہائے مزید دینے کے بعد ان اشقیائے خیمہ کے سرو سامان کو لوٹا۔ اہل بیت اطہار ادھر شہدا کے رنج و الم میں سخت درجہ گریہ وزاری کر رہے تھے۔ ادھر غارتِ خیام اور بے ردائی کی اذیتوں نے اس کہرام کو حشر کا نمونہ کر دیا تھا کس کی طاقت ہے کہ آپ کے مصائب کو بیان کر سکے البتہ اتنا ضرور تھا کہ یہ حضرات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی ذریت تھے اس لئے ان کی حرمت وعزت کا محافظِ حقیقی بذاتِ خود نگراں تھا۔

۳۔ مرکبِ امامِ ہمام اس مصیبت کے وقت مرکبِ امام علیہ السلام خیمہ اطہر پر آیا اور وہاں سے جسدِ اقدس کے پاس گیا اور جسدِ اقدس کے گرد پھرنے لگا وہ اپنی پیشانی کو بار بار حضرت امام کے خون سے بھرتا تھا اور اعدا جب اس کے قریب پہنچتے تھے تو ان کو اپنی ٹاپوں سے زخمی کرتا تھا۔ اہل بیت اطہار کے لئے اس کی وفاداری کا منظر اور بھی باعثِ کہرام تھا۔

۴۔ اہل بیت اطہار کا لاشہ ہائے شہدا پر گذر جب اہل بیتِ اطہار روانگی کو ہونے کے وقت لاشہ ہائے

شہدا پر گذرے تو سب اپنے ان اعزہ کو اس حال میں دیکھ کر کہ ہر ایک کا سر تن جدا ہے بے قرار ہو ہو کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ حضرت زینبؓ۔ حضرت ام کلثوم حضرت سکینہ کی بے قراری کسی سے دیکھی نہ جاتی تھی "واحمداہ" کی صدا بلند تھی سننے والوں کے دل پھٹے تھے۔

۵۔ حضرت امام عالی مقام کے قاتلوں کی سزا منتقم حقیقی کی طرف سے فوراً ہی شروع ہو گئی۔ محبان اہل بیت میں ایک زبردست انتقامی جذبہ پیدا ہوا اور اس کے تحت میں جنگ پر جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا منشا ظاہر ہوا جس کو حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وحی بھیجی اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ پر کہ بالتحقیق میں نے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کے خون کے عوض ستر ہزار یہود کو قتل کرایا تھا۔ اور اے حبیب تیرے فرزند حسین کے خون کے بدلہ میں اس سے دوچند لعینوں کو قتل کرا دوں گا۔ چنانچہ واقعہ مختار اور سلیمان بن صرد خزاعی اور اوائل دولت عباسیہ علی سفاح کے زمانہ میں اس کا ظہور ہوا۔ یہاں سے فرزند رسول اللہ صلعم کے رتبہ کا قیاس کیجئے۔

اب ہم حضرت مولانا نیاز کی ایک منقبت کے ساتھ شہادت امام کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء — یعنی حسینؓ ابن علیؓ جان اولیاء
روئے نگوش مطلع صبح سعادت است — سیمائے اوست شمع شبستان اولیاء
آئینہ جمال الٰہی است صورتش — زاں رو شد است قبلہ ایمان اولیاء
تا کرد صرف حق سر و سامان ہستیش — گوئے سبق ربودہ ز میدان اولیاء

ذوقے دگر بجامِ شہادت ازو رسید　　شوقے دگر بمستیِ عرفانِ اولیاء

چوں صاحبِ مقامِ نبیؐ و علیؑ است او　　ہم شانِ انبیاء و شد و ہم شانِ اولیاء

دارد نیازِ حشر خود امید با حسینؑ

با اولیاست حشرِ محبانِ اولیاء

حالات مابعد شہادت

بیہقی نے ام حبان سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی ہیں جس دن امام حسینؓ شہید ہوئے اُس سے تین دن تک ہم پر اندھیرا رہا۔ امد بیہقی نے ابن مسہر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا میں نے اپنی دادی سے سنا اور وہ یہ کہتی ہیں کہ میں اس وقت جوان تھی جب حضرت حسینؓ شہید ہوئے ہیں نے دیکھا کہ چند روز آسمان حضرت حسینؓ پر رونے گیا۔ ابن جوزی اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ تین دن عالم میں تاریکی رہی آسمان سرخ ہوگیا۔ ثعلبی سے منقول ہے کہ آسمان سیدالشہداء پر رو دیا۔ چھ ماہ تک اس کی سرخی باقی رہی۔ ابن سیرین اور ابن سعد کہتے ہیں کہ شفق کی سرخی شہادت ابن رسول اللہ پر ظاہر ہوئی ہے پہلے اس کا وجود نہ تھا۔

منہج مکیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ اس کا بعید یہ تھا کہ جب کوئی غصہ ہوتا ہے تو چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ جل شانہٗ عوارض جسمانی جیسے غصہ سے پاک ہے اس لئے اس نے اپنے غضب کے اظہار کے واسطے آسمان کو سرخ کر دیا اور قیامت تک اس کا نشان رکھا کہ قاتلانِ حسینؓ کا یہ زبردست گناہ ظاہر

ہو جائے۔ مروی ہے کہ آسمان کی سرخی سے دیواریں گل انار کی طرح سرخ ہو گئیں اور جو کپڑا اس کے اثر سے سرخ ہو گیا تھا اس کا رنگ زائل نہ ہوا۔ ستارے آسمان سے ٹوٹ کر گرتے تھے۔ پورا آفتاب گہن ہوا۔ دوپہر کو تارے نظر آتے تھے اس تمام کیفیت سے معلوم ہوتا تھا گویا قیامت قائم ہو گئی۔ وحوش و طیور سب گرم آہ و فغاں تھے۔ جنات کے نوحے کی آوازیں آتی تھیں۔

ابتلائے انبیاء و اولیا بسیار بود لیک در عالم ازیں سا ابتلائے کس ندید

صواعق محرقہ میں ہے ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی تھیں کہ شب شہادت میں نے غیب سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا تھا کہ اے حسینؓ کے قتل کرنے والو تم کو عذاب کا مژدہ ہو۔ بے شک تم داؤدؑ اور موسیٰؑ اور حامل انجیل یعنی حضرت عیسیٰؑ کی زبانوں سے ملعون ہوئے (یہ اُن اشعار کا خلاصہ مضمون ہے جو اس وقت سنے گئے ان اشعار سے) معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس واقعہ کی پیشین گوئی تھی اور حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں پر انبیاء کی طرف سے ان کتب میں لعنت مورد تھی۔

ارباب سیر نے لکھا ہے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عمر ابن سعد اور شمر نے خیمۂ اہل بیت کو لوٹ لیا اور مخدرات عصمت کو اور بچوں کو مقید کیا۔ شمر لعین نے حضرت امام زین العابدین کو دیکھ کر شہید کرنے کا ارادہ کیا مگر حمید ابن مسلم نے منع کیا اس کے بعد شہدائے کربلا کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے۔

روضۃ الشہداء میں ہے کہ ابن سعد نے سر اقدس کو خولی اصبحی کو دیا اور ابن زیاد کے پاس کوفہ کو روانہ کر دیا۔ اور عمر ابن سعد دو روز کربلا میں پڑا رہا۔ اپنے مردوں کی

لاشوں کو دفن کیا مگر شہداء کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑا اور قافلہ اہل بیت کو لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسوقت حضرت زینبؓ نے اپنے بھائی حضرت حسین کے جسم کو دیکھا اور رو کر عرض کیا "واجداہ' وامحمداہ" یارسول اللہ یہ تمہارا حسینؓ ہے۔ آپ ان کے منہ پر بوسہ دیتے تھے اور اپنا منہ ان کے سینہ پر رکھتے تھے۔ یہ تمہارے اہل بیت ہیں کہ اس طرح غربت میں گرفتار کئے گئے ہیں یہ تمہارے پارۂ جگر کا جسم ہے کہ اس صحرا میں زمین پر پڑا ہے۔ غرض جب عمر ابن سعد مع تمام سرہائے شہدا کے اور مع قافلۂ اہل بیت کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تو اہل عارضہ دشت کربلا میں آئے اور شہدائے کربلا پر نماز پڑھی۔ اور ان لاشہ ہائے بے سر کو دفن کیا۔ جس وقت سرہائے شہداء و قافلۂ اہل بیت نبوت کوفہ میں داخل ہوا تو اہل کوفہ اس منظر کو دیکھ کر چلا چلا کر روتے تھے

حضرت زینب نے فرمایا "اے کوفہ کے رہنے والو واللہ تم نے حضرت حسین سے جھوٹے وعدے کئے اور منافقوں کی طرح میرے بھائی کی طرف متوجہ ہوئے فریب بھرے خط اور جھوٹے پیام بھیجے اور تم لوگ اولاد رسول کی ہلاکت کا سبب ہوئے اور دور سے بیٹھے دیکھتے رہے اور فرزند نبیؐ کی مدد نہ کی۔ بدترین خلائق کو بہترین خلائق پر مسلط کر دیا اور اب مکر سے ہمارے سامنے آنسو بہاتے ہو اور رسول اللہ سے نہیں شرماتے"۔ کوفہ کے ایک ضعیف سردار نے کہا اے بنت سیدہ آپ سچ فرماتی ہیں۔

شواہد النبوت میں ہے حضرت زید ابن ارقم صحابی رسول اللہ فرماتے تھے کہ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو لیکر اشقیا کوفہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے میں اپنے گھر کے دریچہ میں بیٹھا تھا۔ جب سر مبارک میرے برابر پہنچا میں نے سنا حضور یہ آیہ کریمہ پڑھتے تھے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ہ

ترجمہ :- کیا تو جانتا ہے کہ اصحاب کہف میری عجیب نشانیوں سے ہیں۔

زید فرماتے ہیں یہ حال دیکھ کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے کہا اے فرزند رسول اللہ یہ آپ کا سر ہے۔ اے ابن رسول کریم آپ کا واقعہ عجیب تر واقعہ ہے ایک اور راوی کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد بد نہاد کے دروازہ پر یہ سرہائے شہدا پہنچے اور سروں کو نیزوں سے اتارا تو میں امام عرش مقام کے سر اطہر کے پاس کھڑا تھا میں نے دیکھا کہ حضور کے ہونٹ ہلتے تھے میں نے کان لگا کر سنا کہ حضور یہ یہ آیت پڑھ رہے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ہ

ترجمہ :- تو ہرگز نہ سمجھنا کہ اللہ تعالےٰ غافل ہے اس سے جو ظلم کرتے ہیں۔

گویا حضرت امام عرش مقام ان ارشادات سے قرآن کی اس حقانیت کو بھی بیان فرما رہے تھے کہ شہید مردہ نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں جیسا کہ اس آیۂ پاک سے واضح ہوتا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ہ

اس کے بعد اسیران اہل بیت کو ابن زیاد ملعون کے سامنے حاضر کیا۔ حضرت سیدہ زینب سب کے آگے تھیں جب اس کی مجلس میں پہنچیں کسی طرف التفات نہ فرمایا اور بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ علی مرتضیٰ کی بیٹی جناب زینب ہیں۔ ابن زیاد نے طعن و تشنیع کی باتیں کیں۔ اس پر جناب سیدہ نے فرمایا خدا کا شکر ہے اس نے اپنے رسول سے ہم کو بزرگی دی اور بحکم آیت تطہیر ہم کو ہر برائی

سے پاک کیا۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرتا ہے اور ان کے کلام کو جھوٹا کرتا ہے"۔ پھر فرمایا۔ "اے ابن زیاد قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اور میرے بھائی حسین کو ایک جگہ جمع کریگا تاکہ وہ تجھ سے مخاصمت کریں۔ دیکھیو اے ابن مرجانہ کہ اس دن اُن کو نصرت ہوگی یا تجھ کو"۔ اس کے بعد ابن زیاد نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور حضرت امام زین العابدین کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ علی ابن حسین ہیں ابن زیاد ملعون نے حکم دیا کہ ان کو محل کے دروازہ پر لیجا کر شہید کیا جائے۔ حضرت زینب اپنے بھتیجے امام زین العابدین سے لپٹ گئیں اور فرمایا "اے ابن زیاد تو ابھی اولادِ رسول کے قتل کرنے سے باز نہیں آیا"۔ امام مظلوم نے فرمایا۔ "اے پھوپھی تم مجھ کو اس سے کلام کرنے دو"۔ اور آپ نے ابن زیاد سے فرمایا۔ "تو مجھ کو قتل سے ڈراتا ہے تو نہیں جانتا کہ قتل و قتال ہماری عادت ہے اور شہادت کو ہم اللہ کی کرامت جانتے ہیں آگاہ ہو کہ ہمارے قلب کو محنت کے پانی سے بنایا گیا ہے اور دست قدرت نے تخم محبت الٰہی اسمیں بویا ہے"۔ ابن زیاد نے تھوڑی دیر سکوت کرکے ملازموں سے کہا کہ مجھ کو ان لوگوں کی گفتگو سے چھڑاؤ۔

اس کے بعد ابن زیاد مردود نے حکم دیا کہ اُن کو قیدخانہ میں رکھو اس کے بعد ابن زیاد نے یزید ملعون کو اس کی اطلاع دی اور اس نے حکم بھیجا کہ سرداران دین کے سروں کو نیزہ پر رکھ کر مع اسیرانِ اہل بیت دمشق روانہ کردو۔ ابن زیاد نے شمر اور خولی کے ہمراہ مع پانچ ہزار سوار کے سرہائے شہدا کو مع اسیرانِ اہل بیت یزید کے پاس روانہ کیا۔ ہر مقام پر کرامات سر امام عرش مقام ظاہر ہوتی رہیں۔

سرِ اقدس بر سرِ نیزہ ظلم

(۱) صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ جب سرِ اقدس سردارِ دین پناہ ابن زیاد شقی کے پاس آیا اس نے سرِ مبارک کو زانو پر رکھا ایک قطرۂ خون اس سے ٹپکا اس کی قبا اور جبہ و ملبوس وغیرہ کو توڑتا ہوا ران کے اندر اُتر گیا اور دوسرا قطرہ نکلا جو رخت اور تخت کو توڑ کر زمین پر پہنچ کر غائب ہو گیا۔ اور اس کی ران میں سوراخ جو قطرۂ خون سے پڑ گیا تھا۔ باقی رہ گیا۔ ہر چند علاج کیا مگر وہ زخم نہ بھرا۔ اس میں سے سخت بدبو آتی تھی۔ کوئی دماغ اس کی بدبو کو تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ ہر وقت نافۂ مشک ران کے زخم پر باندھے رہتا تھا مگر اس کی بدبو مشک کی خوشبو پر غالب رہتی تھی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

۲۔ روضۃ الشہدا میں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ خولی سرِ اقدس امام عرش مقام کو لیکر جب کوفہ کو روانہ ہوا۔ کوفہ سے ایک فرسخ پر اس فاسق کا مکان تھا۔ رات کو اپنے گھر ہی پڑ گیا۔ زوجہ اس کی قبیلۂ انصار سے تھیں۔ اور اہل بیت رسالت کو دل سے دوست رکھتی تھیں۔ خولی نے اس کے خیال سے امام ؑ کے سرِ مبارک کو چھپا کر اس کے گھر کے تنور میں رکھ دیا۔ اور اپنے مقام پر آکر بیٹھ گیا۔ بیوی نے پوچھا کہ تو آج کل

کہاں تھا۔ خولی نے کہا کہ ایک شخص نے یزید سے بغاوت کی تھی اس کے مقابلہ کو گیا تھا۔ عورت نے کچھ نہ کہا اور کھانا لا دیا۔ اس نے کھانا کھایا اور سو رہا۔ وہ عورت نماز تہجد پڑھتی تھیں۔ حسبِ عادت رات کو عبادت کو اٹھی اور جہاں تنور تھا اس حصۂ مکان میں آئیں تو دیکھا وہ گھر نہایت روشن تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ نور تنور سے نکلا ہے۔ متعجب ہوئی اور کہا سبحان اللہ میں نے تو آج تنور میں آگ بھی روشن نہیں کی یہ روشنی کہاں سے پیدا ہوئی۔ وہ بی بی اسی حیرت میں تھی کہ دیکھا کہ وہ نور آسمان کی طرف بلند ہوتا جاتا ہے۔ اس کا تعجب اور زیادہ ہوا۔ ناگاہ چار عورتیں آسمان سے اتریں اور تنور کے پاس گئیں۔ ایک نے ان میں سے تنور پہ جا کر سر اقدس کو نکالا اور بوسہ دیا اور سینہ سے لگایا اور کہا۔

"اے شہید ماں کے۔ اے مظلوم ماں کے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تیری داد تیرے قاتلوں سے لیگا۔ اور جب تک میری داد نہ دیگا عرش کا پایہ نہ چھوڑوں گی"۔

اور دوسری عورتیں بھی بہت روئیں بعدہٗ اس سر کو تنور میں رکھ دیا اور غائب ہو گئیں وہ بی بی آئی اور اس سر کو تنور سے نکال کر غور سے دیکھا چونکہ سید الشہدا کو بہت دیکھا تھا پہچان لیا۔ نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ بے ہوشی کی حالت میں سنا ایک ہاتف نے آواز دی کہ تو نہ ڈر تیرے شوہر کے اعمال کا مواخذہ تجھ سے نہ کیا جائیگا۔ عورت نے ہاتف سے پوچھا یہ عورتیں جو تنور پر آئیں اور گریہ و زاری کی کون تھیں۔ ندا ہوئی وہ بی بی جنہوں نے سر کو نکالا اور سینہ سے لگایا اور گریہ کیا فاطمہ زہرہ تھیں اور دوسری خدیجہ الکبریٰ۔ تیسری مریم مادر عیسیٰ اور چوتھی آسیہ زوجہ فرعون تھیں۔

اس کے بعد اس نے سر اقدس کو عطریات سے معطر کیا۔ ادب سے رکھا اپنے شوہر کو

اس کے فعل پر ملامت کی اور رخصت ہوگئیں۔

۳۔ مروی ہے کہ جب قافلۂ اہل بیت شہر حران کے پاس پہنچا وہاں ٹیلہ پر ایک یہودی کا مکان تھا۔ یحیٰی اس کا نام تھا وہ حاکم کی فوج کے استقبال کو گھر سے نکلا اور وہ سروں کو دیکھنے لگا۔ نظر اس کی سلطان دین پناہ کے سر پر پڑی۔ دیکھا لب مبارک ہلتے تھے قریب جا کر سنا حضور پر نور یہ آیت پڑھتے تھے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

ترجمہ: عنقریب ظالم جان لینگے کیونکر وہ درہم برہم کر دیئے جاتے ہیں یحیٰی نے یہ حال دیکھ کر پوچھا یہ کس کا سر ہے کہا حسین ابن علی کا اس نے کہا باپ کا نام تو معلوم ہوا۔ ماں ان کی کون تھیں۔ کہا فاطمہ بنت محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہودی نے کہا اگر ان کے جد کا دین حق نہ ہوتا تو یہ شان ان کی ظاہر نہ ہوتی فوراً مسلمان ہو گیا اور عمامہ اپنے سر سے اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے شاہزادیوں کو دیا اور جامۂ ہشم فوقیت جو پہنے ہوئے تھا اتار کر مع ہزار دینار کے حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں نذر کیا۔ ان ظالموں نے جو ہمراہ تھے اس کو زجر کیا کہ تو حاکم کے دشمنوں کی مدد کرتا ہے یہاں سے جلد جا ورنہ قتل کیا جائیگا۔ یحیٰی کو فیض امام سے ذائقۂ محبت مل گیا تھا۔ اپنے خادموں سے کہا میری تلوار لے آؤ۔ تلوار لیکر تکبیر کہی اور ظالموں پہ حملہ کر دیا۔ پانچ آدمیوں کو مار کر شہید ہوا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت قبر اس سچے مومن کی حران کے دروازہ پر موجود ہے لوگ ان کو یحیٰی شہید کہتے ہیں۔ اور وہاں دعا اہل حاجت کی قبول ہوتی ہے۔

۴۔ سیاہ روسپاہ یزید اہل بیت رسالت کو لئے ہوئے چند منزلیں طے کر کے

حوالی حلب میں پہنچی۔ وہاں ایک پہاڑ پر قلعہ بنا ہوا تھا۔ معمورہ اس کا نام تھا عزیز نامی ایک یہودی وہاں کو توال تھا اس کے نیچے قافلہ نے قیام کیا۔ رات کو شیریں کنیز حضرت شہر بانو نے عرض کیا یہاں ریشمی کپڑا بنایا جاتا ہے اگر اجازت ہو وہاں جا کر اپنا زیور فروخت کر کے کپڑا حضرت کے واسطے خرید دوں۔ حضرت شہر بانو نے فرمایا میں نے تجھکو آزاد کیا۔ جہاں تیری خوشی ہو جا۔ شیریں قلعہ کے دروازہ پر پہنچی۔ دروازہ پر دستک دی۔ عزیز نے کہا کون ہے شیریں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ عزیز نے دروازہ کھول دیا۔ اور بہ تعظیم شیریں کو اندر لے گیا۔ شیریں نے کہا تم نے میرا نام کیونکر جانا۔ انہوں نے کہا میں اس وقت سو گیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو خواب میں دیکھا۔ برہنہ سر اور برہنہ پا آثار درد و مصیبت کے ان کی صورت سے ظاہر تھے۔ میں نے پوچھا اے سرداران بنی اسرائیل کیا حال ہے کیوں یہ حال ہے۔ فرمایا تجھکو معلوم نہیں نبی آخرالزمان محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو ظالموں نے شہید کیا اور ان کے سر کو مع ان کے گھر والوں کے شام کو لئے جاتے ہیں۔ آج اس پہاڑ کے نیچے ان کا قیام ہے۔ میں نے پوچھا آپ محمد مصطفےٰ صلعم کو جانتے ہیں۔ فرمایا ہم کیوں نہیں جانتے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے ایمان کا ہم سے عہد لیا ہے۔ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ میں نے کہا کوئی نشانی ایسی بتا دیجئے کہ میرا یقین زیادہ ہو جائے فرمایا قلعہ کے دروازہ پر جا ان کی ایک آزاد لونڈی شیریں نام دروازہ پر دستک دے گی۔ اسکی حرمت کرنا۔ وہ تیرے نکاح میں آوے گی اور اسلام قبول کر اور سبط رسول اللہ کے سر کے پاس جا اور ہمارا سلام ان سے کہہ۔۔۔۔۔ صبح کو آفتاب نکلا عزیز قافلہ میں

آیا اور ایک ہزار درہم نگہبانوں کو دیکر اجازت لی کہ اہل بیت کی خدمت کرے۔ جب اجازت ملی رب اہل بیت کی خدمت میں ملبوس پیش کئے اور ہزار درہم حضرت سید الساجدینؑ کی خدمت میں پیش کئے اور مسلمان ہوا اور سید الشہدا علیہ السلام کے سر اقدس سے عرض کیا اے ابن رسول اللہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے آپکو سلام فرمایا ہے۔ سر مبارک سے ارشاد ہوا۔ "اللہ تعالےٰ کا سلام ان پر ہو"۔ عزیز نے عرض کیا۔ "سردار دین کوئی ایسی خدمت ہو جسمیں اللہ تعالےٰ کی رضامندی ہو"۔ ارشاد ہوا تو نے حق خدمت ادا کیا اور مسلمان ہوا۔ اللہ اور رسول مجھ سے راضی ہوئے میرے اہل بیت کی خدمت گزاری کی۔ میرے جد اور پدر اور بھائی تجھ سے راضی ہوئے اور دو پیغمبروں کا سلام میرے پاس لایا میں بھی تجھ سے راضی ہوا۔ قیامت کے دن میرے گھر والوں کے ساتھ محشور ہوگا اس کے بعد سب قلعہ کے رہنے والے مسلمان ہو گئے۔

۵۔ اور واقعات عجیب میں سے جو راستہ میں پیش آئے ابو الخنوق کا واقعہ ہے اس کا بیان ہے ہر شب کو پچاس آدمی شہدا کے سروں کے محافظ رہتے تھے ایک روز میں بھی ان میں تھا۔ وہ سب سو رہے تھے۔ مجھے نیند نہ آئی۔ ناگاہ آسمان سے ایک آواز میں نے ایسی سنی کہ قریب تھا۔ زمین و آسمان درہم برہم ہو جائیں ایک مرد گندم گوں نورانی سفید کپڑے پہنے دکھائی دیئے۔ آسمان سے اترے اور سید الشہداء کے سر کو صندوق سے نکالا اور اسے بوسہ دیتے تھے۔ اور روتے تھے۔ میں متحیر ہوا اور اس ارادہ سے اٹھا کہ سر ان سے لیکر صندوق میں رکھدوں جب ان کے قریب پہنچا ایک آواز آئی۔ خبردار گستاخی نہ کرنا کہ آدم صفی اللہ ہیں۔ فرزند سید الانبیاء کی تعزیت کو آئے ہیں۔ ناگاہ پھر دوسرا نعرہ میں نے سنا اور نوح علیہ السلام آئے

اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ اور اسحاق اور اسمٰعیل ذبیح اللہ تشریف لائے آخر میں سیدالاولیا
علی المرتضیٰ اور سیدالشہدا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار تشریف لائے اور
ہر ایک نے اس سر مبارک کو اٹھایا اور تعظیم کی پھر ایک نورانی کرسی آئی اس پر رسول
کریم صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور گرد آپ کے انبیاء بیٹھے پھر ایک فرشتہ ظاہر ہوا ایک
ہاتھ میں اس کے تلوار اور ایک ہاتھ میں گرز آتشیں تھا۔ اس فرشتہ نے مجھ کو پکڑا
میں نے فریاد کی یا رسول اللہ میں محبان اہل بیت سے ہوں مجھ کو بہ اکراہ یہ لوگ
ہمراہ لے آئے ہیں۔ اس فرشتہ نے ایک طمانچہ میرے منہ پر مارا وہ جگہ سیاہ ہو گئی
حضورؐ نے فرشتہ سے فرمایا اس کو چھوڑ دے اس نے چھوڑ دیا۔ میں بے ہوش ہو گیا
یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسی وقت مجھ کو ہوش آیا اور کسی نگہبان کو نہ پایا میں نے
سر مبارک کو دیکھا۔ صندوق میں رکھا تھا اور اس کے گرد راکھ کے تودے تھے شمر
نے ابوالمخنوق کو بلایا آدھا منہ اس کا سیاہ تھا۔ حال پوچھا اس نے جو دیکھا تھا بیان
کیا اور ایک آہ کی۔ اور گر پڑا اور مر گیا۔ دیکھا تو اس کا پتہ پھٹ گیا تھا اہل لشکر
یہ دیکھ کر ڈر گئے۔

۷۔ ابوسعید دمشقی کا بیان ہے کہ میں اس جماعت کے ساتھ تھا جو قافلہ اہل
بیت رسالت کو شام کی طرف لئے جاتے تھے۔ جب دمشق کے قریب پہنچے یہ خبر مشہور
ہوئی کہ مسیب ابن معقاع خزاعی نے ایک لشکر جمع کیا ہے۔ اس کا ارادہ ہے
کہ شب خون مارے اور سروں کو ظالموں سے چھین لے۔ سرداران لشکر یزید پریشان ہوئے
اور بڑی احتیاط سے چلے شب کو ایک مقام پر پہنچے۔ وہاں ایک مضبوط قلعہ تھا
سب کی یہ رائے ہوئی کہ اس قلعہ میں پناہ لیں تاکہ شب خون سے محفوظ رہیں شمر لعین

نے قلعہ کے دروازہ پہ آواز دی اور سر دار اس کا اوپر آیا۔ شمر سے تفصیلات دریافت کیں اس نے تفصیلات بیان کیں اور کہا کہ ہم تیرے دیر میں پناہ لینا چاہتے ہیں سر اقدس کو ایک صندوق میں رکھ کر کمرہ میں مقفل کر دیا اور اہل بیت نبوت کو مع حضرت امام زین العابدین کے اچھے مکان میں پیر دیر نے ٹھہرایا۔ لشکر یزید دیر سے باہر رہا۔

پیر دیر نے رات کو اس کمرہ میں نورانی فضائیں دیکھیں اور دیکھا کہ ایک عماری اتری اور ایک بی بی اس میں سے نکلیں بہت سی لونڈیاں آگے آگے ان کے انتظام کرتی تھیں۔ اور کہتی تھیں ہٹ جاؤ ام البشر حوا آتی ہیں۔ اسی طرح حضرت سارہ اور مادر اسحٰق حضرت ہاجرہ مادر اسمٰعیل اور راحیل مادر یوسف۔ صفورہ زوجۂ کلیم اللہ۔ کلثوم خواہر موسیٰؑ۔ آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم مادر عیسیٰؑ تشریف لائیں ناگاہ ایک شور ہوا اور ایک عماری آئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ مع بعض ازواج مطہرات کے اتریں۔ سر مبارک کو صندوق سے نکالا۔ اور ہر ایک نے اس کی زیارت کی۔ دفعتہً ایک شور آہ وفغاں پیدا ہوا اور ایک عماری نہایت نورانی ظاہر ہوئی اور آواز آئی اے پیر دیر اس روزن سے نہ دیکھ کہ خاتون جنت تشریف لائی ہیں۔ وہ حیرت سے بے ہوش ہو گیا۔ اور جب ہوش آیا دیکھا کہ ایک حجاب اس کے سامنے ہے کہ کسی کو دیکھ نہیں سکتا۔ مگر آہ وفغاں سنتا تھا اور ایک بی بی کی آواز آتی تھی۔

"اے مسافر غمزدہ ماں کے۔ اے میرے نور دیدہ۔ اے میرے پسندیدہ فرزند قیامت کے دن تیرے دشمنوں سے تیرے خون کا عوض لونگی"۔ اخبار میں ہے جناب سیدہ نے چند شعر اسی وقت مرثیۂ امام میں فرمائے۔ خواتین میں شور آہ وفغاں برپا ہوا۔ صاحب روضۃ الشہدا نے لکھا ہے کہ انہیں سے بعض اشعار کا مضمون ان اشعار

سے معلوم ہو سکتا ہے۔

گریہ نسبت ابرِ نیساں ہم چوں من بگریستے — چشمِ پرویں بر سحاب قطرہ زن بگریستے
کاش کہ صد دیدہ بودے مردمِ چشم مرا — تا بصد دیدہ بر آں فخرِ زمن بگریستے
رشتۂ موئے حسینؑ آغشتہ شد در خاک و خوں — چشمِ شب کو تا بر آں مشکیں رسن بگریستے
طفلِ خوردِ شہر بانو تشنہ لب شد آب کو — تا بر آں لبِ تشنۂ شیریں دہن بگریستے

پیر ترسا یہ سُن کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا۔ عماریوں اور سواریوں کا نشان بھی نہ پایا۔ اب وہ اٹھا دروازہ کا قفل کھولا بہت رویا اور سر مبارک کو نکالا مشک گلاب سے غسل دیا اور ادب سے فرشِ پاک پر رکھا اور شمع روشن کی پھر خود کچھ فاصلہ پر ادب سے بیٹھ گیا اور عرض کی۔

اے سردارانِ عالم کے سردار۔ اے بہترین اولادِ آدم میرا ایسا گمان ہے کہ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کا وصف میں نے موسیٰؑ کی توریت اور عیسیٰؑ کی انجیل میں دیکھا ہے اس خدا کے واسطے جس نے آپ کو یہ رتبۂ عالی دیا ہے کہ خاتونِ پردۂ نبوت تمہارے واسطے گریہ و زاری کرتی ہیں۔ مجھ کو آپ آگاہ کریں کہ آپ کون ہیں۔ فوراً بحکمِ خدائے توانا سرِ مبارک گویا ہوا۔" اے پیر میں مظلوم ہوں۔ میں غمزدہ اور محنت کشیدہ ہوں میں مقتول ہوں۔ گھر بار سے آوارہ ہوا ہوں۔" پیر ترسا نے عرض کیا اس سے زیادہ ارشاد ہو یعنی تفصیلی حال بیان کریں۔ ارشاد ہوا۔" کیا پوچھتا ہے آیا حسب، نسب دریافت کرتا ہے یا میری مصیبت اور پیاس کی شدت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اگر نسب پوچھتا ہے۔ میں رسولِ برگزیدہ کا پسر ہوں۔ میں ولیِ خدا علی مرتضےٰ کا لختِ جگر ہوں۔" پیر ترسا نے جب یہ حال سنا اپنے مریدوں کو بلا کر یہ واقعہ سنایا سب کے سب سرگرمِ آہ و فغاں ہوئے

اور متفق ہو کر سید الساجدین امام زین العابدین ع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے امام برحق کے دست و پا پہ بوسہ دیا اور دشمنوں پر شب خون اور حملہ کرنے کی اجازت مانگی مگر آپ نے منع کیا اور فرمایا اللہ تعالےٰ تمکو جزائے خیر دے یہ لوگ دم بدم خود سزائے اعمال پائیں گے خدا ان کو اس فعل بد کا بدلہ ضرور دیگا۔

۷۔ حضرت سہیل سعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ملک شام میں تجارت کے سلسلہ میں گیا تھا ایک دن حوالیٔ دمشق کے ایک گاؤں میں پہنچا لوگوں کو دیکھا کہ دہل بجا رہے ہیں۔ ایک پیر مرد سے پوچھا اس نے کہا کہ میں تعجب کرتا ہوں کہ اس غم میں آسمان خون کیوں نہیں برساتا ہے اور زمین اہل زمین کو نگل کیوں نہیں جاتی ہے میں نے کہا کیسا غم ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سر ہے حسین ابن علی کا اہل عراق یزید کے پاس لیجاتے ہیں اہل شام اس کی خوشی کر رہے ہیں۔ میں دوڑا اور بڑی مشقت سے قافلۂ اہل بیت رسالت میں پہنچا۔ سید الشہداء کے سر مبارک کو نیزہ پر دیکھا۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ اہل بیت میں سے ایک بی بی نے پوچھا اے مرد ضعیف تو کیوں روتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا میں سکینہ دختر حسین۔ یہ سنکر اور بھی گریہ ہوا۔ میں نے کہا اے دختر سید النساء میں تمہارے جد امجد کے صحابہ سے ہوں نام سہیل ساعدی ہے۔ کچھ حاجت ہو تو ارشاد کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ ان نیزہ داروں سے کہدے کہ آگے بڑھ جائیں کہ اہل شام سروں کی طرف متوجہ ہوں، اور ہم لوگ اغیار کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ میں یہ سنکر آگے بڑھا۔ ان لوگوں کو چار ہزار دینار دیکر آگے بڑھا دیا۔ یزید مردود کے دربار میں پہنچے بے حد اژدہام تھا

۱۔ حضرت سہیل ساعدی نے یزید کو ڈانٹا۔ جبکہ وہ دندان حضرت امام حسین ع کو چھڑی لگا تا تھا۔

۲- ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین کو طعن کیا۔ آپ نے آیۂ تطہیر آیۂ مودّت کا حوالہ دیکر فرمایا یعنی وہ لوگ ہم ہی ہیں جن کا ذکرِ فضائل ان آیات میں ہے وُہ شخص تائب ہُوا اور دعا کی۔ یا اللہ اگر میری توبہ قبول ہے تو میں یہیں مر جاؤں چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اہلِ بیتِ نبوت کو اس کے حال پر رقّت ہوئی

۳- یزید کے دربار میں ایک یہودی بیٹھا تھا اس نے یزید سے دریافت کیا یہ کس کا سر ہے۔ تفصیل معلوم ہوئی۔ اس پر کہا کہ حضرت داؤد سے مجھے ۷۰ پشت کا واسطہ ہے۔ پھر بھی یہود میری عزت کرتے ہیں تم لوگ عجیب ہو کہ اپنے رسول کی ذریت کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو یزید نے قتل کی دھمکی دی۔ یہودی اٹھا اور سرِ اقدس کو اٹھا کر عرض کیا۔ "یا ابا عبداللہ میں آپ کا محب اور غلام ہوں اور دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔" اور کلمہ شہادت پڑھا اور کہا "اے سردار قیامت کے دن میرے ایمان کی گواہی دینا۔" اس کے بعد یزید کے حکم سے ان کو شہید کیا گیا۔ حضرت امام عالی مقام کا یہ فیض تھا کہ سرِ اقدس کو دیکھ کر غیر مسلم بھی کلمہ پڑھتے تھے اور شہادت اختیار کرتے تھے۔ یزید کی اور اس کے گروہ کی شقاوت کا اندازہ کیجے۔

اہلِ بیتِ نبوّت دربارِ یزید میں

یزید ملعون نے حکم دیا کہ اہلِ بیتِ نبوّت کو دربار میں لاؤ۔ حضرت سیدہ زینب حضرت اُمِّ کلثوم اور حضرت سیّد الساجدین آگے آئے۔ سیّدہ زینب کی نظر بھائی کے سر پر پڑی۔ اور اِن الفاظ سے فریاد کی۔

وَا اَحمدَاہٗ - وَا محمّدَاہٗ

پھر یزید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تو جانتا ہے کہ کیا کر رہا ہے تُو نے اپنی عورتوں کو پردہ میں بٹھایا ہے اور رسولِ خدا کی ذرّیت کو خلقِ خدا کے سامنے بلایا ہے میں نہیں سمجھتی ہوں کہ قیامت کے دن اس عملِ بد کا تو کیا جواب دیگا۔" یزید ہیبت سے کانپ گیا۔ اور پوچھا یہ کون ہیں۔ کہا یہ حسینؑ کی بہن ہیں اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہرہ کی بیٹی ہیں۔ پھر حضرت اُمّ کلثوم نے فرمایا: "اجازت ہے کہ میں اپنے بھائی کا سر اُٹھالوں اور زیارت آخری کر لوں"۔ اجازت ملی انہوں نے سید الشہداء کے سر کو اُٹھا لیا اور منہ پر منہ رکھ کر غش کھا گئیں۔ جب ہوش آیا تو فرمایا: "اے یزید میں اُمید کرتی ہوں کہ تو دنیا میں کبھی راحت نہ پائیگا۔ جیسا تو نے ہم کو ستایا ہے۔" یزید نے کہا شاید یہ بھی خواہر حسین ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں حضرت اُم کلثوم ہیں۔ یزید نے کہا اے ام کلثوم تم نے

دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے گمان کو (معاذ اللہ) جھوٹا کیا ہے۔ حضرت امّ کلثوم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے منافقوں کو جھوٹا فرمایا ہے اور یہ آیت پاک پڑھی۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ

اور فرمایا کہ الحمد للہ اہل بیت رسالت کذب اور نفاق سے منزہ اور پاک ہیں۔ یزید ملعون نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور حضرت امام زین العابدین کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا علی ابن حسینؑ ہیں۔ یزید ملعون نے حضرت امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا تم جانتے ہو تمہارے والد کو یہ خواہش تھی کہ منبر پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور مسندِ خلافت پر بیٹھیں حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ "اے یزید یہ منبر ہمارے آباواجداد کے قائم کئے ہوئے ہیں یا تیرے آباواجداد کے جو مشرک تھے۔ ہمارا تمہارا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔" اور یہ آیت پڑھی۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ "قریب ہے کہ جانیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ پلٹیں گے، اور درہم برہم ہوں گے۔"

یزید امام زین العابدین کا کلام سنکر غصہ میں بھر گیا اور جلاد کو حکم دیا کہ باہر لے جا کر ان کو شہید کر دے حضرت امّ کلثوم نے فرمایا۔ اے پسرِ ہندہ کے پسر انکو قتل مت کر کہ دختران رسول اللہ کے ہمراہ سوائے ان کے کوئی محرم اب نہیں رہا اور حسب ذیل مضمون کا ایک شعر پڑھا۔ "اے میرے جد اور بہترین انبیاء میں تمکو پکارتی ہوں تمہارا حسینؑ قتل کیا گیا اور تمہاری نسل ضائع ہوئی۔" یزید نے جب یہ سنا جسم ہیبت سے کانپا اور حکم دیا کہ انکو چھوڑ دو اور امام زین العابدینؑ کو

بلاکر اپنے پہلو میں بٹھایا اور باتیں کرنے لگا۔ اس اثناء میں شام کا نقارہ بجا۔ پھر یزید نے کہا اے فرزند حسینؑ یہ میرے باپ کی نوبت ہے۔ تمہارے باپ کی نوبت کہاں ہے؟

امام زین العابدین نے فرمایا "ٹھہر جا جواب دیتا ہوں" ناگاہ نقارہ کی آواز بند ہوئی اور اذان کی آواز بلند ہوئی۔ حضرت امام نے فرمایا اے پسر یزید یہ میرے پدر اور جد کی نوبت ہے۔ تیرے باپ کی نوبت چند روزہ ہے اور ہماری نوبت قیامت تک قائم رہیگی۔" پسر یزید چپ ہو گیا۔ پھر یزید نے حضرت امام زین العابدین سے کہا کہ جو حاجت ہو بیان کیجئے۔ آپ نے فرمایا "شہداء کے سر مجھکو دیدے کہ میں ان کے جسموں کے ساتھ دفن کر دوں اور مجھکو اجازت دے کہ اہل بیت کو ہمراہ لیکر مدینہ منورہ جاؤں اور اپنے جدِ امجد کے جوار میں اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہوں اور فرمایا کہ کل جمعہ ہے مجھکو اجازت دے کہ کل خطبہ میں پڑھوں۔" یزید نے ان باتوں کو منظور کیا مگر دوسرے دن یزید نے دوسرے خطیب کو مقرر کر دیا۔ چنانچہ دوسرے دن یزید کا خطیب منبر پر کھڑا ہو کر ابوسفیان کی مدح بیان کرنے لگا۔ اور اولادِ حضرت ابو طالب کی مذمت کرنے لگا۔ اور یزید کا حق خلافت و امامت ثابت کرنے لگا حضرت امام زین العابدین نے آواز سے فرمایا "تو برا خطیب ہے تو نے دین کو دنیا سے بدل ڈالا ہے تو مخلوق کی رضامندی کیلئے ایسا کہتا ہے اور خدا کے غضب سے نہیں ڈرتا اشرار کی مدح کرتا ہے اور آلِ عبا کی مذمت کرتا ہے۔" اور یزید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "کل جو وعدہ کیا ہے پورا کر اور مجھکو اجازت دے کہ میں خطبہ پڑھوں جسمیں خدا اور رسول کی رضا ہے اور سامعین کو اس سے نفع پہنچنے والا ہے۔" اہل دمشق

نے بھی کہا کہ "اے یزید ہمکو تمنا ہے کہ حضرت امام کا کلام سنیں اور اہل حجاز کی فصاحت دیکھیں"۔ یزید نے کہا۔ "یہ مرد ہاشمی ہیں جو افصح العرب ہیں" غرض لوگوں کے اصرار سے یزید نے حضرت امام کو خطبہ کی اجازت دی۔

امام زین العابدین کا خطبہ

امام علیہ السلام منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ جلّ شانہٗ کی مدح و ثنا کی۔ اور فضائل نبوی بیان کئے ایسی فصاحت و بلاغت سے کہ سامعین کے دل میں زبردست اثر ہوا۔ اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا۔ "اے اہل شام جو مجھکو جانتا ہے جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا آگاہ ہو رسول اللہ کا میں فرزند ہوں۔ سید الانبیاء کا میں لڑکا ہوں۔ صاحب معراج کا میں فرزند ہوں۔ سردار یثرب و بطحیٰ یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا میں بیٹا ہوں۔ باب مدینۂ علوم نبوی کا میں پسر ہوں یعنی شیر خدا علی مرتضےٰ کا"۔ جس وقت امام عالی مقام فرماتے تھے۔ میں بیٹا ہوں فلاں کا۔ مسجد میں ایک شور برپا ہوتا تھا۔ غرض بعد تعریف آباؤ اجداد کے حضرت نے فرمایا۔ "میں فرزند ہوں سیدہ النساء عالمین کا۔ میں پسر ہوں لخت جگر رسول خدا فاطمہ زہرہ کا"۔ اور اسی سلسلہ میں فضائل حضرت سیدہ بیان کئے پھر فرمایا۔ "میں بھتیجا ہوں حسن مجتبےٰ کا۔ میں فرزند ہوں امام مظلوم سید الشہدا کا۔ میں بیٹا ہوں۔ قرۃ العین بن شہید کربلا کا"۔ حاضرین اور تمام اہل دمشق میں حضرت کے اس کلام سے ایک شور مچ گیا۔ یزید نے موذن سے کہا کہ اذان کہدے تاکہ امام عالی مقام کی تقریر ختم ہو۔ جب موذن نے اٹھ کر کہا اللہ اکبر۔ فرمایا سچ ہے کوئی اس سے بڑا نہیں ہے جب موذن نے کہا۔

أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ؕ

ابن رسول اللہ نے فرمایا سچ ہے۔ میرا خون۔ گوشت، پوست سب یہی گواہی دیتے ہیں۔ پھر موذن نے کہا۔

أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً الرَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ

امام نے عمامہ سر مبارک سے اتار لیا اور فرمایا اے موذن میں اسی رسول اللہ کی تجھ کو قسم دیتا ہوں ذرا ٹھہر جا۔ موذن ہیبت امام سے چُپ ہو گیا۔ ابن رسول اللہ نے یزید سے فرمایا۔ "اے یزید یہ رسول میرے جد تھے یا تیرے۔ اگر تو کہے گا کہ میرے جد تھے تو سب خلق خدا تجھ کو جھوٹا کہے گی۔ اور اگر کہے گا کہ تمہارے جد تھے تو تُو نے کیوں میرے باپ کے قتل کا حکم دیا جو بہترین اولاد رسول تھے کہ ظالموں نے ان کو قتل کیا اور زنان اہل بیت طہارت کو مثل قیدیوں کے شہر شہر پھرایا۔ اور میرے جد امجد کے دین متین میں رخنہ ڈالا اور باوجود اس کے پھر ان کا کلمہ پڑھتا ہے اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے۔" پھر امام عالی مقام نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے لوگو سوائے میرے اور کوئی تم میں ایسا ہے کہ جس کے جد رسول خدا ہوں۔" لوگ یہ کلام ہدایت سنکر اس درجہ روئے کہ بعض کو غش آ گیا۔ یزید نے موذن سے کہا کہ تکبیر کہدے نماز قائم ہوئی مگر تمام شہر میں امام کے ارشاد کا اثر پھیل گیا۔

پھر یزید نے قافلہ اہل بیت کو رخصت کیا۔ نعمان ابن بشیر (صحابی رسول اللہ) کو مع تیس سواروں کے ہمراہ کر دیا کہ حفاظت سے وطن پہنچا دیں۔ جب قافلہ اہل بیت دمشق سے روانہ ہوا اہل بیت نے نعمان ابن بشیر سے کہا کہ ہم کو کربلا کے راستے سے چلو تاکہ ہم سروں کو دفن کریں۔ اور تجدید عہد وہاں کریں۔ چنانچہ نعمان ابن بشیر اسی

طرف چلے۔

۲۰ صفر کو قافلۂ اہل بیت کربلا میں داخل ہوا۔ حضرت جابرؓ ابن عبداللہ انصاری سے اور اہل مدینہ سے وہاں ملاقات ہوئی۔ سب نے رسم تعزیت ادا کی۔ اس وقت مصائب عاشورہ تازہ ہوگئے۔ اور از سر نو قیامت قائم ہوگئی۔ پھر وہاں سے قافلہ وطن کی طرف روانہ ہوا۔

نعمان ابن بشیر نے اہل بیت کی بہت خدمت گذاری کی۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا حضرت ام کلثوم نے مدینہ منورہ کی طرف دیکھ کر گریہ کیا اور چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے ہمارے جد کے شہر ہمارے سامنے نہ آ۔ ہم حسرت کے ساتھ دل شکستہ آئے ہیں۔ جب ہم تجھ سے نکلے تھے سب اہل بیت ساتھ تھے۔ اب ایسی حالت سے واپس آئے ہیں کہ نہ ہمارے مرد ہیں نہ ہمارے بیٹے ہیں۔ جب ہم یہاں سے نکلے تھے سواریوں پر تھے۔ اب واپس اس حالت میں ہوئے ہیں کہ محتاج اور ناامید ہیں۔ جب ہم نکلے تھے ہم خدا کی امان میں تھے یعنی کچھ تکلیف نہ تھی۔ اب پلٹے ہیں اس صورت سے کہ کپڑوں میں پیوند لگے ہیں۔ اور محتاج ہیں۔ جاتے وقت حضرت حسینؑ ہمارے انیس تھے اب واپس آئے ہیں تو نہ حسینؑ ہیں نہ کوئی مددگار ہے۔ اب ہمارے واسطے راحت کہاں زینت حق زمین میں دفن ہوا۔ ہم غمزدہ اور تباہ حال ہیں۔ دل شکستہ ہیں۔ ہم حسینؑ پر نوحہ گر ہیں۔ بلاؤں پر بسر کرنے والے ہیں۔ خاموش بیٹھے روتے ہیں۔ اے ہمارے جد آگاہ ہو کہ حسینؑ قتل ہوئے۔ اے ہمارے باپ کسی نے تمہاری رعایت نہ کی۔ ہم سب کو بے پردہ اونٹوں پر سوار کیا۔ اور کوئی ہمارا مددگار نہ تھا۔ سکینہ گرمی اور

پیاس سے روتی تھی۔ اور کہتی تھی اے ہمارے بھائی ہمارے پاس آؤ۔ امام زین العابدین کو بھی قید کیا اور پھر قتل پر آمادہ ہوئے اور ہم سب کو شہر در شہر پھرایا یہ ہمارا قصۂ غم ہے"
روایت ہے کہ تمام اولاد مہاجرین و انصار چھوٹے بڑے مرد اور عورت سب کے سب روتے ہوئے استقبال کو نکلے جب امام مظلوم حضرت زین العابدین کو دیکھا تو کہرام مچ گیا اور راوی کہتا ہے کہ ایسا شور و فغاں کبھی مدینہ میں نہ ہوا تھا۔ جس وقت اہل بیت رسالت جناب سید عالم کے روضہ پر پہنچے ایک شور برپا ہوا ہر ایک کی زبان پر تھا۔

"وا محمداہ - وا سیداہ"

حضرت ام سلمہ حضرت فاطمہ صغرا بنت امام حسین کا ہاتھ پکڑے ہوئے حجرے سے برآمد ہوئیں۔ اہل بیت نبوت نے جب ام المومنین اور بنت سید الشہدا کو دیکھا گریہ و زاری اور بھی زیادہ ہوئی۔ حضرت ام سلمہ ہر ایک کو گلے سے لگاتی تھیں اور روتی تھیں۔ حضرت سید الساجدین امام زین العابدین اپنے جد امجد کے مزار پرانور پر حاضر ہوئے اور اشعار پُردرد پڑھے جنکا خلاصہ یہ ہے۔
"آگاہ ہو اے ہمارے جد میرے باپ بھوکے پیاسے قتل ہوئے انکے سر کو نیزہ پر چڑھایا جیسے چاند آسمان پر چمکتا ہے ہم سے لوگوں نے دشمنی کی اور ہمارے خیمے لوٹ لئے۔ اسباب چھین لیا ہمکو اونٹوں پر سوار کیا۔ بغیر پردہ یورپ چھم کے شہروں میں ہم کو پھرایا اور ہماری توہین کی ہم کو یزید کے پاس دمشق میں لے گئے۔ اس کے سامنے کھڑا کیا۔ اس نے ہم سے کہا ہم اپنے مقصد کو پہنچے تمہارے باپ کے قتل ہونے سے اور پھر وہ میرے قتل پر آمادہ ہوا کہ ہماری نسل ختم کر دے کہ میری پھوپھی اس وقت روتی ہوئی

اٹھیں جو لوگ یزید کے پاس تھے انھوں نے کہا اُن کو چھوڑ دے یہ بیمار ہیں اے ہمارے جد کل قیامت کے دن ہمارا حق اُس سے لینا وہ یعنی یزید ایسا ظالم ہے کہ امور کے فیصلہ کے وقت حرام کو حلال کر لیتا ہے۔ اس نے اہل بیت نبوت کے خون کو مباح کر رکھا ہے اور آل محمدؐ سے انتقام لیتا ہے۔ ان پر تلوار چلاتا ہے یا اللہ ان کے فعل بد کا اُن سے بدلہ لینا بظاہر اہلِ بیت نبوت نے بڑے سخت مظالم اٹھائے مگر اولادِ امجاد نبی کریمؐ کو اس سفر میں بہت فتوحات باطنی اور قرب خدا کے درجات عالیہ حاصل ہوئے اور راحت ابدی میسر ہوئی۔ اس امتحان کی کسوٹی سے نکل کر رضا و تسلیم کے مقام پر فائز ہوئے مرتبہ عشق الٰہی میں بلند ترین مقام پر سرفراز ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے اہل عالم پر ان کی قدر و منزلت واضح فرمادی۔

اب ہم اس عنوان کو بارگاہِ امام عالی مقام میں ایک منقبت پیش کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

تمہاری ہمت، تمہاری جرأت۔ تمہارا غزوہ نجات ملت
تمہارا کردار کعبہ رہا ہے۔ تمہاری سنت۔ حیاتِ ملت
تمہارے نقش قدم کے صدقہ۔ تمہارے نقشِ قدم کے قرباں
کہ اُس سے بچنا اور اُس سے ہٹنا۔ مماتِ امت۔ مماتِ ملت
وہ خون سے اپنے وضو تمہارا وہ خوں میں تر ہو کے سجدۂ عشق
وہ سب دائیں صلوٰۃِ امت، وہ سب دائیں رکعاتِ ملت
وہ کربلا کے تمام خطبے۔ وہ کربلا کی تمام باتیں
وہ لفظ سارے۔ حروف سارے نکاتِ امت۔ نکاتِ ملت
تمہارا رُخ جس طرف وہ کعبہ۔ تمہارا منہ جس طرف وُہ قبلہ

تمہاری سمتیں، تمہاری طرفیں، ہمارے حق میں جہاتِ ملّت
وہ راہِ حق میں۔ وہ قولِ حق پر۔ تمہارا چلنا۔ تمہارا بڑھنا
اسی میں مضمر ہیں ساری باتیں۔ قیامِ اُمّت۔ ثباتِ ملّت
تمہارے اخلاق۔ خلقِ احمدؐ۔ تمہارے اوصاف۔ وصفِ زہرہؑ
حسنؑ کی خصلت۔ علی کی سج دھج، وہ سب ادائیں صفاتِ ملّت
تمہاری مدحت۔ تمہاری سالک۔ یہ سب تمہارے وہ خود تمہارا
یہ پنجتن ہیں۔ یہ انکا صدقہ۔ کہ چل رہی ہے حیاتِ ملّت

شاہ کارِ حسینؑ پر ایک عمیق تبصرہ

شاہ کارِ حسین۔ شاہکارِ رسالت کی شکل میں

فتحِ حسین احیاءِ دینِ متین کی شکل میں

اگر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کو جناب امام علیہ السلام کے حالات اور واقعات کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھیں تو دونوں میں بڑی مشابہت محسوس ہوتی ہے۔ نیز واقعات ظاہری اور واردات باطنی امورِ انسانی اور کنایہ الٰہی بھی باہم اسی طرح مطابق نظر آتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کمالاتِ نبوی کا مظہرِ اتم معلوم ہوتے ہیں۔ پھر یوم عاشورہ کے دل دوز اور سینہ سوز مراحل کو عبور کرنے کے بعد لمحہ شہادت کے آتے آتے مقام عینیت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ دوست اس کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی کہتا ہے۔ دشمن مشاہدہ کرتا ہے اور یہی کہتا ہے اور یہی نہیں بلکہ امت کے اکابر بھی یہی کہتے ہیں اور خود نتیجہ شاہکار بھی زبانِ حال سے یہی کہتا ہے کہ اس وقت جناب حسینؑ بصورت محمدیؐ مقام محمدیؐ پر تھے۔

اب ہم ان حالات اور واقعات کو حسب ذیل سرخیوں میں تقسیم کر کے اُن پر ایک نگر مندانہ نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔ حالات اور واقعاتِ رسالت کی مشابہت حالات و واقعاتِ حسینؑ کے ساتھ اور نتیجہ کی ہم آہنگی۔

۲۔ محاسنِ اخلاق میں رسولؐ اور فرزندِ رسول کی مطابقت

۳۔ اعدائے رسولؐ اور اعدائے حسینؑ کی مشابہت۔

۴۔ اصحابِ رسولؐ اور اصحاب حسینؑ کی مشابہت۔

۵۔ جنابِ رسالت مآب اور جناب حسینؑ کے قلوب میں الفت کی فراوانیاں یاد رفتگاں کی شکل میں۔

۶۔ جناب حسینؑ کمالاتِ نبوی کی شبیہ تامہ اور مظہر اتم ہیں اور مقام عینیت پر فائز ہیں۔

حالاتِ واقعاتِ رسالت اور حالاتِ واقعاتِ حسینؓ اور نتیجہ کی ہم آہنگی

۱۔ حضورؐ کے سامنے بعثت سے پیشتر تمام مکہ میں کفر و شرک اور فسق و فجور کا ماحول تھا اور حضور سوسائٹی کی زبوں حالی پر کچھ عرصہ خاموشی سے غور و فکر فرماتے رہے۔ اور ملال کرتے رہے مگر کبھی ان کی مراسم میں آپ نے شرکت نہ فرمائی حضرت امام حسین نے یزید اور یزیدی ماحول اور اس کے گروہ کے فسق و فجور کا اپنی مدینہ کی زندگی میں اسی طرح خاموش مشاہدہ فرمایا اور حالات افسوس کے ساتھ سنے اور غور و فکر کرتے رہے مگر ان کے معاملات میں کبھی شرکت نہیں کی۔

۲۔ غور و فکر کے لمحات میں حضور کے سامنے غارِ حراء میں جبرئیل نے آکر پہلی وحی پہنچائی اور حضور نے تدریجی طور پر اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے اقدامات کا آغاز فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی واقعات صعب پیش آنے لگے۔ حضرت امام حسینؓ بھی یزیدی حالات پر غور کرتے رہے حتےٰ کہ حضور کے روضہ اقدس پر ایک روز حاضر ہوئے صلوٰۃ وسلام عرض کرکے تمام حالات عرض کئے۔ وہیں روضۂ اقدس میں اسی غور و فکر میں بیٹھ گئے کچھ غنودگی تاری ہوئی۔ خواب میں سیّد الانبیاء کی زیارت ہوئی اور حضور نے جو کچھ فرمایا

اس کا خلاصہ یہ ہے عنقریب تم کو واقعاتِ صعب پیش آئیں گے شہادت کا واقعہ پیش آنے والا ہے اور تمہیں اسکے لئے آمادہ رہنا چاہیئے۔ جو مراتب خاص تمہارے لئے ہیں وہ بدون شہادت نہیں مل سکتے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؓ اس پیام پر عمل کرنے کیلئے اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے آمادہ ہو گئے۔

۳۔ حضور نے کفارِ مکہ کی اذیت پر تا دیر صبر کیا اور شدتِ آزار کے بعد جب دشمنوں نے قتل کر دینے کا منصوبہ کیا تو حضور نے ہجرت فرمائی اور مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے روانگی شب میں رازدارانہ طور پر ہوئی اسلئے کہ دشمنوں کی مزاحمت کا خطرہ تھا۔

حضرت امام حسینؓ کو امیر شام کے حکم پر مروان نے مدینہ میں پہلی مرتبہ بیعت کی تکلیف دینی چاہی۔ حضرت امام حسینؓ اسے قبول نہیں کر سکتے تھے اسلئے اذیت اور آزار کا آغاز ہوا۔ آپ نے صبر سے تا دیر اسے برداشت کیا۔ دوبارہ امیر شام خود وارد مدینہ ہوئے حضرت امام حسینؓ سے تنبیہ کے لب و لہجہ میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے یہ بھی صبر سے برداشت کیا۔ مگر یزید کی بیعت سے انکار ہی کرتے رہے۔ اسکے بعد یزید کے برسرِ اقتدار آجانے پر پھر مروان اور ولید نے یزید کے حکم سے حضرت امام حسینؓ کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنا چاہا۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر مروان نے ولید کو حضرت امام حسینؓ کے قتل کا مشورہ بھی دیا۔ غرض نوبت کی دس بھر بار پر حضرت امام حسینؓ نے حضور کی طرح ہجرت فرمائی اور مدینہ سے مکے چلے آئے۔ اور اپنے جدِ امجد کی سنت پر عمل کیا سفر بھی وہی ہے اور مسافت کی مقدار بھی وہی ہے۔

۴۔ ہجرت کے وقت مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کا راستہ حضور کے لئے پُر خطر تھا۔ کفار جو پیچھے لگے ہوئے تھے انمیں سے سراقہ وغیرہ نے حضور کو راستہ میں پا بھی لیا تھا مگر مقابلہ

آرائی سے باز رہا اور تائب ہوا۔ حضرت امام حسینؑ کا راستہ بھی مکہ سے کوفہ تک پُرخطر تھا دشمن کوفہ سے آپکی جستجو میں چل پڑے تھے اور جب آپ منزل ثعلبہ پر پہنچے تو دشمن کی ناکہ بندی محسوس ہوئی۔ آخر حُر نے راستہ میں آکر گھیر لیا مگر اس جگہ مقابلہ آرائی نہ ہوئی بلکہ سراقہ کی طرح میدان کربلا میں حضرت حُر بھی تائب ہوئے اور جس طرح حضور نے سراقہ کا قصور معاف فرمایا تھا ٹھیک اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے بھی حضرت حُر کا قصور معاف فرمایا اور سنت رسول پر عمل کیا۔

(۵) حضورؐ کے سامنے مدینہ طیبہ کی زندگی میں اعدائے دین کی طرف سے جنگی ماحول پیش آتے رہے جنگ بدر جنگ اُحد۔ احزاب یعنی جنگ خندق وغیرہ برپا ہوئیں۔ جنگ خندق کا وقت ایسا نازک تھا کہ مدینہ منورہ میں مشورہ ہوا۔ اور مدینہ کے ایک سمت خندق کھودی گئی۔ تاکہ اس سمت سے دشمن کی رکاوٹ ہو سکے اس موقعہ پر مدینہ طیبہ میں رسد کی کمی تھی۔ اُحد میں حضورؐ مجروح بھی ہوئے تھے اس وقت تشنگی بھی محسوس ہوئی تھی۔ حضرت علی ایک برساتی ذخیرہ سے پانی بھی لائے۔ مگر حضورؐ وہ برساتی پانی نہ پی سکے۔ حضرت امام حسینؑ کو بھی کربلا میں ایک جنگی ماحول پیش آیا۔ خندق بھی کھودنی پڑی۔ رسد کی کمی کے ساتھ پانی تک میسر نہ تھا خود آپ نے جس وقت بہ نفس نفیس جہاد کرتے ہوئے دریائے فرات (یہ بھی برساتی ذخیرہ آب تھا) میں گھوڑا ڈالا۔ پانی ہاتھ میں لیا اور پھینکدیا۔ غرض جس طرح حضور نے احد میں پانی نوش نہ فرمایا حضرت امام حسینؑ نے بھی پانی نوش نہ فرمایا۔ لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی تشنگی کو یاد کر کے آپ نے تنہا پانی پینا مروت سے بعید سمجھا ہوگا۔ کنایات الٰہی اور الہام الٰہی سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو حضورؐ کی سنت کا خیال آیا ہو کہ حضور نے اُحد کے دن پانی نہ پیا تو میں کیوں پانی پی لوں۔

۶۔ اعداء دین کے مقابلہ میں حضورؐ نے قلت سے کثرت کا مقابلہ کیا۔ بے سروسامانی

کے حالات میں اُن سے مقابلہ کیا جن کے پاس سر و سامان کی افراط تھی۔ امرِ حق میں حضور نے زبردست ثبات اور استقلال کا ثبوت دیا اور ان مصائب کے باوجود اعلاءِ کلمۃ الحق جاری رکھا۔ ۶۔ عظمت جاری رہی خطبات جاری رہے

اعداءِ دین کے مقابلہ میں حضرت امام حسین نے بھی قلت سے کثرت کا مقابلہ کیا۔ بے سر و سامانی کے حالات میں جن سے مقابلہ آرائی ہوئی ۔ وہ سر و سامان کی افراط رکھتے تھے ۔۔ امرِ حق پر قائم رہنے میں زبردست ثبات اور استقلال کا ثبوت دیا ۔ وہاں اعدا کو لات و ہبل کی پچ تھی ۔ یہاں اعدا کو یزید کے بتِ پندار کی حمایت مقصود تھی مگر امام حسین نے اس ثبات اور پامردی کا ثبوت دیا کہ باید و شاید اور ان جملہ مصائب کے باوجود اعلاءِ کلمۃ الحق کرتے رہے۔ حضرت امام حسین کے خطباتِ کربلا کتابوں میں منقول ہیں جو پُر از ہدایت ہیں۔ امام طبری نے ان کو نقل کیا ہے ہمارے تذکرہ میں بھی ان کا ذکر آچکا ہے یہ خطبات میدانِ جنگ میں آغازِ جنگ سے پیشتر بھی ہوئے اور ہزاروں برہنہ شمشیروں کے سایہ میں انجام پائے ۔ دشمن کی طرف سے تیر بھی اسی طرح آتے رہے جس طرح اُحد اور طائف میں اعداء نے حضور پر تیر باری اور سنگ باری کی تھی۔

۷ ۔ حضور کے مکی زندگی میں اذیت کی بھر مار میں یہ بھی کہا جاتا تھا کہ آپ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں اس تحریک کو چھوڑ دیں پھر ہم آپ کو اذیت ہی نہ دیں گے بلکہ جو حکم آپ دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے ۔ یعنی اگر آپ چاہیں کہ آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیا جائے تو ہم اس کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ اگر دولت طلب فرمائینگے تو اس سے دریغ نہ کرینگے مگر آپ نے ان سب باتوں کو مسترد کیا اور اعلاءِ کلمۃ الحق جاری رکھا۔

حضرت امام حسینؑ کو بھی اذیت کی بھرمار کے دوران میں یہ کہا گیا تھا کہ آپ یزید کی

بیعت کر لیں تو پھر ہم آپ کو کوئی اذیت نہ دیں گے بلکہ امیر شام نے مکہ کی ملاقات میں یہ بھی کہا تھا کہ اقتدار آپ ہی کا ہوگا۔ یزید برائے نام خلیفہ رہیگا۔ گرانقدر تحائف بھی پیش کیے تھے مگر آپ نے بھی ان سب چیزوں کو مسترد کیا اور اعلاء کلمتہ الحق پر قائم رہے اسی ملاقات میں آپ نے باپ کے سامنے ان کے بیٹے یزید کے فسق و فجور کا ذکر کیا اور اس کی خلافت کیلئے نا اہلیت ثابت کی اور یہ وہ سچی بات تھی جس کے اظہار کی جرأت کسی اور میں نہ تھی۔

۸۔ حضور نے اعداء کی ایذا رسانی پر خوں ریزی سے اجتناب کیا تھا مکی زندگی کا پورا دور اس کا شاہد ہے۔ مدینہ کی زندگی میں بھی خون ریزی سے اجتناب کیا حتیٰ کہ روز بدر میدان جنگ میں اقدام جنگ بھی اہل کفر کی طرف سے ہوا۔

حضرت امام حسین نے بھی تا دیر خوں ریزی سے اجتناب کیا مروان نے مدینہ میں قتل کی دھمکی دی تھی۔ تلوار وہاں چل سکتی تھی۔ امیر شام نے حرم کعبہ میں بیعت یزید کے لئے جو تقریر کی تھی اس پر ان کے دستۂ فوج نے تلواریں نکال کر کہا تھا کہ اگر حسین یہاں یزید کی بیعت کرتے ہیں تو خیر ورنہ ہم ان کو بھی (معاذ اللہ) قتل کر دیتے ہیں مگر حضرت امام حسین نے صبر سے کام لیا اور تلوار نیام سے نہ نکالی۔ اسی طرح میدان کربلا میں ایک دشمن کے طعن پر حضرت مسلم ابن عوسجہ نے اس کو تیر مارنا چاہا تھا مگر آپ نے یہ کہہ کر روک دیا تھا۔

لَا تَرْمِهِ فَاِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اَبْدَاَهُمْ بِقِتَالٍ ط

یعنی "اسے تیر نہ مارو اس لئے کہ میں اس سے کراہت کرتا ہوں کہ جنگ کی ابتدا میری طرف سے ہو۔"

۹۔ ہجرت کے موقعہ پر حضورؐ کی سواری مدینہ طیبہ میں داخل ہوئی تو بیت سے صحابہ نے حضورؐ کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی۔ حضورؐ نے فرمایا میری سواری جہاں خود ٹھہر جائیگی میں وہاں قیام کرونگا چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچکر حضورؐ کی سواری حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے آگے خود بخود ٹھہری۔ گویا سواری مامور من اللہ تھی اور من جانب اللہ وہ حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے سامنے ٹھہری اور حضورؐ نے وہیں قیام کیا۔

حضرت امام حسینؑ کی سواری بھی مامور من اللہ تھی۔ کربلا کے میدان میں آکر خود بخود ٹھہری اور پھر آگے نہ بڑھی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے بھی اسی مقام پر قیام کیا۔

۱۰۔ حضورؐ نے مدینہ پہنچکر مسجد نبوی کے لئے زمین خریدنا چاہی لوگوں نے بطور نذر پیش کرنا چاہا مگر حضورؐ نے اسے بطور نذر قبول نہیں کیا بلکہ خرید کر مالکوں کو قیمت ادا کی۔ مسجد کی تعمیر ہوئی یہ بھی ظاہر ہے کہ مسجد وقف ہوتی ہے۔

حضرت امام حسین نے بھی کربلا پہنچکر قیام گاہ کی زمین خریدنے کے لئے زمین کے مالکوں کو طلب کیا۔ قریہ کے لوگ آئے۔ انہوں نے بطور نذر یہ زمین دینی چاہی مگر آپ نے بطور نذر قبول نہ کی۔ بلکہ زمین کو خرید کر مالکوں کو قیمت ادا کر دی۔ اور پھر اسے وقف کر دیا اور فرمایا اس زمین میں ہمارے مزارات قائم ہونگے۔ ہماری زیارت کرنے والے آئینگے پھر اس زمین کے سابقہ مالکوں سے کہا کہ ہمارے زائرین سے جو تمکو نذر وصول ہو وہ تمہاری ہے۔

۱۱۔ غرض حضورؐ کے ساتھ اعداء دین نے جنگ و جدل جاری رکھا حتیٰ کہ صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ چونکہ حضورؐ کو امن قائم کرنا پسند تھا۔ صلح کی بعض شرائط ایسی تھیں جو بظاہر دبی ہوئی تھیں مگر قیام امن کے لئے ان کو منظور کیا بعض صحابہ حیران تھے کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہم دب کر کیوں صلح کریں۔ مگر وحی الہیٰ آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین سے تعبیر کیا۔

اور نتیجہ کے طور پر یہ فتح مبین ہی ثابت ہوئی۔ آیۂ پاک کے الفاظ یہ ہیں۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ط

جناب حسینؑ اگرچہ کربلا میں شہید ہو گئے مگر جناب حسینؑ کا شاہ کار کربلا نتیجہ کے لحاظ سے صلح حدیبیہ کی طرح فتح مبین ہی ثابت ہوا۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کی طرح ابتداء میں واقعات کا ظاہری پہلو لوگوں کو فتح مبین نہ معلوم ہوا۔ مگر حقیقت میں واقعات کے دور رس نتائج زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ فی الحقیقت یہ صلح حدیبیہ بھی فتح مبین تھی اور واقعہ کربلا بھی فتح مبین تھا۔ ہم تفصیلاً ان واقعات کو بیان کرنے والے ہیں۔ مگر اجمالاً بھی ہر ایک اہل بصیرت نے یہی کہا۔ ایک مشہور شعر زبان زد عام و خاص ہے اور وہ اسی امر کی خبر دیتا ہے

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے۔ ہر کربلا کے بعد

صلح حدیبیہ کے دور رس نتائج

حضورؐ کی تعلیمات سے عرب منور ہوتا جا رہا تھا۔ لوگ اپنے اپنے مقام پر تعلیماتِ نبوی کی شہرت کے سبب باخبر بھی تھے اور مائل بہ اسلام بھی تھے۔ مگر جنگ و جدال کے سبب دانستہ پرخطر تھے۔ کفارِ مکہ کی شورشوں سے بھی ڈرتے تھے۔ بارگاہِ نبوی کی حاضری میسر نہ ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے زیرِ اثر فضا پرامن ہو گئی تو مختلف مقامات سے وفود پر وفود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے شروع ہو گئے بڑے جذب و کیف کے ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں یہ لوگ آتے تھے اور مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور حضور کی شفقتوں سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی ایک شرط کے تحت یہ بھی ایک صورت تھی کہ کفارِ مکہ کا کوئی آدمی مسلمانوں میں آنکلتا تو واپس کر دیا جاتا مگر کوئی مسلمان کفارِ مکہ کے ماحول میں جا پھنستا تو واپس نہیں کیا جاتا تھا۔ اسکے اثرات باطنی یہ ہوئے کہ مسلمانوں میں سے جب کوئی انکا

آدمی لوٹا یا جاتا تو وہ صحبتِ نبوی کے سبب یہاں کے اخلاق، محاسن اور ذوقِ عبادت سے مکیف ہو کر جاتا تھا اور کفارِ مکہ کیلئے یہ ایک قابلِ حیرت نمونہ ہوتا تھا ادھر جو پختہ کار مسلمان کفارِ مکہ میں جا کر گھر جاتا تو وہ آئینہ اخلاقِ نبوی ہونے کے سبب ان کے لئے ایک عجیب حیرت انگیز نمونہ ہوتا۔ ان اثرات سے بھی سینکڑوں کفارِ مکہ خود بھی مائل اسلام ہوتے جاتے تھے۔ دنیاوی ہوا و ہوس اور جنگ کی فضا میں کفارِ مکہ کے دل اور دماغ میں امرِ حق کے سمجھنے کے لئے پُرسکون مواقع نہ تھے اب فضا کے پُرامن ہوتے ہی امرِ حق سمجھ میں آنے لگا۔ حضرت عمرِ عاص اور حضرت خالد بن ولید اسی فضا میں مائل بہ اسلام ہوئے اور مدینہ طیبہ میں آ کر قبول اسلام کیا۔ راستہ میں ایک نے دوسرے سے یہی کہا تھا کہ امرِ حق کو کب تک جھٹلائیں۔ آخر کار ایک موقعہ پر کفارِ مکہ نے صلح حدیبیہ کی شرائط توڑ دیں اس کی پاداش میں حضورؐ کے ہمراہ دس ہزار کی جمعیت مدینہ سے چلی اور مکہ فتح ہو گیا اور چشمِ ظاہر نے بھی دیکھ لیا کہ فتح مبین سامنے آ گئی۔ پھر غزوہ حُنین نے اس فتح کو اور مستحکم کر دیا۔

واقعہ کربلا کے دُور رس نتائج اور اس کا فتح مبین ہونا

ٹھیک یہی حال واقعہ کربلا کا ہوا جو جماعت دنیا کی ہوا و ہوس کے سبب یزید کی ہمنوا تھی۔ جنگِ کربلا کی فضا میں اپنی شوریدہ سری کے سبب امرِ حق کو نہ سمجھ سکی لیکن جب حضرت حسینؓ اور آپ کے گروہِ قدسی نے امرِ حق پر اپنے فقید المثال ثبات استقلال اور پامردی سے واقعہ کربلا کے مصائب کو عبور کر لیا۔ اور جنگ ختم ہو گئی تو میدانِ کربلا ہی میں یہ واقعات پیش آنے لگے کہ بعض لوگ اپنے کئے پر پشیمان تھے اور روتے تھے اور اس امرِ حق کو جسکو حضرت امام حسینؓ نے پیش کیا تھا اور جس کے لئے متعدد خطبات دئے تھے

وہ امرِ حق اور وہ خطبات بھی یاد آئے۔ حضرت حسینؑ کا احتجاج بھی یاد آیا۔ اور امرِ حق اس طرح سمجھ میں آگیا کہ یہ لوگ اپنے کئے کی تلافی چاہنے لگے اور یہ تغیر اس درجہ ہوا کہ ایک ایک کنبہ کی خانگی فضا بدل گئی تھی۔ یزید کو ملامت کرنے والے بھی پیدا ہو گئے تھے۔ خود اس کا لڑکا اس سے متنفر تھا۔ ابن زیاد کو خود اسکی ماں نے یہ کہا کہ "کم بخت یہ تو نے کیا کیا۔ اب تو یقیناً روئے بہشت نہ دیکھے گا۔" خولی اصبحی کی بیوی نے اسے ملامت کی۔ عمر سعد کو اسکے اقربا ملامت کرتے تھے۔ اور ہر ایک کا دل ہر ایک کو ملامت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک گروہ انہیں کربلا کے اعداء حسینی میں توبہ کرنے والوں کا پیدا ہو گیا اور وہ "توابین" کے نام سے پکارا جاتا تھا یہ لوگ روتے تھے۔ توبہ کرتے تھے اور پھر آپس میں کہتے تھے کہ یہ گناہ معاف نہ ہو گا۔ بڑا گناہ سرزد ہوا۔ آخر ایک روز یہ لوگ جمع ہوئے اور کہا کہ کیوں نہ ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ آخر یہ مشورہ طے ہوا کہ اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ہم متحد ہو کر ایک شخص کو اپنا امیر بنا لیں اور وہ اعداء حسین جو ہنوز عداوت پر قائم ہیں ان کو قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ سلیمان بن صرد خزاعی کو امیر بنایا گیا اور وہ "امیر التوابین" کے نام سے مشہور ہوئے سامانِ جنگ کی فراہمی کے لئے یہ طے ہوا کہ اپنے گروہ کی زکوٰۃ فراہم کی جائے اور اس کی وصولی کے لئے ایک افسر مقرر ہو تا کہ جب اس کے پاس کافی سرمایہ ہو جائے تو جنگ کے لئے ضروری سامان حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ان مراحل کے انجام پانے کے بعد ان لوگوں نے خیال کیا کہ آیا آغاز کار کوفہ سے ہو یا بصرہ سے۔ یہ خیال کر کے کہ یزید کے حکم سے ابن زیاد نے بصرہ سے آ کر واقعۂ کربلا برپا کیا تھا انہوں نے اپنی مہم کا آغاز بصرہ سے کیا اور نہایت درجہ کشت و خون برپا ہوا جسمیں ہزاروں ظالم جو کربلا میں خونِ حسینؑ کے جرم کے مرتکب تھے قتل ہوئے۔

اس کے بعد مختار بن ابوعبیدہ نے کوفہ پر تسلط جمانے کی فکر کی۔ یہ ان دنوں حضرت عبداللہ ابن زبیر کے پاس مکہ میں تھے۔ واقعات کربلا سے متاثر ہوکر انہوں نے دل میں ٹھانا کہ اگر کوفہ میں اقتدار حاصل ہو گیا تو میں خون حسین کا انتقام ان ظالموں سے لونگا چنانچہ یہ مکہ سے کوفہ کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک شخص کوفہ سے آتا ہوا ملا۔ اس سے پوچھا اہل کوفہ کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ اہل کوفہ اس دور انتشار میں گلہ بے شباں کی مانند ہو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ میں اس گلہ کا چرواہا بنتا ہوں۔ راستے میں کربلا سے گذرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے مزار اقدس سے لپٹ کر بہت روئے اور کہا کہ "اے امام حسینؑ اگر آپکی دعا سے اہل کوفہ پر مجھے اقتدار حاصل ہوا تو میں آپ کے اعداء سے آپ کے خون کا انتقام لوں گا۔ غرض کوفہ میں انکو غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے وہاں چن چن کر اعداء حسین کو قتل کیا۔ عمر سعد بھی قتل ہوا۔ ابن زیاد بھی قتل ہوا جو اسی وقت بصرہ سے ان کے مقابلہ کیلئے آیا تھا اور آسمان و زمین نے دیکھا کہ جس طرح حضرت حسین کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس لاکر رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ابن زیاد کا نجس سر مختار کے سامنے لاکر رکھا گیا اور اسی دارالامارت میں رکھا گیا ادھر اہل مدینہ نے بھی یزید کی بیعت کو توڑا اور اپنا امیر منتخب کیا اہل مکہ شروع سے یزید سے برگشتہ تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر ان کے امیر تھے۔

غرض ہر چہار طرف احتجاج حسینی بلند آہنگی سے اپنے اثرات دکھا رہا تھا اس لئے کہ اب خون حسینی نے دلوں کو گرما دیا تھا۔ اور اس بزدلی کو دلوں سے نکال دیا تھا جس کے زیر اثر ان کے تذبذب بیٹھے جا رہے تھے۔ اب واقعہ کربلا کے بعد ردعمل ہو رہا تھا اور احتجاج حسینی اپنی ضیا پاشیاں کر رہا تھا حتیٰ کہ یزید بُرے حال سے ان

ناکامیوں کو دیکھتا ہوا مرگیا اور داخلِ جہنم ہوا۔ یزید کے بیٹے نے حضرت حسین کے احتجاج کے زیرِ اثر اس حکومت کو قبول نہ کیا اور حکومت ابوسفیان کے خاندان سے نکل کر بنی حکم کی شاخ میں منتقل ہوگئی۔ یزید کے خلاف عام طور پر دلوں میں نفرت بیٹھ گئی۔ عبدالملک کا زمانہ آتے آتے مملکت کے چار ٹکڑے ہوگئے۔

(۱) مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کی حکومت تھی

(۲) بصرہ میں مصعب ابن زبیر حکمران تھے۔

(۳) کوفہ میں مختار بسیر بوعبیدہ فرمانروا تھے

(۴) دمشق میں عبدالملک تھا۔

یہ تمام حالات اسی طرح احتجاج حسینی کے اثرات سے تھے کہ یزید کی حیثیت ظاہری طور پر بھی بدل گئی تھی یعنی وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے ظاہر ہو کر بے دینی کو پھیلانا چاہتا تھا اور شیطنت جبہ و دستار میں رونما ہونا چاہتی تھی اسکے قول و فعل سے دینِ خالص میں خلط مبحث کا اندیشہ تھا مگر اب یزید کی حیثیت ایک ظالم اور غاصب اور بے دین کی حیثیت تھی اور اسی نظر سے اس کے تمام کاموں کو دیکھا جارہا تھا اور اسی لئے اس کا استیصال کیا جارہا تھا اور فی الحقیقت استیصال ہوگیا۔ اور اب دینِ خالص میں اس کا قول و فعل کوئی خلطِ مبحث پیدا کرنے کے قابل نہ رہا بلکہ قابلِ نفرت ہوگیا۔

دینداری کا ماحول از سرِ نو پیدا ہوا اور ظاہری طور پر بھی وہ وقت آ ہی گیا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز جیسے متقی اور پرہیزگار انسان کو خلیفہ رسول منتخب کیا گیا اور اللہ اور رسول کی امرت از سرِ نو قائم ہو دئی۔ قرآن اور سنت کی روشنی میں امور حل ہونے لگے۔ یہی حضرت حسین کا منشا تھا۔ اور الحمدللہ وہ پورا ہوا۔ یہی وہ فتح حسینی ہے جسے ہم

ہم یقیناً فتح مبین کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں۔ اور اسی لئے حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرماتے ہیں ؎

شاہ است حسینؓ ، بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ و دین پناہ است حسینؓ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

محاسنِ اخلاق میں رسولؐ اور فرزندِ رسولؐ کی مطابقت

اخلاق کے عنوان پر حسبِ ذیل سرخیوں کی روشنی میں ایک نظر ڈالیئے۔

۱۔ اہلِ خانہ کے ساتھ اخلاق

۲۔ احباب کے ساتھ اخلاق

۳۔ اعداء کے ساتھ اخلاق

۴۔ منافقین کے ساتھ اخلاق

(۱) جناب سیدہؑ۔ جناب حسنینؑ اور جناب علی مرتضیٰؑ کے ساتھ حضورؐ کے اخلاق یاد کیجئے اور اس عنوان کے تحت جو واقعات مختصراً ہم لکھ آئے ہیں انکا ایک ذہنی اعادہ کر لیجئے اور جناب امام حسینؑ کے اخلاق پر نظر ڈالیئے آپ دیکھیں گے جناب امام حسینؑ کو جناب سکینہؑ اور جناب فاطمہ کبریٰؑ اور جناب فاطمہ صغراؑ کے ساتھ ایسی ہی محبت ہے جیسے حضورؐ کو جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کے ساتھ تھی۔ حضورؐ جناب سیدہ سے سفر کو جاتے ہوئے آخر میں ملتے تھے۔ جناب حسینؑ نے اپنے آخری بار خیمہ سے رخصت ہوتے وقت سب سے آخر میں حضرت سکینہؑ کو جن پر درد الفاظ کے ساتھ رخصت کیا وہ یہ ہیں ہر

"اے سکینہ! آ کہ تجھے میں آخری بار اس طرح رخصت کر دیں جس طرح مرنے والا رخصت کرتا ہے۔" اقتضائے محبت سے جناب علی اصغر کی پیاس کو آپ نہ دیکھ سکے اور آغوش میں لیکر میدان جنگ میں آئے اور اعداء دین سے اُن کی تشنگی کا ذکر کر کے اُن کے لئے پانی طلب کیا۔ مگر اعداء دین نے پانی نہ دیا۔ حضرت امام علی اکبرؓ کو جہاد پر روانہ کرتے ہوئے بڑی محبت و شفقت سے اپنے ہاتھ سے ہتھیار پہنائے جس طرح حضور نے غزوۂ احزاب میں اپنے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ حضرت حسین حضرت علی عباس سے بالکل اس طرح محبت فرماتے تھے جس طرح حضور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت فرماتے تھے۔ اور حضرت عباس بھی بھائی ہونے کے باوجود وہی رسم نیاز رکھتے تھے جو رسم نیاز حضرت علی کرم اللہ وجہہ جناب رسالت مآب کے ساتھ رکھتے تھے۔ حضرت علی نے حضور کو کبھی بھائی کہہ کر مخاطب نہ کیا۔ ہمیشہ یا رسول اللہ کہکر مخاطب کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عباس کا معاملہ تھا۔ بھائی ہوتے ہوئے کبھی حضرت امام حسینؓ کو بھائی نہ کہا بلکہ ابن رسول اللہ اور فرزند رسول ہی کے لقب سے یاد کیا حضرت امام حسین کے لئے حضرت عباس اسی طرح قوتِ بازو تھے جس طرح حضرت علی حضور کے لئے قوتِ بازو بنے رہے۔ چنانچہ حضرت امام حسین نے حضرت عباس کی شہادت پر جو جملہ فرمایا وہ یہ تھا۔

اَلْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِيْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِيْ

یعنی "اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور اب میری تدبیریں ختم ہو گئیں"۔

(۲) جس طرح حضور اپنے اصحاب کے ساتھ شفقت فرماتے تھے حضرت امام حسین بھی اپنے احباب کے ساتھ اسی طرح شفقت فرماتے رہے غزوۂ احد میں حضرت زیاد

بن سکن نے حضور پر مع پانچ انصاریوں کے اس طرح جان دیدی کہ حضور پر اس نوعیت
اس وقت تک کوئی آنچ نہ آئی۔ ان کا یہ شرف ہوا کہ حضور نے فرمایا زیاد کا جنازہ لایا
جائے۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو لاکر حضور کے سامنے لٹا دیا۔ ایک رمق جان باقی تھی
گھسٹکر حضور کے قدم پر سر رکھ دیا۔ اور جان بحق ہو گئے۔ حضرت امام حسینؑ
اسی طرح ہر ایک جان نثار کی شہادت کے لمحے ان کے سرہانے پہنچے اور ان کا
سر اپنی آغوش میں لیتے۔ چہرہ سے گرد اور خون پونچھتے۔ چنانچہ حضرت امام زین
العابدین کے غلام نے اپنی رحلت کے وقت آنکھ کھولکر جب اپنا سر حضور کی آغوش
میں دیکھا تو اس سرفرازی پر متبسم ہوئے اور جان بحق ہو گئے۔ حضرت امام حسین
حبیب ابن مظاہر کو لیکر حضرت مسلم ابن عوسجہ کے پاس شہادت کے آخری لمحات
میں پہنچے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر نے پوچھا کوئی وصیت فرمائیں۔ آخری سانس تھا۔
آخری رمق تھی حضرت امام حسین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔

اُوصِیکَ بِھٰذَا الرَّجُلِ ۝

یعنی میں تمکو اس جلیل الشان کے حق میں وصیت کرتا ہوں اس سے یہ
نتیجہ نکل رہا ہے کہ اصحاب رسول کی جاں نثاری کی طرح اصحاب حسین کی جانثاری
تھی۔ اور حضور کے اخلاق و شفقت کی طرح حضرت امام حسین کے اخلاق اور شفقتیں
تھیں۔ جس نے میدان کربلا کو وہ ہی جلوہ گاہ رسول بنا دیا تھا۔

(۳) حضور نے اپنے اعداء کے ساتھ جو اخلاق برتے فتح مکہ کے واقعات ہی کے
لحاظ سے یاد کر لیجئے۔ ۲۳ سال اذیت دینے والے سامنے کھڑے تھے اور آپ نے یک قلم
ان کو معاف کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ کو حضرت امام حسنؑ کی رحلت کے بعد جو ۵۰ھ

میں واقع ہوئی براہِ راست بیعت کی تکلیف اور اس کے اختیار نہ کرنے پر قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں سنہ ۶۱ھ میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ گیارہ سال کے مصائب کے باوجود آغازِ جنگ میں آپ نے جو خطبات دیئے ان میں کوئی مواخذہ نہ تھا۔ بلکہ ہر خطبہ میں ہدایت اور غفران کے سرچشمے بہتے تھے۔ آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ ان پر آخرت کا عذاب ہو اسی لئے آپ اُنکو ان مظالم سے روکتے تھے جن مظالم کو ڈھانے کے لئے یہ آمادہ و تیار کھڑے تھے۔ خطبات پر جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں ایک نظر ڈالکر اس نتیجہ پر آسانی سے ہمارے ناظرین پہنچ سکتے ہیں۔

حضورؐ اس شخص کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے جو اعمالِ سابقہ پر نادم ہوکر سامنے آتا۔ عکرمہ ابن ابوجہل فتح مکہ کے بعد سامنے آئے تو حضورؐ نے پُرتپاک خیر مقدم فرمایا۔ اس گرم جوشی سے حضورؐ کھڑے ہوگئے کہ ردائے مبارک کاندھوں سے سرکنے لگی۔ حضرت امام حسینؑ کے سامنے حُر نادم ہوکر اُس وقت آئے جب حُر ہی کی بدولت آپ اعداء میں گھرے کھڑے تھے۔ اس مجسمہ نورِ محمدیؐ نے اس طرح معاف فرما دیا کہ اہلِ زمین اور اہلِ فلک متحیر تھے۔ میدانِ کارزار میں جب حضرت حُر کا گھوڑا زخمی ہوگیا تو راکبِ دوشِ محمدؐ نے اپنا گھوڑا حضرت حُر کے لئے بھیجدیا حضرت حُر اس گھوڑے پر سوار ہونے کے آداب سے واقف تھے جانتے تھے کہ راکبِ دوشِ محمدؐ کا گھوڑا ہے۔ پہلے رکاب کو بوسہ دیا یعنی اس رکاب کو جہاں جنابِ حسینؑ قدم رکھتے تھے۔ غرض پہلے آداب بجالائے اور پھر سوار ہوئے۔

(۲۹) حضورؐ کو منافقین نے کتنی تکلیفیں دی تھیں۔ رأس المنافقین عبداللہ ابن ابئی میدانِ احد سے تین سو منافقین کو واپس لیکر چلا آیا مگر حضورؐ نے اس

نازک لمحہ کی اس غداری پر بد دُعا کا ایک لفظ بھی نہ فرمایا۔ حضرت امام حسینؓ کو کوفہ کے اُن منافقین سے واسطہ پڑا جو خطوں کے ذریعہ بلاتے رہے اور پھر تلواریں کھینچکر مقابلہ کو آ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان کی ہدایت کے لئے وہ جدّ وجہد فرمائی جو آپ کے خطبات سے عیاں ہے۔ نیز وہ لوگ جو راستہ میں حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سن کر ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گئے اُن کیلئے بھی بد دعا کا ایک لفظ یا شکوہ کا ایک حرف زبانِ مبارک سے نہ نکلا صرف

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ،

کا مظاہرہ ہُوا اور اتباعِ سنتِ رسُولؐ کا نمونہ کامل جناب حسینؓ کی بدولت اہلِ عالم کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

اعدائے رسولؐ اور اعدائے حسینؑ کی باہم مشابہت

(۱) مکی زندگی میں اعداء رسول نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ایک موقعہ پر حضورؐ کو مع اپنی جماعت اور مع اپنے خاندان کے شعب ابی طالب میں تین سال محصور رہنا پڑا۔ بچے بھوک اور پیاس سے روتے تھے اور اعداء دین سُن کر خوش ہوتے تھے۔ امام عالی مقام کے اعداء نے بھی اسی طرح حضرت امام حسینؑ کو مع آپ کی جماعت اور خاندان کے محصور رکھا۔ آب و دانہ بند رکھا۔ حضرت امام علی اصغر کی پیاس کی کیفیت دیکھ کر اُن کے اُوپر تیر چلایا جو حلق معصوم میں پیوست ہو گیا۔

(ب) اعدائے رسولؐ فوج کشی پر فوج کشی کرتے رہے۔ میدان جنگ میں مسلمانوں کی لاشوں کو بے حرمت کرتے۔ ہندہ زوجہ ابو سفیان نے خود حضرت حمزہ کے چہرہ کے اعضاء یعنی ناک کان کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہنے تھے۔ اعدائے حسینؑ بھی فوج کشی پر فوج کشی کرتے رہے۔ شہداء کے جسدوں کی بے حرمتی بھی کی۔ سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کیا اور شہر در شہر پھرایا۔

(ج) ابوجہل کی شقاوت اور فرعونیت مرتے دم تک اِس درجہ تھی کہ جب حضرت عبداللہ ابن مسعود اس کو قتل کرنے لگے تو کہنے لگا کہ گردن کو نیچے سے کاٹنا تاکہ معلوم ہو کہ سردار کا سر ہے۔

شمر۔ خولی۔ عمر سعد۔ ابن زیاد۔ یزید اور اُن کی جماعت میں ہر ایک ابوجہل کی طرح شقی اور مغرور تھا۔

اصحابِ رسولؐ اور اصحابِ حسینؑ کی باہم مشابہت

دونوں گروہِ قدسی باہم دگر اس طرح مشابہ ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔ مناسب ہو اگر ان اصحاب کی وفاداری اور جاں نثاری کے واقعات کو نازک لمحات میں تلاش کریں۔ جب بدر کا معرکہ پیش آنے والا تھا تو حضور نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ طلب کیا تو انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو ہم سمندروں میں کود جائیں"

احد میں حضور اعداء کے نرغے میں ہیں حفاظت کے خیال سے اصحاب نے آپکو حلقہ میں لے لیا ہے۔ اور تیر او شمشیر کے زخم اپنے جسموں پر لیتے ہیں کہ حضور کو آزار نہ پہنچے۔

حضرت امام حسینؑ کربلا میں ہیں۔ ظہر کی نماز کا اہتمام ہے۔ اس وقت بھی دشمن تیر باری بند نہیں کرتے۔ سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن القین اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر تیر کو اپنے جسم پر لیتے ہیں حتےٰ کہ نماز کے تمام ہوتے ہوتے حضرت سعید ابن عبداللہ خود بھی تمام ہو جاتے ہیں۔

نماز کے بعد پھر جنگ گھمسان کی ہوتی ہے تو حضرت حنظلہ ابن سعد الشامی

اور عمر ابن قرظیہ حضور کو اپنی آڑ میں رکھتے ہیں اور خود زخم کھاتے کھاتے شہید ہو جاتے ہیں۔ عمر ابن قرظیہ تیر کھاتے جاتے ہیں اور عرض کرتے جاتے ہیں "یا فرزند رسول اللہ حق جاں بازی بجالایا؟" آپ فرماتے ہیں۔ "ہاں جب خدمتِ رسول اللہ میں پہنچو تو میرا اسلام بھی پہنچانا۔"

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور مقرب ترین اصحاب میں یہ حضرات ہیں

۱۔ حضرت ابو بکرؓ۔ آپ کی جملہ خصوصیات میں آپکا سوز عشق اور آپکی رقت بہت نمایاں ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ۔ آپ کے تمامی امتیازات کے ساتھ آپ کا ایک خاص شیوہ یہ تھا کہ حضور کے ساتھ کسی کی ٹیڑھی بات اور ٹیڑھی نظر گوارا ہی نہ تھی۔ تلوار ہر ایسے موقعہ پر برآمد ہو جاتی تھی۔

۳۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ دنیاوی حیثیت کیساتھ حلم اور عشق رسول آپ کے امتیازات تھے۔

۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا حضور کے ساتھ بھائی ہونے کا رشتہ تھا۔ مگر شانِ رسالت اور رشتۂ رسالت شدت سے فوق ما فوق تھا۔ مہمات اور غزوات میں آپ حضور کے دستِ راست تھے۔

حضرت امام حسینؑ کے احباب میں جو حضرات انسے بہت زیادہ مشابہ تھے ان کے اسماء گرامی بالترتیب یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت بریر ہمدانی۔ آپ میں سوز عشق رسولؐ اسی قسم کا موجود تھا جیسا حضرت صدیق اکبرؓ میں۔

۲۔ حضرت زبیر ابن القین حضرت حبیب ابن مظاہر عشق رسول میں بالکل حضرت عمر کے تیور رکھتے ہیں

۳۔ حضرت ہانی ابن عروہ۔ دولت مندی اور رئیسانہ حیثیت کیساتھ عشق اہل بیت

کا یہ عالم تھا کہ حضرت مسلم کا ابن زیادہ کو پتہ تک نہ دیا۔

۴۔ حضرت عباس علمدار۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سی شان تھی علم و عرفان کی بھی وہی

کیفیت تھی جیسا کہ حضرت امام باقر فرماتے ہیں۔ بھائی ہوتے ہوئے حضرت حسین

کو فرزند رسول اللہ کہتے رہے۔

جنابِ رسالت مآب اور جنابِ حسین کے قلوب میں الفت کی فراوانیاں یادِ رفتگاں کی شکل میں

حضور کو اپنے جاں نثار اصحاب یاد آتے تو راتوں کے اندھیرے میں اُٹھ کر جنت البقیع جاتے اور اپنے جاں نثاروں اور اپنے وفا شعاروں کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت فرماتے۔ غزوۂ حنین میں اعداء کے حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ چند جاں نثار پہلو میں رہے۔ حضرت عباس سے فرمایا "معشرِ انصار اور اصحاب شجرہ کو آواز دو"

حضورؐ کی یہ سنت بھی حضرت امام حسین کے قلبِ اطہر میں موجود تھی۔ سب احباب اقربا شہید ہو چکے ہیں۔ آپ خود تن تنہا بہ ہزار تشنگی راہِ خدا میں جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں اور اس شان سے کہ غزوہ بوتراب یاد آجاتا ہے۔ اعداء منتشر ہو جاتے ہیں دشمن کی صفیں ٹوٹ جاتی ہیں ایک لمحہ ملتا ہے کہ اپنے زخموں کی طرف توجہ فرمائیں مگر فرزندِ رسولؐ۔ رسولؐ کی سنت میں غرق ہیں۔ اپنے زخم یاد نہیں رہے سنتِ رسولؐ یاد رہتی ہے۔ اور اس سنت کی یاد میں آپ بھی اپنے جاں نثاروں اور اللہ کے وفا شعاروں کو یاد کرتے ہیں۔ اور اس طرح آواز دیتے ہیں۔

"اے مسلم بن عقیل۔ اے ہانی ابن عروہ۔ اے حبیب ابن مظاہر۔ اے زہیر ابن القین۔ اے مسلم ابن عوسجہ۔ اے علی ابن حسین۔ اے میرے دلاور شجاعو! اے میرے تیز رفتار سوارو! یہ کیا ہو گیا کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم مجھے جواب تک نہیں دیتے۔ دیکھو یہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموس ہیں کہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اٹھو اور ان کی مدد کرو۔"

"افسوس تم لوگوں کو موت آگئی۔ اسی وجہ سے تم مجبور ہو۔"

جناب حسینؑ کمالاتِ نبویؐ کی شبیہ تامہ اور مظہر اتم ہیں

اور مقامِ عینیت پر فائز ہیں

یہ ہمارے تبصرہ کی آخری بحث ہے اب ہم استدلال کے لئے اس پر غور و فکر کی ایک عمیق نظر ڈالتے ہیں۔ ہم نے جناب امام حسینؑ کے فضائل و مناقب قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھے۔ جناب رسالتمآبؐ کے حالات و واقعات۔ اخلاق و اسوہ۔ امرِ حق پر ثبات و استقلال۔ تعلیمات کا اصحاب پر اثر۔ اعداء کی شقاوت اور ایذارسانی پر صبر۔ اور شاہ کارِ نبوت کی جامعیت غرض ان تمام کمالاتِ نبویؐ کو ہم نے بطورِ طریقہ پر جناب حسینؑ کی ذات میں جلوہ گر پایا ہے۔ اسی لئے جناب حسینؑ کو اہلِ نظر اور اہلِ بصیرت جناب رسالت مآب کی شبیہ تامہ اور جملہ کمالاتِ نبوی کا مظہر اتم کہتے چلے آئے ہیں مزید براں یہ کہ لمحاتِ شہادت میں ارتقاءِ روحانی کی منازل جناب حسین نے اس طرح طے فرمائی ہیں کہ آپ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ مقام عینیت پر فائز ہوئے ہیں اور اس لئے حضرت امام حسینؑ کی شہادت شہادتِ محمدی اور حضرت امام حسینؑ کا شاہکار شاہکارِ محمدیؐ ہے۔

اس مضمون کی تائید میں ہم آپ کے سامنے حضرت مولانا نیاز صاحب بریلوی رحمۃ

اللہ علیہ جیسے عارف کامل اور صاحب بصیرت کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں

چوں صاحب مقام نبی و علیٰ ست او ہم فخر انبیاء شد و ہم شان اولیاء

اس کی مزید تائید حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے اس ارشاد سے

ہوتی ہے کہ شہادت حسینی شہادت محمدی ہے۔ اس لئے کہ اس لمحہ شہادت میں ارتقا

روحانی کے لحاظ سے آپ مقام محمدی پر فائز تھے۔

اب ہم حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے اُس واقعہ پر غور و فکر کی نظر ڈالتے ہیں

جس کی صداقت پر قرآن گواہ ہے۔ خود یہ واقعہ ہمارے عنوان سے بہت مربوط ہے

اور ہمارے استدلال کی پرزور تائید کرتا ہے

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء

کا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہے۔ کنایہ اُلٹی کو سمجھ گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا میں نے یہ

خواب دیکھا ہے کہ میں تمکو ذبح کر رہا ہوں۔ نبی زادے تھے۔ عرض کیا۔ "اے باپ جس طرح

آپ کو حکم ہوا ہے آپ کریں۔ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔"

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ان کو ذبح کیلئے لیکر چلے۔ زمین پر لٹا دیا۔ چھری گلے پر

رکھدی۔ وحی آگئی۔

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا

"اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔" ہم نے دیکھا حضرت ابراہیم کو کنایۂ

قربانئ اسمٰعیل ہوا اس قربانی کے پیش کرنے پر آپ آمادہ ہوگئے۔ مگر خود قربان

ہوجانے والے اور ذبح ہونے والے حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ غور کیجئے اس قربانی میں

حضرت اسمٰعیل کا کتنا بھرپور حصہ ہے مگر اس قربانی کا تاج حضرت ابراہیم کے سر پر رکھا

جارہا ہے اور قربانی کا سارا کارنامہ حضرت ابراہیم کے نام کے ساتھ لکھا جارہا ہے اب اسی روشنی میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اور جناب حسینؑ کے واقعہ کو دیکھیں حضورؐ کو قربانیٔ حسینؑ خواب میں نہیں دکھائی گئی بلکہ بیداری میں ملائکہ کے ذریعہ سے ایک دفعہ نہیں بلکہ باربار قربانیٔ حسین۔ شہادت حسین اور ذبح حسین کی خبریں دی گئیں ہیں۔ اور آپ نے صرف جناب حسین ہی سے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ برادر حسین۔ مادر حسین۔ اولاد حسین کو اس سے باخبر کردیا۔ ایک کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ یا اللہ ایسا نہ ہو یا اللہ حسینؑ کو سلامت رکھیو۔ ہر ایک نے اسکو قبول کیا اور حسین اس عالم میں ان اطلاعات کے بعد محمدؐ رسول اللہ کی اس جنسِ گراں مایہ کی صورت میں باقی رہے جسکی بیع اور شرح اور خرید و فروخت اللہ اور اسکے رسول کے درمیان اس آیۂ پاک کی رو سے طے ہوچکی تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔

(یعنی تحقیق اللہ تعالےٰ نے مول لی ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے)

گویا بیع و شرح طے ہوجانے کے بعد صرف انتقال جنس کو کسی ایسے وقت کیلئے محفوظ رکھا گیا تھا کہ جس وقت شریعت غرائے محمدؐی کو خون گرم حسینؑ درکار ہو جس وقت یزید کی آمریت کو خاک میں ملا کر اللہ کی آمریت قائم کرنی ہو جس وقت جان حسینؑ جسم حسینؑ سے نکلے تو پیکر دین میں داخل ہوسکے اور دین کی احیاء کا موجب ہو جائے۔ احیاء سنت کا سبب ہوجائے۔ چنانچہ وہ لمحہ آگیا تو یہی ہوا کہ حسین حضورؐ کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں قربان ہوئے اور خود حضرت حسینؑ نے اپنی طرف سے سنت خلیل اللہ

کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے عزیز فرزند حضرت امام علی اصغر کی قربانی اپنے ہاتھوں میں لیکر بارگاہِ الٰہی میں پیش کی۔ اور سنت محمدی کے اسلوب پر اپنے دوسرے فرزند حضرت علی اکبر کی قربانی اس طرح پیش کی جس طرح خود آپکی قربانی ہونے والی تھی اور یہ سب قربانیاں بھی اس طرح کامل و اکمل کے سرتن سے جدا ہوئے اور سر حسینؑ نے برسر نیزہ مع دیگر سرہائے شہدا اور مع قافلۂ اہل بیت کے کوفہ اور دمشق تک اعلاءِ کلمۃ الحق کے ساتھ طویل سفر کئے اور یہ بھی ہوا کہ

برسر نیزہ سر اقدس کا واعظ　　　دینِ احمد میں یہ ایک سنت بڑھی

اب اندازہ کیجئے علامہ اقبال نے کتنا بجا کہا تھا۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　　نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

جناب اسمٰعیل کی طرح جناب حسینؑ اس طرح قربانی کیلئے آمادہ تھے کہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت تمام احباب روکتے تھے کہ اہل کوفہ سے وفا کی اُمید نہیں مگر آپ سب کا شکریہ کرتے ہوئے مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے عزیز حضرت عبداللہ ابن عباس نے پہلی منزل پر آکر پھر آپ کو کوفہ جانے سے روکا تو آپ نے اتنا فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مجھے سر بریدہ اور خاک و خون میں غلطاں دیکھنا چاہتا ہے۔ ادھر یہ کہ مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے وقت حضور اقدس کے روضہ پر حضرت امام حسینؑ خواب میں حضورؐ سے واقعہ شہادت کے قریب آجانے کی اطلاع پاچکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جو بیع و شرح اللہ اور اسکے رسول کے درمیان طے پاچکی تھی اور وہ ایک وقتِ خاص کیلئے ملتوی تھی۔ اب وہ وقت خاص بھی آہی گیا تھا اور پھر وہ لمحہ بھی آہی پہنچا کہ جناب حسینؑ شہید ہو جائیں۔ اور

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا

کے اصول پر تاجِ شہادتِ حسینؑ ۔ جدِ حسینؑ کے فرقِ مبارک پر رکھ دیا جائے۔ جس طرح ذبیحِ اسمٰعیلؑ کا فخر حضرت ابراہیمؑ کے حصہ میں آیا۔ شہادتِ حسین کا فخر بھی جنابِ رسالت مآب کے حصہ میں آنا چاہیئے۔

اس نصِ قرآنی کے زیرِ اثر شہادتِ حسین۔ شہادتِ محمدیؐ ہے تو سرِ حسین بھی سرِ محمدی ہے اور چشم و ابروئے حسین بھی چشم و ابروئے محمدی ہیں چنانچہ وقتِ شہادت شیث ابن ربعی سرِ اقدس کو تنِ اطہر سے جدا کرنے کیلئے آگے بڑھا تو کانپ اٹھا۔ پیچھے ہٹ گیا اور کہا کہ معاذ اللہ خدا حسین کے خون سے بچائے لوگوں نے دریافت کیا" تو واپس کیوں آ گیا اور یہ تیرا کیا حال ہے۔" اس نے کہا کہ جس وقت میری نظر چہرۂ حسینؑ پر پڑی تو میں نے دیکھا حسینؑ کی آنکھیں جنابِ رسالت مآب کی آنکھوں کی طرح تھیں"۔ یہ ہے حضرت حسین کا مقامِ محمدیؐ اور روحانی ارتقا جس کو دشمن بھی دیکھ رہا ہے دوست تو ساری عمر ہی دیکھتے رہے تھے مگر آج دشمن نے بھی دیکھ لیا اور ایسا کچھ دیکھ لیا کہ دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ پھر نیزہ پر سرِ اقدس کا پہنچنا اور اس حال میں آپ کا آیاتِ قرآنی کا پڑھنا تو حضرت زید ابن ارقمؓ نے بھی خود دیکھا اور خود سنا

حضرتِ زید ابن ارقم نے سُنا اور خود سُنا	ابنِ حیدر نے سرِ نیزہ بھی قرآں پڑھ لیا

اور یہ کیوں نہ ہوتا جو ذاتِ قدسی زندگی بخشِ دین و ملت ہو اسے کون مار سکتا ہے جسے اللہ زندہ رکھنا چاہے اسے کون فنا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ صاف طور سے فرماتا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

یعنی جو اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر

ظاہری طور پر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ غرض ہم وجہ ہم نے دیکھ لیا کہ شہادت حسین اور شاہ کارِ حسین کی یہ شان ہے کہ ایک طرف شہادتِ حسینؑ شہادت محمدیؐ ہے اور دوسری طرف شاہ کارِ حسینی شاہ کارِ محمدی ہے اور حضرت امام حسینؑ حضورؐ کے ساتھ جزئیت۔ مظہریت اور عینیت کے مقام پر فائز نظر آرہے ہیں۔ اب اسی مضمون کو اجمالاً ایک منقبت کی صورت میں ملاحظہ کریں۔ مگر اس سے پہلے چشم کور کے لئے یہ تنبیہ سن لیں کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

روحِ ملت جانِ ملت یعنی کردارِ حسینؑ — نازشِ شرعِ محمدؐ۔ یعنی شاہ کارِ حسینؑ

کیا یہ طائف کا سفر ہے یعنی کوفہ کا سفر — چل رہی ہے احمدی رفتار رفتارِ حسینؑ

حق و باطل کا تصادم ہے اسی انداز کا — غزوۂ بدر و احد ہے یعنی پیکارِ حسینؑ

خطبہ ہائے کربلا ہیں خطبہ کوہِ صفا — ہو بہو گفتارِ احمدؐ۔ یعنی گفتارِ حسینؑ

صورتِ اصحابِ احمدؐ۔ سرکٹ آتا رہا — یعنی جاں بازِ حسینؑ و یعنی ابرارِ حسینؑ

وہ وفاکارِ محمدؐ۔ یہ وفاکارِ حسینؑ — ایک ہیں انصارِ احمدؐ۔ اور انصارِ حسینؑ

جس طرح صلح حدیبیہ بنی فتح مبین — فتحِ اسلامی لئے آتی ہے تلوارِ حسینؑ

نعتِ احمد کر رہی ہے منقبت حسنین کی — سرِ احمد میں یقیناً سارے اسرارِ حسینؑ

مانگنا پڑتا نہیں ملتا ہے بن مانگے یہاں
احمدی سرکار ہے سالک یہ سرکارِ حسینؑ

حالات بقیہ آئمہ اہل بیت

ہم اپنے تبصرہ ہی میں یہ وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم کو خاندان رسالت کی خدمات دینی کا وہ دور دکھانا ہے جو ابا عن جد ۲۶۰ھ تک جاری تھا۔ اور ۲۶۰ھ سے ۵۲۷ھ تک خلفائے فاطمین نے مصر میں شاندار خدمات انجام دیں اور اسکے بعد پھر بھی خاندان نبوت کی یہ شان جاری رہی کہ حضور غوث الثقلین اور حضور خواجہ معین الدین چشتی جیسے آفتاب و ماہتاب اس خاندان میں پیدا ہوتے رہے جن کی خدمات دینی بقاء اسلام کا موجب ہوئیں۔

ہم اہل کسا اور آل عبا کے حالات جو پنجتن پاک کے نام نامی سے مشہور ہیں یعنی حضرت علیؓ۔ جناب فاطمہؓ۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے حالات پہلے بیان کر چکے۔ اس لئے اب حضرت امام زین العابدین کے حالات سے اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اکثر واقعات صواعق محرقہ اور دیگر کتب معتبرہ سے لئے ہیں۔

ظاہری طور پر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ غرض ہم وجہ ہم نے دیکھ لیا کہ شہادت حسین اور شاہ کارِ حسین کی یہ شان ہے کہ ایک طرف شہادتِ حسینؑ شہادت محمدیؐ ہے اور دوسری طرف شاہ کارِ حسینی شاہ کارِ محمدی ہے اور حضرتِ امام حسینؑ حضورؐ کے ساتھ جزئیت، مظہریت اور عینیت کے مقام پر فائز نظر آ رہے ہیں۔ اب اسی مضمون کو اجمالاً ایک منقبت کی صورت میں ملاحظہ کریں۔ مگر اس سے پہلے چشم کور کے لئے یہ تنبیہ سن لیں کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

روحِ ملت جانِ ملت یعنی کردارِ حسینؑ — نازشِ شرعِ محمدؐ۔ یعنی شاہ کارِ حسینؑ

کیا یہ طائف کا سفر ہے یعنی کوفہ کا سفر — چل رہی ہے احمدی رفتار رفتارِ حسینؑ

حق و باطل کا تصادم ہے اسی انداز کا — غزوۂ بدر و احد ہے یعنی پیکارِ حسینؑ

خطبہ ہائے کربلا ہیں خطبۂ کوہِ صفا — ہو بہو گفتارِ احمدؐ۔ یعنی گفتارِ حسینؑ

صورتِ اصحابِ احمدؐ۔ سر بکف آتا رہا — یعنی جاں بازِ حسینؑ و یعنی ابرارِ حسینؑ

وہ وفا کارِ محمدؐ۔ یہ وفا کارِ حسینؑ — ایک ہیں انصارِ احمدؐ۔ اور انصارِ حسینؑ

جس طرح صلح حدیبیہ بنی فتح مبین — فتحِ اسلامی لئے آتی ہے تلوارِ حسینؑ

نعتِ احمد کر رہی ہے منقبت حسنینؑ کی — سرِ احمد ہیں یقیناً سارے اسرارِ حسینؑ

مانگنا پڑتا نہیں ملتا ہے بن مانگے یہاں
احمدی سرکار ہے سالک یہ سرکارِ حسینؑ

حالات بقیہ آئمہ اہل بیت

ہم اپنے تبصرہ ہی میں یہ وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم کو خاندان رسالت کی خدمات دینی کا وہ دور دکھانا ہے جو اباً عن جدٍ سنہ ۲۶۰ھ تک جاری رہا۔ اور سنہ ۲۶۰ھ سے سنہ ۵۲۷ھ تک خلفائے فاطمین نے مصر میں شاندار خدمات انجام دیں اور اسکے بعد پھر بھی خاندانِ نبوت کی یہ شان جاری رہی کہ حضور غوث الثقلین اور حضور خواجہ معین الدین چشتی جیسے آفتاب و ماہتاب اس خاندان میں پیدا ہوتے رہے جن کی خدماتِ دینی بقاءِ اسلام کا موجب ہوئیں۔

ہم اہل کسا اور آل عبا کے حالات جو پنجتن پاک کے نام نامی سے مشہور ہیں یعنی حضرت علیؓ۔ جناب فاطمہؓ۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے حالات پہلے بیان کر چکے۔ اس لئے اب حضرت امام زین العابدین کے حالات سے اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اکثر واقعات صواعق محرقہ اور دیگر کتب معتبرہ سے لئے ہیں۔

سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام زین العابدینؑ کی تاریخ پیدائش ۱۵ جمادی الاول ۳۸ھ اور تاریخ رحلت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ ہے۔ واقعہ کربلا میں آپ موجود تھے اور بہت علیل تھے باوجود اسکے آپ بھی خیمۂ اطہر سے جہاد فی سبیل اللہ کیلئے نکلے کہ آپ کی پھوپھی جناب ام کلثوم نے ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا۔

یَا عَمَّتَاہُ ذَرُوْنِی اُقَاتِلُ بَیْنَ یَدَیْ اِبْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

یعنی "پھوپھی اماں مجھے چھوڑ دیجے کہ میں فرزند رسول اللہ کے سامنے قتل ہو جاؤں"

حضرت امام حسین نے بھی میدان کارزار سے اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور آواز دی کہ "انہیں روک لو۔ ایسا نہ ہو کہ نسل آلِ محمد ختم ہو جائے" غرض آپکو روک لیا گیا مگر آپ نے مابعد کے تمام مصائب اہل بیت نبوت کے ساتھ اٹھائے واقعہ کربلا کے بعد امت کی نظریں برگزیدگی کے لحاظ سے حضرت امام زین العابدین پر اسطرح پڑتی تھیں کہ خلفاء بنی امیہ اسکی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ اور درپے آزار ہو جاتے

تھے۔ حضرت امام زین العابدین کو شدت عبادت نے بالکل لاغر کر دیا تھا۔
ایک دفعہ آپ حج بیت اللہ کیلئے جا رہے تھے۔ چونکہ تعارف کو سفر میں پسند نہیں کرتے تھے اسلئے قافلہ سے الگ الگ چل رہے تھے۔ ایک اہل نظر آپکی شان تقوٰی کو دیکھ رہا تھا۔ اسنے موقعہ پا کر آپ سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں آپ نے نہایت سادگی سے فرمایا۔ ایک قریشی ہوں اسنے عرض کیا واضح تر بیان کریں آپ نے فرمایا "بنی ہاشم" اس نے کہا کس بادیہ میں کس کے ساتھ سفر کر رہے ہیں فرمایا "رب بادیہ کے ساتھ"۔ زادِ راہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا اسلئے اسنے کہا کہ زادِ راہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "تقوٰی" غرض اسی طرح کعبۃ اللہ میں پہنچے۔
کعبۃ اللہ میں ہشام خلیفہ وقت بھی حج کیلئے آیا ہوا تھا۔ اسقدر ہجوم تھا کہ حجر اسود تک پہنچ کر اسکو بوسہ دینے کا موقعہ نہ ملا۔ اسکے ملازموں نے ایک کرسی بچھا دی کہ وہ اس پر بیٹھ جائے تاکہ ہجوم کے کم جانیکا انتظار کیا جائے۔ اسی اثنا میں حضرت امام زین العابدین نہایت سادگی سے تشریف لائے۔ تمام ہجوم آپکو دیکھ کر راستہ دیتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ بہت آسانی سے حجر اسود تک پہنچ گئے۔
ہشام حضرت کی یہ شان دیکھکر کہ عامۃ الناس آپکے ساتھ اس احترام سے پیش آ رہے ہیں خجل ہو رہا تھا کہ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا اسی اثنا میں اس کے ملازموں نے اس سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ ہشام نے اپنی خجالت کے سبب تجاہل عارفانہ کے طور پر کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اس زمانہ کے مشہور شاعر فرزدق بھی موجود تھے۔ ان کو ہشام کا یہ انداز ناگوار گذرا۔ فوراً ہشام کو مخاطب کر کے حضرت امام زین العابدین کی شان میں ایک فی البدیہہ قصیدہ پڑھا جس کا ماحصل اور خلاصہ

یہ ہے :-

"اے ہشام اگر تو نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں تو تیرے اس تجاہل سے ان کی شان کم نہیں ہو سکتی - کیونکہ ان کو زمین و آسمان جانتا ہے ، مکہ بھی جانتا ہے - حرم و حل انہیں پہچانتے ہیں اور یہ تو وہ ہیں کہ اگر حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہیں تو حجر اسود ان کے قریب آجائے"

ہشام سخت ناراض ہوا اور فرزدق کو قید کر دیا - حضرت امام زین العابدین کو خبر ہوئی اور اس محبت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ان کو بہت سا زر نقد اور تحائف بھیجے - فرزدق نے عرض کیا کہ حضرت کی منقبت کا اجر حضرت کے جدِ گرامی سے قیامت کے روز لونگا - حضرت امام زین العابدین نے جواباً فرمایا کہ فرزدق سے کہنا کہ ہم اہل نبوت کچھ دیکر واپس نہیں لیتے

ابن عینیہ اور امام زہری جو امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں اور حضرت امام زین العابدین کے ہم عصر ہیں فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین سے افضل ہم نے کسی کو نہ دیکھا - حضرت سے زیادہ علم کا جاننے والا بھی کسی کو نہ پایا - آپ سے زیادہ ورع اور تقویٰ بھی کسی میں نظر نہ آیا -
(تاریخ ابن خلکان جلد ۱ - صفحہ ۳۲۰)

ایک دفعہ آپ علیل ہوئے - حضرت امام حسین نے دریافت فرمایا "کہ تمہارا کسی چیز کو جی چاہتا ہے" - آپ نے فرمایا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جو خدا کی قضا و قدر کے خلاف کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے - حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ تمہارا یہ جواب حضرت ابراہیم کے جواب کے مشابہ ہے جنہوں نے کہا تھا کہ میں خدائے تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کوئی امر نہیں چاہتا" ذکر کثیر، شدتِ عبادات - اور کثرتِ رکوع وسجود سے آپکی سجدہ گاہوں میں گٹے پڑ گئے تھے - اور ہر چھ ماہ بعد ان کو تراشا جاتا

تھا۔ اسی کثرتِ عبادت کے سبب آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا تھا۔ یعنی عابدین کی زینت۔

ایک مرتبہ آپ نماز میں مصروف تھے۔ گھر میں کسی سبب سے آگ لگ گئی لوگ اس طرف متوجہ ہوئے اور آگ بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر اختتامِ نماز تک آپ نے اس طرف کوئی التفات نہ کیا۔ اس کے بعد آپ بھی آگ بجھانے کے لئے چلے گئے۔ قریب جا کر آپ اپنا دامن ہلاتے تھے اور آگ سرد ہوتی جاتی تھی۔ یادگارِ خاندانِ خلیل اور جانشینِ خاتم النبیین کے اشارہ سے آگ کا سرد ہو جانا کوئی امرِ تعجب نہیں۔

عباداتِ شبانہ روز۔ بندگانِ خدا کی حاجت برآری۔ اہلِ علم کے علمی اشکال کا حل بس یہی آپ کے معمولات تھے۔ اہلِ مدینہ کے لئے حضرت کی یہ توجہات ہمیشہ جاری رہیں کہ تاریکیٔ شب میں خیر سرّی کے اصول پر آپ منہ پر نقاب ڈالتے اور روٹیوں کا ایک بہت بڑا تھیلا کمر پر رکھتے۔ اہلِ حاجت کے دروازوں پر جاتے اور نانِ شبینہ پہنچا آتے ایک دفعہ راستے میں امام زہری نے آپ کو اس شغل میں دیکھا اور پہچان لیا۔ عرض کیا یہ سامان میں اٹھا لوں آپ نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے کہا کہ آخر یہ سامان آپ کہاں لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا زہری مجھے ایک طویل سفر درپیش ہے اس کے لئے زادِ راہ ایک محفوظ مقام میں جمع کر رہا ہوں۔ ایک عرصہ کے بعد امام زہری نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ اس سفر میں نہیں گئے۔ جس کا اہتمام فرما رہے تھے اس وقت مجبوراً آپ نے فرمایا۔ "زہری میری مراد سفرِ آخرت سے تھی۔"

آپ کے ایک عزیز تھے اور ان کو بھی آپ اسی طرح نانِ شبینہ پہنچا آتے ایک روز انہوں نے کہا کہ "آپ بڑے اہلِ خیر ہیں روزانہ ہماری خدمت کرتے ہیں۔ ایک ہمارے

امام زین العابدین ہیں کہ ہماری خبر بھی نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ سن کر حضرت خاموش رہے اور یہ بھی نہ فرمایا کہ وہ زین العابدین میں ہی ہوں۔ جس روز حضرت امام زین العابدین کا وصال ہوا اور وہ نان شبینہ نہ پہنچی۔ اس روز ان کو معلوم ہوا کہ یہ حسن سلوک حضرت امام زین العابدین ہی کیا کرتے تھے۔ غرض دن کو بھی ہر وارد و صادر کے ساتھ آپ کا حسن سلوک جاری تھا اور کریم ابن کریم اور سخی ابن سخی کے در سے ہر ایک حاجتمند نہال ہو کر جاتا تھا۔ آپ کا یہ عمل اس آیۂ پاک کے مفہوم کی آئینہ داری کر رہا ہے

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً۔

یعنی "وہ لوگ جو اپنا زر و مال رات دن پوشیدہ طور پر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں"

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

"ان کے لئے ان کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ان کے لئے نہ خوف ہے نہ حزن ہے"

کاش عمل کی یہ سعادتیں ہمارے حصہ میں بھی آئیں۔

ایک روز ابن عیینہ آئے اور دیکھا کہ آپ کاشانۂ امامت میں بیٹھے ہیں اور فرش پر سے کچھ چن رہے ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا شغل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرشتوں کے باریک بال و پر ہیں۔ وہ چن رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہمارے ان فرشوں پر بیٹھتے ہیں اور ہمارے تکیوں سے تکیہ کرتے ہیں قرآن کی اس آیۂ پاک کی روشنی میں اس واقعہ کو دیکھیں۔

مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَ

اَلْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۔

" جو صالحین ہیں اپنے آبا کی طرف سے۔ اپنی ذریت کی طرف سے اپنی ازواج کی طرف سے تمام دروازوں سے ان پر نزول ملائکہ ہوتا ہے "

چونکہ یہ جلیل الشان یادگار مصطفوی تمام امت کے قلوب کا مرجع تھی خلفاء بنی امیہ اسی سبب سے ان سے عناد رکھتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر ان کے مظالم اٹھائے اور صبر کیا۔ چنانچہ ابن احمدؒ نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ عبدالملک نے اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ آپ کے پیروں میں آہنی بیڑیاں ڈالیں اور گلوئے مبارک میں طوق ڈالا۔ اور اس طرح مدینہ طیبہ سے ملک شام لے چلے۔ حضرت کے رخصت کرنے کے لئے میں بھی حاضر ہوا اور مجھے گریہ ہوا اور میں نے کہا کہ کاش آپ کی جگہ میں اس حال میں ہوتا۔ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا " اے زہری تم کو گمان ہے کہ یہ مجھ پر بوجھ ہے اگر میں چاہوں تو یہ سب علیحدہ ہو جائیں " اور یہ فرما کر آپ نے ہاتھ پیر زنجیروں سے نکال کر دکھائے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر مرضی خدا کے پابند ہیں " پھر فرمایا کہ میں دو منزل ان کے ساتھ رہونگا۔ جب دو دن گذر گئے تو نگہبانوں کی حفاظت کے باوجود کسی نے آپ کو وہاں نہ پایا۔ اور معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد عبدالملک کے پاس گیا۔ اس نے حضرت کا حال مجھ سے پوچھا۔ میں نے یہی مضمون بیان کیا۔ اس نے کہا جس روز نگہبانوں نے ان کو گم کیا تھا وہ میرے پاس آئے تھے۔ اور فرمایا مجھکو تجھ سے کیا کام ہے میں نے کہا تھوڑی دیر میرے پاس قیام کیجئے۔ فرمایا نہیں چاہتا کہ تیرے پاس قیام کروں۔ یہ فرمایا اور باہر تشریف لے گئے۔ پھر عبدالملک نے کہا کہ خدا کی قسم میرا دل اس وقت ان کے خوف سے سہم گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اولاد

امجاد سید الانبیاء نے جو تکالیفِ دینوی برداشت کیں وہ رضا جوئی خدا کے واسطے تھیں ورنہ ظالموں کی کیا طاقت تھی کہ ان محبانِ خدائے غالب و توانا پر غالب آتے۔

حضرت امام زین العابدین کی قربانیاں بہت ہیں۔

ایک قربانی تو یہ کہ کربلا میں سب اقربا کے ساتھ مصائب میں مبتلا رہے اور تمام مصائب اور قتل و قتال کے قیامت خیز منظر اپنی آنکھ سے دیکھے۔ شہدا کی لاشوں کو بے گور و کفن دیکھا اور اہلِ بیتِ نبوت کی یا دبیر بے پیمائی کو ملاحظہ کیا اور خود پا بہ زنجیر ظالموں کے ظلم میں مبتلا کوفہ لائے گئے۔ دمشق میں لائے گئے۔ اور پھر مدینہ طیبہ میں آ کر اپنے خالی گھر کو دیکھا اور پھر عمر بھر اپنے اقربا کے مصائب پیشِ نظر رہے اس موقعہ پر ہمیں حفیظ کے دو شعر یاد آتے ہیں۔

مقاصد جنکے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے — زمانہ میں انہی کا امتحاں بھی سخت ہوتا ہے
مگر دعوئ تسلیم و رضا کا امتحاں تو یہ — محبت کا، صداقت کا۔ وفا کا امتحاں تو یہ

غرض آخر کار عمر بھر خلافت بنی امیہ کے مظالم اٹھاتے ہوئے ان کی سازش سے زہر سے شہید ہو کر منزل قدس اور مقام تقرب میں اپنے آباء صالحین سے جا ملے۔

اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّد

اب ہم حضرت امام زین العابدین کی بارگاہ میں ایک منقبت پیش کرتے ہیں۔

ہے نوحِ اہلِ بیتِ رسالت تمہارا نام — یحییٰ خاندانِ نبوت تمہارا نام
امت کے تم امام۔ آئمہ کے تم امام — سجاد و عابدین کی زینت تمہارا نام
سنت تمہاری راہ بشریعت تمہاری راہ — قرآں شعار آیۂ رحمت تمہارا نام
مورد ہے جبرئیل و وحی کا تمہارا گھر — اللہ کے رسول کی عترت تمہارا نام

ہے تو قسیم کوثر و نعمت تمہارا نام　　وہ برکتوں کی رات ہو قسمت میں پھر کبھی

سالک کو خاک پر سے اٹھایا ہے آپ نے
سالک کی اس حیات کی زینت تمہارا نام

حضرت امام محمدؑ باقرؑ

آپ کی تاریخ پیدائش یکم رجب ۵۷ھ اور تاریخ رحلت ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہے۔ مقام رحلت مدینہ طیبہ ہے خلفائے بنی امیہ کی زہر خورانی سے شہادت واقع ہوئی۔

تاریخ طبری کی تیسری جلد میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے حضرت امام محمد باقر کی جلالت شان کا پتہ چلتا ہے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری کا سن بہت کافی ہوا ہے چنانچہ آپ حضرت امام محمدؑ باقر کے زمانہ تک موجود تھے۔ عمر کا آخری حصہ تھا۔ بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ مسجد میں بیٹھے رہتے اور اکثر آواز سے کہتے "یا باقر۔ یا باقر"۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کس کو پکارا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خاندان نبوی میں ایک ایسے نونہال پیدا ہونے والے ہیں جن کا نام نامی باقر ہوگا۔ میں انکا انتظار کرتا ہوں اور انہی کو پکارا کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کس لئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا یہ شرف ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ تم میرے اس فرزند کا زمانہ پاؤگے جن کا نام باقر ہوگا۔ جس وقت تم ان سے ملو

میرا سلام ان کو پہنچا دینا۔ چنانچہ وہ سلام مجھے ان کو پہنچانا ہے۔ غرض حضرت محمد باقر پیدا ہوئے کچھ عرصہ گذرا کہ حضرت جابر کو خبر ہوئی اور پھر انہوں نے وہ سلام نبوی ان کو پہنچایا۔

ایک دفعہ آپ حج کے موقعہ پر حرم محترم میں بیٹھے تھے۔ لوگ ہر چہار طرف سے ہجوم کئے ہوئے تھے اہل علم اپنے اپنے اشکال حل کراتے تھے۔ ہشام خلیفۂ وقت بھی حرم میں آنکلا وہ رئیس مرجع انام اور مرکز قلوب کے چاروں طرف یہ ہجوم دیکھ کر حیران ہوگیا اس نے حاسدانہ نیت سے ایک پیچیدہ سوال آپ سے کیا اور دریافت کیا کہ لوگ میدانِ حشر میں حساب کتاب ختم ہونے تک کیا کھائیں گے آپ نے کہا کہ نہروں کا پانی پئیں گے اور درختوں کا پھل کھائیں گے اس نے کہا کہ حشر کے روز ان کے ہوش وحواس باقی ہوں گے کہ وہ کھانے کی خواہش محسوس کریں آپ نے فرمایا کہ حشر کے روز وہ اپنے فیصلہ کے منتظر ہوں گے کہ جنت میں جاتے ہیں یا دوزخ میں۔ لیکن جب فیصلہ کے بعد اہل دوزخ داخلِ دوزخ ہو جائیں گے کھانے پینے کے ہوش وحواس تو ان کو وہاں جہنم میں بھی ہوں گے اور یہ خبر ملکہ ثبوت میں برجستہ قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

یعنی دوزخ والے اہل جنت کو آواز دیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی انڈیل دو (کہ پیئیں) یا اس سے کچھ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے تو اہل بہشت کہیں گے کہ خدا نے تو جنت کا کھانا اور پانی کافروں پر حرام کر دیا ہے۔"

ہشام یہ مسکت جواب سنکر خجل ہوا کیونکہ وہ یہ سمجھا تھا کہ اس پیچیدہ سوال کا جواب بن نہ پڑیگا۔ اور اس مجمع عام میں حضرت امام باقرؑ کو (معاذ اللہ) ندامت ہوگی مگر ندامت خود ہشام کے گلے کا ہار ہوئی۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی سیرت النعمان مولفہ علامہ شبلی کے صفحہ ۵۰ پر آپ پڑھیں گے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے علم وعرفان کا استفادہ کیا ہے۔ حضرت امام محمدؑ باقر کے بعد حضرت کے فرزند ارجمند اور جانشین حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں بھی حضرت امام ابوحنیفہ نے دو سال گذارے ہیں۔ اور ان سے بھی علوم ومعارف میں استفادہ کیا ہے خود حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ

"اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا"۔

علوم ومعارف کے کیا کیا دقیق مسائل ہونگے جو اس دو سال میں حل ہوئے جس کی بنا پر اتنے بڑے امام فقہ نے اپنے احساس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا۔

یہ ہیں وہ فیوض جو ذریت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جاری رہے اور یہ ہیں مشیت کی وہ حکمتیں جن کے لئے نسل آل محمدؐ کی بقاء اور ان کے ذریعہ اجرائے فیضان محمدی اللہ کو منظور تھا۔

ابوالنصر ایک مادر زاد نابینا تھا۔ وہ حضرت امام محمدؐ باقر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت ہیں۔ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کیا رسول اللہ صلعم کل انبیا کے وارث ہیں آپ نے فرمایا ہاں کل انبیاء کے وارث ہیں .... کل انبیاء کے علوم آپ نے وراثت میں پائے ہیں اس نے پھر

سوال کیا کہ آیا آپ نے بھی علم رسول خدا میراث میں حاصل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا کیا آپ کو قدرت ہے کہ مردہ کو زندہ کر دیں۔ مادر زاد اندھے کو بینا کر دیں اور مبروص کو صحت عطا کر دیں۔ اور یہ کہ آیا آپ خبر دے سکتے ہیں کہ لوگ گھروں میں کیا کھاتے ہیں اور کیا ذخیرہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں باذن اللہ یہ سب کر سکتا ہوں پھر آپ نے ابوالنصر کو سامنے بٹھا لیا۔ اور دست مبارک اس کے منہ پر رکھا۔ فوراً اس کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔ سب چیزوں کو اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ حضرت امام باقرؑ نے پھر اپنا دست مبارک اس کے منہ پر رکھا اور وہ پہلی حالت پر آ گیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ ان دونوں حالتوں میں سے کس بات کو چاہتے ہو۔ آیا یہ کہ بینا رہو اور روز قیامت خدا تم سے حساب مانگے یا یہ کہ اندھے رہو۔ اور بے حساب جنت میں جاؤ۔ اس نے کہا یا ابن رسول اللہ نابینا رہنا اور بے حساب جنت میں جانا پسند ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام باقرؑ سے سوال کیا کہ مومن کا حق اللہ تعالے پر کیا ہے۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر تین بار یہی سوال کیا۔ حضرت امام نے تیسری بار فرمایا کہ مومن کا حق اللہ تعالے پر یہ ہے کہ اگر اس درخت خرما سے کہے کہ آ۔ تو چلا آوے۔ جس درخت کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا اس نے حرکت کی تاکہ آپ کی طرف چلے۔ حضرت امام نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ قائم رہ۔ مجھ کو اس بات سے تیرا بلانا مقصود نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ مصروف نماز تھے کہ آپ کے فرزند کوئیں میں گر گئے۔ تمام گھر اور محلہ میں ہل چل مچ گئی۔ مگر آپ کو محویت نماز میں خبر تک نہ ہوئی۔ جب فارغ ہوئے تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ "بنی ہاشم بڑے سخت دل ہوتے ہیں"۔

آپ نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ کوئیں پر تشریف لے گئے ہاتھ سے اپنے فرزند ارجمند کو کوئیں سے صحیح سالم نکال کر اپنی زوجۂ محترمہ کو دیا اور فرمایا "عورتیں بڑی ضعیف الاعتقاد ہوتی ہیں" سوال کا جواب اس خوشگواری سے عطا فرمایا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ اور تاریخ رحلت ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ہے بارہ سال حضرت امام زین العابدینؑ اور ۱۳ سال حضرت امام باقرؑ کا زمانہ پایا۔

جسٹس امیر علی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد یزید کے زمانہ میں جنگ حرہ واقع ہوئی اور اسکے اثرات سے مدارس اور شفاخانہ تباہ ہو گئے یہ اسلام پر سخت علمی تباہی کا دور تھا کہ اس زمانہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے مدینہ طیبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظیم الشان درسگاہ کو از سر نو جاری کیا۔ اس مرکز پر از سر نو علم و عرفان کے چشمے جاری ہو گئے۔

علامہ ابن حجر سواد اعظم اہل سنت کے اکابر علماء سے ہیں انہوں نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ اعیان آئمہ میں سے ایک جماعت مثل یحیی بن سعید ابن جریح امام مالک بن انس۔ امام سفیان ثوری۔ سفیان بن عینیہ۔ امام ابو حنیفہ۔ ایوب سنحتیان نے آپ سے حدیث کو اخذ کیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق سے بڑھ کر

علم دین کا عالم کسی کو نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۰)

حضرت امام جعفر صادقؑ کی مہمان نوازی اور جود و سخا کے بہت سے واقعات ہیں آپ کے پاس ایک عظیم الشان باغ تھا جس کی معقول آمدنی ہوسکتی تھی مگر اس سے آمدنی حاصل کرنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ بلکہ اس کا تمام پھل اہل مدینہ کی مدارات پر صرف کردیا جاتا تھا۔ ایک صاحب نے ایک روز خیال کیا کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اس باغ کے انتظام کے لئے کوئی بہتر مشورہ دوں۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت نے باغ کا کیا انتظام کیا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ جب اس کا پھل تیار ہوجاتا ہے تو اس کی چار دیواری میں ہر چہار طرف راستہ قائم کروا دیتا ہوں۔ اور اہل مدینہ کو اجازت دے دیتا ہوں کہ وہ اس کا پھل استعمال کریں۔ جب فصل کا آخر زمانہ آجاتا ہے تو اس کا پھل جمع کروا لیتا ہوں۔ اور ٹوکروں میں بھروا کر اہل مدینہ میں تقسیم کروا دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ صاحب جو مشورہ دینے گئے تھے سمجھ گئے کہ خود حضرت کا منشا یہی ہے اب مشورہ دینے کی حاجت نہیں۔

مہمانوں کے لئے گوناگوں قسم کے کھانے تیار کرائے جاتے اور دستر خوان پر بار بار تاکید سے ان کو کھانے کے لئے فرماتے اور خود سرکے سے چند لقمہ تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ نبی زادوں کی یہی غذا ہے۔ ایک دفعہ آپ مہمانوں کو مبالغہ کے ساتھ کھانے کے لئے فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ

"پھر اُن سے نعمتوں کے بابت سوال کیا جائیگا" آپ نے فرمایا کہ اللہ ایسا نہ کریگا

نہیں ہے کہ لوگوں سے ان کے کھانے اور پینے کے بابت پرسشس کرے بلکہ نعیم سے مراد ہم اہل بیت نبوت ہیں اور لوگوں سے ہمارے بارہ میں سوال کیا جائیگا کہ ہم یا تم نے اہل بیت نبوت (جن کی شخصیتیں اللہ کی طرف سے اُمّت کے لئے انعام کے بمنزلہ تھیں (ہدایت اور خیر کے سبب)) کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ احادیث کے مضامین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غرض جس شخص نے بطور اعتراض یہ آیت پاک پڑھی تھی اپنی حرکت پہ نادم ہوا۔

موسم حج میں حرم کے اندر علماء بھی آتے۔ بیٹھ جاتے اور لوگ اُن سے مسائل پوچھتے ایک دفعہ ایک شخص نے علماء کے مجمع میں سوال کیا کہ ایک شخص کی ایک دوسرے شخص سے دشمنی ہے مگر وہ اپنی زندگی بھر اس سے کوئی انتقام نہیں لے سکا آخر اس نے سُنا کہ اس کا دشمن کسی جگہ مرا ہوا پڑا ہے یہ شخص انتقام کے جذبہ میں تلوار لے کر پہنچا اور اس کی لاش پہ جا کر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کے لئے شرعی کیا سزا ہے علماء نے یہ خیال کیا کہ مرنے والا مر چکا تھا اب لاش کی توہین کرنیکا قصور ہے۔ اس لئے اس کو کچھ کفارہ دیدینا چاہیئے مگر اس جواب سے سائل کی تسکین نہیں ہوئی اسی وقت یہ شخص حرم ہی میں حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا اور سوال اور جواب دونوں چیزیں عرض کیں اور سزا مشخص کرانی چاہی۔ آپ نے فرمایا اس کو سو درہم کا کفارہ دینا چاہیئے آپ نے فرمایا نطفہ کے تلف کرنیکا کفارہ ۲۰ درہم ہیں اور نطفہ پورا مجسمہ بننے میں پانچ حالتوں سے گذرتا ہے اس لئے ۲۰ × ۵ = ۱۰۰ درہم کفارہ واجب ہوا کیونکہ لاش بھی ایک مجسمہ تھا جس کی شکل بگاڑی گئی۔

ابو شاکر ایک لامذہب سا آدمی آپ کے شاگرد ہشام بن حکم کی خدمت میں آیا اور

سوال کیا کہ کیا تمہارا خدا ہر بات پہ قادر ہے۔ انہوں نے کہا ہاں اسنے پوچھا کہ کیا اس کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ پوری دُنیا کو ایک انڈے میں سمو دے۔ نہ انڈا بڑھنے پائے اور نہ دنیا سُکڑ کر چھوٹی ہو جائے۔ ہشام اس کا جواب نہ دے سکے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا۔ فرمایا بے شک خدائے تعالےٰ قادر مطلق ہے اس کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ آنکھ کی پُتلی مقدار میں مسور کے دانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے آسمان زمین، جنگل پہاڑ۔ شہر۔ دریا سب پر جو اسکے سامنے پڑتے ہیں۔ محیط ہو جاتی ہے۔ پس جو خدا اس پہ قادر ہے کہ اس چھوٹی سی پتلی کے اندر ان تمام اشیاء کو داخل کر دے وہ اگر تمام عالم کو ایک انڈے میں سمو دے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۴۲)

علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ بنی اُمیہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں جبکہ یہ خاندان رُو بہ زوال تھا تو ایک اجتماع میں خاندان بنی ہاشم نے محمد ملقب بہ نفس زکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کی بیعت کر کے ان کو خلیفہ بنانا چاہا۔ اس مجمع میں حضرت امام جعفر صادق کو بھی بلایا گیا تھا۔ اور حضرت کو بھی یہ پیش کش کی گئی مگر حضرت نے اس سے انکار کر کے فرمایا کہ واللہ یہ بادشاہت نہ میرے لئے ہے اور نہ ان دونوں کیلئے بلکہ یہ اس زرد کپڑے والے کے لئے ہے کہ اسی خاندان (بنی عباس) کے بچے اور لڑکے اس بادشاہت سے کھیلیں گے اس مجمع میں خاندان بنی عباس کا منصور دوانیقی بھی موجود تھا اور وہ ہی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ حضرت کی یہ بات منصور کے دل میں گھر کر گئی۔ جنئے کہ وقت آیا اور یہی شخص بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہوا۔ یہ تھا اس خاندانِ رسالت کا عالم کشف۔

حضرت ہی کے زمانہ میں خاندان بنی امیہ کا خاتمہ ہوا اور خاندان بنی عباس کا آغاز ہوا۔

حضرت امام جعفر صادق کے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل کی اولاد امجاد میں سے خلفائے فاطمین ہیں۔ اور اس خاندان کو اسی لحاظ سے اسماعیلیہ کہتے ہیں۔ اس خاندان میں چودہ خلیفہ ہوئے اور یہ سب بڑے متقی تھے۔ مصر مرکز حکومت تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے بعد تیسرے درجہ کی بڑی حکومت تھی۔ اس خاندان کے کے علمی کارناموں سے مصر اور افریقہ کے دوسرے ممالک منور ہو گئے۔ سپین کی اسلامی حکومت کے بعض حصے بھی اس خاندان کے زیر اثر رہے اور اسی طرح اٹلی کے بحری ڈاکوؤں کے ساحل مصر کے اوپر حملہ کرنے کے سبب اہل اٹلی سے بھی تصادم ہوا اور اٹلی کے ساحلی علاقے بھی اس خاندان کے زیر اثر رہے اور اس تعلق سے اس خاندان کے علمی کارناموں سے یورپ بھی دولت سے متاثر ہوا۔ کُل زمانۂ حکومت ۲۵۰ سال تھا۔

تفصیلی حالات دوازدہ ائمہ کے حالات کے بعد آگے آئے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

آپ کی تاریخ پیدائش ۷ صفر المظفر ۱۲۸ھ اور تاریخ وصال ۲۵
رجب المرجب ۱۸۳ھ ہے حافظ حدیث علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ
میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فاضل۔ سب سے زیادہ عالم
اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ آپ کی تصنیف سے مسند امام موسیٰ کاظم بہت مشہور
ہے۔ اہل مدینہ آپ کو عبد صالح کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا کہ آپ کے بعد امام کون ہوگا
فرمایا۔ ہم میں جو امام ہونے والا ہوتا ہے وہ اپنے بچپن میں بھی کھیل کود میں مصروف
نہیں ہوتا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم آپ کے صاحبزادے تھے اور ابھی آپ کا بچپن ہی تھا مگر
جن لوگوں کے سامنے ابھی یہ ذکر ہو چکا تھا کہ ہونے والا امام اپنے بچپن میں بھی
کھیل کود میں مصروف نہیں ہوتا۔ انہوں نے باہر نکلنے پر دیکھا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم
ایک بکری کے بچہ کو لئے کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے پاس جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ
اس سے فرما رہے ہیں۔ "تو کھڑا کیوں ہے۔ اپنے خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتا۔"

حضرت امام ابو حنیفہ نے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق سے کہا کہ میں نے آپ کے

صاحب زادے (حضرت امام موسیٰ کاظمؑ) کو دیکھا کہ لوگ انکے آگے سے گذرتے ہیں۔ اور وہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں حضرت نے آپ کو بلا کر پوچھا۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے کہا کہ جسکی نماز پڑھتا تھا وہ مجھ سے بہ نسبت اُن لوگوں کے جو میرے آگے سے گذر رہے تھے بہت زیادہ قریب ہے اس پر اسی کا کلام شاہد ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔

(یعنی میں تم لوگوں کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہوں) یہ سنکر حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا" یہ وہ بچہ ہے جس کو سارے اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں۔" (مناقب صفحہ ۶۹)

ایک دفعہ موسم حج میں آپ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے اہل علم آپ سے اپنے اپنے اشکال حل کر رہے تھے۔ ہارون رشید خلیفۂ وقت بھی حج کو آیا ہوا تھا۔ اس رجوع خلائق کو دیکھ کر اس کے دل میں سیاسی وسوسہ پیدا ہوا جو بادشاہوں کی عام فطرت ہے آپ سے دریافت کیا کہ یہ کیا کیفیت ہے۔ آپ نے فرمایا" تم امام الاجسام ہو میں امام القلوب ہوں تم اپنا کام کرتے رہو۔ میں اپنا کام کرتا ہوں تا آنکہ حشر کے روز بارگاہ رسالت میں اپنی اپنی خدمات پیش کر دینے کا وقت آجائے اور دونوں کو آخرت کی سرخروئی حاصل ہو۔"

ہارون رشید کو اس جواب سے اور زیادہ اشتعال ہوا۔ حالانکہ جواب سے واضح تھا کہ ہمارا مقصد دنیاوی اقتدار نہیں ہے۔ غرض ہارون رشید مرکز حکومت یعنی بغداد پہنچا اور وہاں آپ کو طلب کر کے ۱۷ سال حبس میں رکھا۔ اس عرصہ میں ہارون رشید اس جستجو میں رہا کہ کوئی حیلہ مل جائے تو آپ کو قتل کرا دوں۔ حیلہ اس لئے درکار تھا کہ عامۃ الناس میں ہیجان نہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سخت مزاج اور بدکیش افسران کو آپکی

دیکھ بھال کیلئے تعینات کرتا اور کہتا کہ تلاش رکھو جس وقت انکے منہ سے کوئی بات قابل گرفت نکلے تم مجھے مطلع کرو۔ ہر جابر و ظالم نگران حالتِ حبس میں آپکی شدت عبادات کو دیکھ کر عقیدتمند ہو جاتا۔ چنانچہ ایسے افسر کو ہٹا کر دوسرے بد باطن افسر کو تعینات کرتا تاکہ از سرِ نو سختی اور درشتی کا دور جاری ہو۔ اس رد و بدل میں ایک افسر نے دیکھا کہ ایک دن آپ عبادات سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے کچھ فرما رہے ہیں اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ اسنے دروازہ پر کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ تعالےٰ کا ان الفاظ میں شکر کر رہے ہیں "اے اللہ میری تمنا تھی کہ مجھے ایسا پُرسکون موقعہ مل جائے کہ میں دل سیر ہو کر تیری عبادت کر سکوں۔ الحمدللہ کہ وہ موقع حاصل ہو گیا۔ اور اب میں دل سیر ہو کر تیری عبادت بجالاتا ہوں"

اس افسر نے یہ واقعہ ہارون رشید سے بیان کیا اور کہا کہ ایسے مردِ صالح کیلئے اس طرح درپئے آزار رہنا مناسب نہیں۔ آخر ہارون رشید نے ایک پُرفریب تجویز سوچی اور اپنی ایک حسین اور خوبصورت لونڈی جاریہ کو حکم دیا۔ کہ وہ آپ کے حجرہ میں جا کر آپ سے کہے کہ میں آپ کی خدمت کیلئے مامور ہوئی ہوں اور اس طرح حضرت کو باتوں میں لگائے کہ ہارون رشید خود موقعہ پر پہنچ جائے اہل دنیا نے انبیاء علیہم السلام پر بھی اس طرح اتہام لگانے کی کوشش کی ہے حضرت موسیٰ کے واقعات میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ ملتا ہے کہ ایک عورت کو آپ پر جھوٹی تہمت لگانے کیلئے آمادہ کیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اسکو اظہارِ حق کی جرأت دی۔ اور اس نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر حضرت موسیٰ پر اتہام لگانے کی بجائے آپ کے اعداء کی اس سازش کی تفصیل بیان کر دی اور خود سازش کرنے والے ہی ذلیل و خوار ہوئے

چنانچہ یہ جاریہ جس کو ہارون رشید نے اس فریب کے لئے آمادہ کیا تھا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کے حجرۂ عبادت میں داخل ہوئی۔ آپ اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ موقعہ پاکر اس نے عرض کیا کہ میں خلیفہ کی طرف سے حضرت کی خدمت پر مامور ہوں آپ نے غصہ سے جھڑک کر کہا کہ

"پھر یہ کس لئے ہیں"۔

اور ہاتھ سے حجرہ کی دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ اس نے دیکھا کہ بہشت کا ایک منظر سامنے ہے۔ حوران بہشت کا ہجوم ہے اور وہ سب اس عورت کو ملامت کر رہی ہیں کہ "تو کس لئے یہاں آئی ہم حوران بہشت اللہ کی طرف سے عبد صالح کی خدمت کے لئے مامور ہیں"۔

عالم آخرت کی چیزوں کو اس عالم میں دیکھنے کی تاب کسے ہو سکتی ہے چنانچہ یہ حواس باختہ ہو گئی۔ اسی اثنا میں ہارون رشید ادھر آنکلا۔ اس جاریہ کی بدحواسی کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا حال ہے۔ اس نے تمام ماجرا بیان کیا۔ ہارون رشید نادم ہوا اور اس جاریہ سے کہا کہ "عبد صالح" کے لقب سے اہل مدینہ آپکو یاد کرتے ہیں۔ تجھ کو حضرت کا یہ نام کیونکر معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ حوران بہشت کی زبان پر یہی نام تھا اسی نے اس جاریہ کو منع کیا کہ حضرت کا یہ شرف لوگوں پر ظاہر نہ کرے۔

جب حضرت سے مآخذہ کا کوئی موقعہ نہ ملا تو آخر مجبور ہو کر ایک روز ہارون رشید نے آپکو اچانک بر سر دربار بلایا اور کہا کہ "لوگ آپ کو فرزند رسول اللہ کہتے ہیں آپ سنتے ہیں اور ان کو منع نہیں کرتے اس لئے کہ آپ فرزند علی ہیں فرزند رسول نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جدِ امجد حضرت امام حسین اور

حضرت امام حسنؑ کو بیٹا اور فرزند ضرور کہا ہے اور حدیث سے یہ ثابت ہے مگر میں اس وقت آپ سے آپ کے فرزند رسول ہونے پر نص قرآنی طلب کرتا ہوں اگر آپ نصِ قرآنی پیش نہ کر سکے تو پھر آپ کو قتل کر دیا جائیگا۔

آپ نے فرمایا" اس ذاتِ گرامی کا واسطہ جو مدینہ میں آسودہ و آرام فرما ہے تو مجھ سے یہ سوال نہ کر" مگر ہارون رشید سمجھا کہ قرآن میں فرزندیت کا ثبوت ہی کیا ہو سکتا ہے اور اسلئے آپ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اسلئے اس نے کہا کہ میں ضرور آپ سے جواب طلب کرونگا۔ ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائیگا۔ آپ نے فرمایا اب تو نصِ قرآنی ہی سن۔ یہ فرما کر آپ نے حسب ذیل آیۂ قرآنی پڑھی۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ جو شخص تم سے جھگڑا کرے اس میں اس کے بعد کہ علم تم کو ہو گیا۔ پس کہو اس سے بلا دیں ہم اپنے لڑکوں کو اور تم اپنے لڑکوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو۔ تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو پھر کہیں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر۔

پھر آپ نے ہارون رشید سے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ کو اپنے بیٹوں اور عورتوں کے ساتھ مباہلہ کا حکم کیا ہے اور اس کی تعمیل میں پیغمبرِ خدا" ابناءنا" یعنی بیٹوں کی جگہ جناب حسنؑ اور جناب حسینؑ کو گھر سے لے کر

برآمد ہوئے اور ہم انہی کی اولاد ہیں اس لئے ہمارا فرزندِ رسول اللہ ہونا نصِ قرآنی سے ثابت ہوا۔ اس برجستہ آیت اور برجستہ استدلال کو سُن کر ہارون رشید حیران ہو کر کہنے لگا۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ

یعنی "بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس خاندان کو اپنی رسالت کا مستقر بنائے" اس کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ آیا یہ کافی ہے یا کوئی اور نصِ قرآنی ثبوت میں دی جائے ہارون رشید تو خجل تھا مگر آپ نے پھر اس آئیہ مبارک کا حوالہ دیا۔

وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ۔

اور فرمایا کہ اس آیت میں نسبتِ مادری کے سبب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو فرزندِ ابراہیم فرمایا ہے۔ درآں حالیکہ حضرت عیسیٰ کے باپ موجود نہ تھے۔ پھر ہم کیوں اپنی نسبتِ مادری کے سبب فرزندِ رسول نہیں۔

ہارون رشید اور خجل ہوا اور احترام کے ساتھ آپ کو قیامگاہ تک پہنچا دیا اس کے بعد اس نے یقین کر لیا کہ میں کسی حیلہ سے آپ پر قابو نہیں پا سکتا۔ آخر کار آپ کو زہر دینے کی سازش کی۔ چنانچہ زہر کے اثر ہی سے بغداد میں آپ واصل بحق ہوئے۔ بغداد کے پاس "کاظمین" کے نام سے آپکا آستانہ عالیہ مشہور ہے۔ لوگ جوق در جوق آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ عبادت کرتے ہیں۔ دعائیں کرتے ہیں اس لئے کہ یہ مقدس بارگاہ قبولِ دعا کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔

حضرت امام علی رضاؑ

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱ ذی قعدہ ۱۵۳ھ اور تاریخ وصال ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ ہے۔ شہر طوس (صوبہ خراسان) میں زہر سے شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے وہاں مشہد مقدس کے نام سے آپ کا روضہ مشہور ہے صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ آپ افضل اولاد امام موسیٰ کاظم اور اشرف مخلوق زمانہ تھے۔

حضرت کے زمانہ میں مامون رشید خلیفہ وقت تھا اس نے ۲۰۱ھ میں حضرت امام علی رضا کو اپنا ولی عہد قرار دیا۔ شمس العلماء علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضرت امام علی رضا موجود تھے۔ جن سے مامون رشید دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد اور تقدس کے علاوہ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا۔ اور آپ کو خراسان آنے کی دعوت دی۔

آپ نے جب خراسان کا سفر کیا تو آپ کے استقبال کے لئے علماء کی ایک کثیر تعداد جمع ہوئی۔ عام مسلمانوں کا ہجوم ہزاروں کی تعداد میں تھا۔ آپ سے علماء نے درخواست کی کہ آپ اپنی زبان مبارک سے اپنے اجداد گرامی کی اسناد سے کوئی حدیث بیان فرمائیں۔ چنانچہ آپ اپنے اجداد گرامی کی اسناد سے حدیث بیان فرماتے جاتے

تھے اور علماء ان اسناد سے اس حدیث کو لکھتے جاتے تھے جن کی تعداد بیس ہزار تھی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ " رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جبرئیل نے مجھے آگاہ کیا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے جو میرے حصن میں داخل ہوا میرے عذاب سے بے خوف ہوا "

امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ " اگر اس حدیث کو انہی اسناد کے ساتھ پڑھ کر دیوانہ پر پھونکا جائے تو البتہ اس کی دیوانگی جاتی رہے گی " (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲)

ایک دفعہ مامون رشید نے حضرت سے نماز عید پڑھانے کے لئے کہا ۔ آپ نے فرمایا ۔ " میں شاہی جاہ وحشم کے ساتھ عیدگاہ نہ جاؤں گا ۔ البتہ اپنے جدِ امجد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عیدگاہ جا کر نماز پڑھاؤنگا " لوگوں کی نظریں عادی تھیں کہ خلفاء بنی عباس کو عید کے موقع پر جاہ وحشم کے ساتھ عیدگاہ جاتے ہوتے دیکھیں مگر آج دیکھا کہ وہ جاہ وحشم نہ تھا بلکہ آج جناب محمدؐ رسول اللہ کی سنت کا اتباع مقصود تھا ۔ فرزند رسول اللہ لباس مسنون میں طریقہ مسنون پر انوار رسالت کی ضیا پاشیوں کے ساتھ کاشانۂ امامت سے برآمد ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھا ۔ تکبیریں کہیں ۔ بیساختہ تمام لوگوں نے بھی تکبیریں کہیں ۔ دفعتاً زمانہ رسالت کی فضا آسمان و زمین کے مابین چھا گئی اور لوگوں پر ایک کیف طاری ہوگیا چونکہ آپ پا برہنہ تھے اس لئے لوگوں نے بھی جوتے اتار دیئے ۔ کچھ بدنہاد لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مامون رشید سے کہا کہ آپ نے دیکھا لوگوں کو آپ کے ساتھ کس قدر گرویدگی ہے اگر آپ عیدگاہ تک اسی طرح چلے گئے تو نہ معلوم لوگوں کے جذب و کیف کا کیا عالم ہو ۔ چنانچہ مامون رشید نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت کو اس انبوہ میں بڑی زحمت ہو رہی ہے آپ عیدگاہ تک

جانبکی زحمت نہ کریں۔ غرض اس حیلہ سے آپ کو روک دیا۔

حاکم نے محمد بن عیسیٰ اور اس نے ابو حبیب سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنے شہر کے اس مقام میں دیکھا جہاں حاجی اترتے ہیں۔ میں نے حضور کو سلام کیا اور دیکھا کہ حضورؐ کے پاس ایک طباق رکھا ہے۔ جس میں نہایت عمدہ کھجوریں ہیں۔ میرے سلام پر حضورؐ نے مجھے ۱۸ دلنے کھجور کے مرحمت فرمائے۔ اس خواب کے بیس دن بعد حضرت امام علی رضا مدینہ میں تشریف لائے اور اسی مسجد میں اُترے جس میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت کے سامنے بھی ایک طباق میں اسی طرح کھجوریں رکھی تھیں۔ لوگ حضرت کے سلام کو دوڑے۔ میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرت ٹھیک اُسی جگہ تشریف فرما ہیں جہاں میں نے خواب میں حضرت رسول خدا کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے حضرت کو سلام کیا تو حضرت نے جواب دیا اور اپنے قریب بُلا کر ایک مٹھی کھجوریں مرحمت فرمائیں میں نے گنیں تو ۱۸ تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اور کچھ مرحمت ہو۔ فرمایا اگر حضرت رسولِ خدا تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیتے تو میں بھی زیادہ دیتا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲)

نتیجہ یہ ہوا کہ جناب رسالت مآب اور ان آئمہ اہلِ بیت کے مابین کوئی حجاب حائل نہ تھا۔ مشکوٰۃِ نبوت کی شعاعیں براہِ راست ان پر پڑتی تھیں اور اس روشنی کی برکت سے ہر چیز ان پر عیاں ہو جاتی تھی۔

ابو نواس دربار بنی عباس کا مشہور شاعر تھا اس سے لوگوں نے کہا کہ تم نے کبھی حضرت امام علی رضا کی شان میں اشعار نہیں کہے ابو نواس نے کہا خدا کی قسم

حضرت ہی کی عظمت وجلالت کی وجہ سے مجھے جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ کہہ سکوں پھر کچھ دیر کے بعد حسب ذیل اشعار کہے

قیل لی انت احسن الناس طرا   فی فنون من الکلام النبیہ

لک من جید القریض مدیح   یثمر الدر فی ید ے مجتنیہ

فعلے ما ترکت مدح ابن موسےٰ   والخصال التی تجمعن فیہ

قلت لا استطیع مدح امام   کان جبریل خادما لابیہ

ترجمہ۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو۔ بلکہ اچھے اشعار ہیں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے رہتے ہیں۔ پھر تم نے حضرت امام موسیٰ کاظم کے فرزند (حضرت علی رضا) کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں کہا تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیو جن جلیل الشان امام کے آبائے کرام کے خادم جناب جبرئیل جیسے فرشتے ہیں آپکی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے" (ابن خلکان جلد ا۔ صفحہ ۳۲۱)

سلطنت بنی عباس امین کے زمانہ میں تباہ ہو رہی تھی۔ کام خودغرض وزراء کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وزراء کی خلاف ورزی کرے۔ اور حکومت کی اس تباہی کی اطلاع ماموں رشید کو مرو میں پہنچائے۔ جہاں وہ وائسرائے یا گورنر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ حضرت امام علی رضا نے ان تباہ کن حالات کی اطلاع ماموں رشید کو پہنچائی۔ اور ماموں رشید خود بغداد آیا۔ اس عرصہ میں فوج کے حبشی حصہ نے

جو حکومت کا بہی خواہ تھا امین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ غرض مامون رشید کے پہنچنے پر حکومت کی حالت درست ہوئی۔ اس طرح حکومت عباسیہ کو خطرہ سے بچانا، یہ کام حضرت امام علی رضا کے سبب ہی انجام کو پہنچا، ورنہ وزراء کی بدعنوانیوں کے خلاف کسی کو کھڑے ہونے کی جرأت ہی نہ تھی۔

حضرت امام تقیؑ

تاریخ ولادت ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ اور تاریخ وصال ۲۹ یا ۳۰ ذی قعدہ ۲۲۰ھ ہے۔ زہر سے شہادت واقع ہوئی۔ کاظمین میں دفن ہوئے علامہ شبلنجی نے لکھا ہے کہ حضرت اگرچہ صغیر السن تھے مگر آپ کی قدر بہت بڑی۔ آپ کی عزت بلند اور آپ کے فضائل کثرت سے تھے (نور الابصار)

حضرت امام رضاؑ کی وفات کے ایک سال بعد جبکہ آپ کی عمر صرف ۹ سال تھی آپ بغداد کے ایک محلہ میں بچوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اسی اثنا میں مامون رشید جو شکار کے لئے جا رہا تھا۔ اپنی سواری میں اُدھر سے گذرا۔ خلیفۂ وقت کی سواری دیکھ کر سب بچے اِدھر اُدھر ہو گئے مگر حضرت امام تقیؑ اپنی جگہ پر کھڑے رہے مامون رشید نے یہ دیکھ کر سواری ٹھہرائی اور دریافت کیا کہ صاحبزادے اور سب بچے تو بھاگ گئے آپ یہاں کھڑے رہے اور ہٹے نہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس لئے نہ ہٹا کہ راستہ تنگ نہ تھا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا اور میرا حسنِ ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون رشید نے اس عمر میں یہ ذہانت دیکھ کر پوچھا آپ کون ہیں۔ آپ کے والد کا کیا نام ہے

آپ نے بتایا۔ مامون رشید نے محبت سے آغوش میں اٹھا لیا۔ اور کہا کہ کیوں نہ ہو آپ حضرت امام علی رضا کے فرزند ہیں۔

دن بھر مامون رشید شکار میں رہا۔ شام کو واپس آیا تو پھر حضرت امام تقی سوار آتے ہی میں مل گئے۔ مامون رشید نے اپنی بند مٹھی دکھا کر پوچھا۔ اچھا آپ بتائیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے آپ نے برجستہ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پیدا کیں۔ سلاطین اپنے بازوؤں سے ان مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں اور اہل بیت رسالت کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون رشید نے بیساختہ کہا

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ

یعنی اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا مستقر کس گھر اور کس خاندان کو بنائے"

مامون رشید حضرت امام تقی کو اپنے پاس بلاتا اور دربار عام میں بڑی عزت اور احترام سے پیش آتا کچھ حاسد علماء نے یہ دیکھ کر کہنا شروع کیا کہ آخر اس بچپن میں آپ نے اُن کی کونسی علمی شان دیکھی کہ اس قدر عزت کرتے ہیں۔ مامون رشید نے کہا تم نہیں جانتے۔ یہ اس سے زیادہ عزت کے اہل ہیں۔ آخر ایک دن ایسے ہی چند حاسد علماء نے یک زبان ہو کر کہا کہ ایک روز ہم ان سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ مامون رشید نے منظور کر لیا۔ حضرت امام تقی کے سامنے علامہ قاضی یحییٰ ابن اکثم مناظرہ کے لئے آیا اور سوال کیا

آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک شکار کیا۔ آپ نے فوراً اس سوال پر یہ جرح قائم کی۔

۱۔ اس شخص نے وہ شکار حل میں کیا ہے یا حرم میں۔
۲۔ شکار کرنے والا عالم تھا یا جاہل۔
۳۔ اس نے یہ شکار جان کر کیا یا غلطی سے۔
۴۔ یہ شخص آزاد ہے یا غلام
۵۔ کم سن ہے یا بالغ اور عمر رسیدہ
۶۔ یہ پہلا قتل ہے یا دوسرا۔
۷۔ وہ شکار پرندہ ہے یا کوئی اور جانور۔
۸۔ شکار چھوٹا ہے یا بڑا۔
۹۔ شکار کرنے والا اپنے فعل پر نادم ہے یا اس پر اصرار کر رہا ہے۔
۱۰۔ رات کو شکار کیا یا دن کو۔

قاضی یحییٰ اتنے جرح کے سوالات اور اتنے جزئی پہلو سنکر اپنے سوال پر نادم ہوا اور اس برجستہ جرح سے متحیر ہوا۔ مامون رشید خوش ہو کر چلایا "اَحسَنتَ ۔ اَحسَنتَ یَا اَبَا جعفر" اس کے بعد مامون رشید نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ بھی قاضی یحییٰ سے کوئی سوال کریں۔

آپ نے فرمایا۔ اے قاضی بتاؤ۔ اس شخص کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو۔
۱۔ جس نے صبح کے وقت ایک عورت پر نظر کی۔ اور وہ اس پر حرام تھی۔
۲۔ دن چڑھے حلال ہو گئی۔
۳۔ ظہر کے وقت حرام ہو گئی
۴۔ عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی۔

۵ - غروب آفتاب پر پھر حرام ہو گئی۔
۶ - عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی۔
۷ - آدھی رات کو حرام ہو گئی۔
۸ - صبح کے وقت پھر حلال ہو گئی۔

بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام اور حلال ہوتی رہی۔ قاضی یحییٰ تو جواب سے عاجز بھی تھا اور مبہوت بھی تھا مامون رشید اور اہل دربار نے مرحبا اور احسنت کے نعرے بلند کئے۔ پھر مامون رشید نے عرض کیا کہ حضرت خود فرمائیں کہ ایسی صورت کیونکر ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

۱ - اول مرتبہ صبح وہ کسی کی لونڈی تھی اور اجنبی کے لئے حرام تھی۔
۲ - دن چڑھے اس اجنبی نے اس کو خرید لیا اور اب یہ اس مرد پر حلال ہو گئی۔
۳ - ظہر کے وقت اس نے اس کو آزاد کر دیا اور اب یہ اس مرد پر حرام ہو گئی
۴ - عصر کے وقت نکاح کر لیا اور پھر حلال ہو گئی۔
۵ - مغرب کے وقت ظہار کیا اور پھر حرام ہو گئی۔
۶ - عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دیا۔ حلال ہو گئی۔
۷ - آدھی رات کو طلاق رجعی دی حرام ہو گئی۔
۸ - صبح اس طلاق سے رجوع کر لیا اور حلال ہو گئی۔

غرض اس عمر میں حضرت کے یہ علمی کارنامے اور مناظرے دیکھ کر سب اہل دربار عش عش کرتے تھے۔ مامون رشید حضرت امام تقیؑ سے ہمیشہ بڑے احترام سے

پیش آتا رہا۔ اور آخر کار اپنی بیٹی اُمّ الفضل کی شادی بھی حضرت کے ساتھ کردی۔ (دوئم المصطفےٰ صفحہ ۱۹۱۔ صواعق صفحہ ۱۲۳۔ نورالابصار صفحہ ۱۶۱)

مگر اس کے بعد ایک وقت آیا کہ اعدائے خاندانِ رسالت نے آپ کو زہر سے شہید کردیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مامون رشید کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ خلیفہ ہوا اور اس نے حضرت امام تقی کے فضائل کا آوازہ سنا تو آپ کو مدینہ طیبہ سے بغداد طلب کیا۔ آپ ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے اور معتصم نے اسی سال آپ کو زہر سے شہید کرا دیا۔

حضرت امام نقیؑ

آپ کی تاریخ ولادت ۵ رجب المرجب ۲۱۴ھ اور تاریخ رحلت ۳ رجب المرجب ۲۵۴ھ۔ بغداد کے قریب "سُرَّ مَن رَاٰی" میں آپ کا آستانہ ہے آپ کی شہادت بھی زہر سے واقع ہوئی۔

حضرت امام نقیؑ اپنے زمانہ میں سب سے اجل اور افضل تھے۔ از روئے علم و فضل اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے۔ زہد اور تقویٰ کے لحاظ سے بھی آپ اپنے آباء صالحین کا نمونہ تھے۔ اور اسی طرح خلائق کے لئے مرجع انام تھے۔ خلیفہ متوکل باللہ عباسی آپ کا ہم عصر تھا۔ آپ کی جانب رجوعاتِ خلائق کی کیفیت دیکھی تو یہ خلیفہ بھی اس کو برداشت نہ کر سکا اور حضرت کی آزار رسانی کا سامان کرنے لگا۔ آخرکار آپ کو حبس میں رکھا۔ اسی اثناء میں خلیفہ متوکل بیمار ہوا تو اس کی ماں نے آپ سے دعا کے لئے عرض کرایا۔ آپ نے دعا کی اور اللہ تعالےٰ نے شفا عنایت کی حضور جس طرح اپنے اعداء کے لئے دعا فرماتے تھے اسی طرح آج آپ نے اپنے دشمن کے لئے دعاء فرمائی۔ یہ ہے ذریتِ رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ۔ اتباع سنت اور تعلیم قرآنی پر عمل کر حضرت نے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

کی تعلیم پر کیا عجیب و غریب نمونہ عمل پیش کیا۔

اس حالت حبس میں بھی آپ کسی کا سوال رد نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی حالت میں ایک کوفہ کا اعرابی حاضر خدمت ہوا اور اپنے قرض کی مصیبت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کتنا قرض ہے۔ اس نے کہا دس ہزار درہم۔ آپ نے اس کا اطمینان کیا اور دس ہزار درہم قرض کی ایک دستاویز لکھ کر دیدی اور فرمایا۔ کل یہاں آکر تم مجھ سے اس قرض کا مطالبہ کرنا۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا تو حضرت سے تقاضا کیا۔ آپ نے اس سے تین دن کی مہلت طلب کی اس کی اطلاع متوکل کو ہوئی اور اس نے تیس ہزار درہم آپ کے پاس بھجدیئے۔ حضرت نے وہ پوری رقم اس اعرابی کو دیدی۔ اس نے عرض کیا۔ میرے لئے دس ہزار کافی ہیں باقی حضرت رکھ لیں مگر آپ نے منظور نہ فرمایا اور ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا وہ اعرابی یہ کہتا ہوا چلا کہ

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

ایک دفعہ متوکل سے لوگوں نے چغلی کھائی کہ آپ جس مکان میں نظر بند ہیں۔ اسمیں ہتھیار وغیرہ جمع ہیں چنانچہ اس نے چند سپاہی مقرر کر دئے کہ آپ کو اچانک رات کے وقت گرفتار کر کے لے آئیں۔ چنانچہ سپاہی رات کے وقت اچانک آپ کے مکان میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ آپ اپنے حجرہ میں رو بہ قبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ سپاہیوں نے آپکو اسی حالت میں لیجا کر پیش کیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب لئے

ہوئے مے نوشی کر رہا تھا۔ حضرت کو دیکھ کر تعظیم کی اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا سپاہیوں نے بیان کیا کہ حضرت کے گھر میں سے کوئی چیز از قسم اسلحہ برآمد نہیں ہوئی۔ جس سے حضرت پر شک بالالزام قائم ہو۔ یہ سنکر متوکل نے وہ جام شراب جو اس کے ہاتھ میں تھا حضرت کی طرف بڑھایا۔ حضرت نے فرمایا میرا گوشت اور خون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھو اس پر متوکل نے کہا اچھا اگر آپ شراب نہیں پیتے تو کچھ اشعار پڑھیئے۔ آپ نے فرمایا مجھے شعر گوئی میں چنداں مداخلت نہیں۔ متوکل نے حضرت کا عذر قبول نہیں کیا۔ اور کہا ضرور کچھ سنائیے۔ حضرت نے مجبور ہو کر چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"دنیا کے بڑے زبردست بادشاہ پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر شاندار محلوں میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس اہتمام سے کہ قوی ہیکل دربان ان کے دروں پر پہرہ دیتے رہتے تھے مگر افسوس جب ان کو موت آئی تو وہ عالی شان محل اور وہ اونچے پہاڑ ان کو کچھ نفع نہ پہنچا سکے۔ بلکہ وہ اپنے پورے غلبہ اور حکومت کے بعد اپنے قلعوں سے نکال کر پھینک دیئے گئے۔ ان کو بھی موت نے نہ چھوڑا۔ عزت کی بلندی سے خاک مذلت میں گرا کر کشاں کشاں قبروں میں پہنچا دیا۔ افسوس وہ زمین کے گڑھوں میں کیسی بری جگہ ڈال دیئے گئے۔ جب وہ قبروں میں دفن کر دیئے گئے تو گویا بزبان حال ایک ہاتف نے ان سے پکار کر پوچھا قبر والو تمہارے تخت و تاج اور زرین حلے کیا ہوئے۔ تمہارے وہ چہرے کہاں گئے جو ہر وقت ناز و نعم ہی میں رہتے تھے اور جن کی حفاظت کے لئے پردے اور مہربان آراستہ کی جاتی تھیں۔ ہاتف کی اس صدا اور سوال پر گویا زبانِ حال سے قبر بولی کہ ان کے چہروں پر اب

کیڑے پھر رہے ہیں اور یہ کیڑے بھی خود انہی کو کھا رہے ہیں اور ان کے بدن نوچتے رہتے ہیں۔ یہ اشعار سن کر تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اور سب نے گمان کیا کہ متوکل حضرت کو ستائے گا مگر اس پر یہ اثر ہوا کہ ہچکیاں لے لیکر روتا تھا۔ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ دربار کے سب لوگ بھی روتے تھے۔ متوکل نے فوراً شراب ہٹوا دی اور دوسری باتیں شروع کر دیں۔ (وفیات الاعیان جلد ۱۔ صفحہ ۳۲۲)

ایک دفعہ ایک ضعیفہ نے آ کر خلیفہ سے کہا میں سیدانی ہوں اور قرضدار ہوں تم میری مدد کرو۔ خلیفہ نے کہا کہ سادات کی کیا شناخت ہے اہل دربار کے مشورہ سے یہ سوال حضرت امام نقی کے دربار میں بھیجا گیا۔ جواب آیا کہ درندوں پر سادات کا گوشت حرام ہے۔ اور یہی سادات کی شناخت ہے کہ درندے ان کو آزار نہیں پہنچاتے۔ خلیفہ نے اس عورت سے کہا کہ آیا وہ اس امتحان کیلئے آمادہ ہے وہ عورت ڈر گئی۔ اور اس نے کہا کہ میں نے فرضی طور پر کہدیا تھا میں واقعی سیدانی نہیں ہوں اس کے بعد خلیفہ کے درباریوں نے کہا کہ خود حضرت امام نقی کو کیوں نہ اس طرح آزمائش کی جائے۔ خلیفہ نے ایک دن مقرر کیا اور حضرت کو دعوت کے لئے کہلا بھیجا اس مقصد کے لئے دو منزلہ مکان تجویز ہوا۔ اوپر کی منزل میں خلیفہ اور اس کے ساتھی پیشتر سے بیٹھ گئے۔ اور نیچے کی منزل میں خونخوار درندے چھوڑ دیئے گئے۔ وقت مقررہ پر امام نقی تشریف لائے اور بے خوف وخطر درندوں میں سے گذرے۔ وہ درندے پلے ہوئے جانوروں کی طرح سے پیش آئے۔ اور آپ نے بھی شفقت کے ساتھ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ بالاخانہ پر تشریف لے آئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اسی طرح ان خونخوار درندوں میں سے واپس

تشریف لے گئے۔ درباری لوگوں نے خلیفہ متوکل سے کہا کہ آپ بھی ایسا کر کے دکھائیں۔ متوکل نے کہا کہ کیا تم مجھ کو ہلاک کرانا چاہتے ہو۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

آپ خلیفہ معتز باللہ کے زمانہ میں زہر سے شہید کئے گئے۔

(تذکرہ خواص الائمہ)

اس وقت حضرت کی عمر شریف ۴۰ سال تھی ۲۴۳ھ میں متوکل نے آپ کو حبس میں رکھا اور اسی حالت میں گیارہ سال گذر رہے۔

حضرت امام حسن عسکری ؑ

آپکی تاریخ ولادت ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ ہے اور تاریخ وصال ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ ہے۔ آپ بھی زہر سے شہید ہوئے "سُرمن رائی" بین بغداد کے قریب آپ کا آستانہ ہے

حضرت ایک روز بچپن میں چند لڑکوں کے قریب کھڑے رو رہے تھے اور یہ سب بچے کھیل میں مشغول تھے۔ اتفاقاً ادھر سے بہلول دانا کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت کو روتا ہوا دیکھ کر کہا آپ رنجیدہ نہ ہوں آپ کے کھیلنے کے لئے بھی کچھ کھیل کا سامان لاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اے کم عقل ہم کھیلنے کیلئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ بہلول نے پوچھا پھر کس لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرمایا علم اور عبادت کے لئے۔ بہلول نے کہا یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا۔ فرمایا خدائے عزوجل سے

اَفَحَسِبۡتُمۡ اِنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ

(پارہ ۱۸ رکوع ۶)

یعنی کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمکو عبث کھیل کیلئے پیدا کیا اور تمہاری بازگشت ہماری طرف نہ ہوگی۔ اس جواب سے بہلول نے یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں۔

بلکہ ہادی خلق ہے عرض کیا کہ مجھے کچھ وعظ فرمائیں حضرت نے چند اشعار وعظ و پند سے بھرے ہوئے بیان فرمائے اور اس کے بعد خود غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو بہلول نے عرض کی یہ وعظ فرماتے ہوئے آپ کو کیا ہو گیا تھا جو غش کھا کر گر پڑے خوف خدا کا خیال تو اس لئے نہیں ہوتا کہ آپ بالکل بچہ ہیں اور گناہ کا نام تک نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا" بہلول کیا کہتے ہو۔ میں والدہ کو دیکھتا ہوں کہ جب چولھا جلاتی ہیں تو بڑی لکڑیوں سے آگ روشن نہیں ہوتی۔ پھر چھوٹی لکڑیاں لگانے سے آگ روشن ہوتی ہے میں ڈرتا ہوں کہ جہنم کے بڑے ایندھن کو روشن کرنے کے لئے جو چھوٹی چیزیں ایندھن بنیں گی انہیں میرا شمار نہ ہو۔" (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۱)

ایک دفعہ سامرہ میں سخت قحط پڑا تو خلیفہ وقت معتمد نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہیں برسا چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور انہیں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے۔ اور پانی برسنا شروع ہو گیا۔ اسی طرح اس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور اسی طرح پھر بارش شروع ہوئی۔ یہ دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا یہاں تک کہ اکثر اشخاص کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے اور بعض ان میں سے اسی وقت مرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ وقت پر بہت ہی شاق گذرا اور حضرت امام حسن عسکری کو طلب کر کے عرض کیا کہ حضرت اپنے جدِ امجد کے کلمہ گویوں کی خبر لیں۔ اور ان کو اس مصیبت سے بچائیں۔ حضرت نے فرمایا " راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آ کر دعائے باران کریں انشاءاللہ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دونگا۔" چنانچہ دوسرے روز وہ لوگ میدان میں جمع ہوئے اور

اُس راہب نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت نے ایک شخص کو فرمایا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز اس کے ہاتھ میں ہے لے لو۔ اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی۔ اور اس سے لیکر حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے راہب سے کہا اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کر اس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہوگیا۔ اور دھوپ نکل آئی۔ لوگ متحیر ہوئے اور خلیفہ معتمد نے حضرت سے پوچھا کہ اسمیں کیا راز ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ کسی نبی کی ہڈی ہے جس کے وسیلہ سے راہب اپنے مدعا میں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ آسمان کے نیچے کھولی جائیگی تو باران رحمت ضرور نازل ہوگی یہ سن کر لوگوں نے اُس ہڈی کا امتحان کیا تو اس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرت نے بیان کی تھی اس طرح لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوگئے تھے مطلقاً زائل ہوگئے اور حضرت اس ہڈی کو لیکر اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔ (صواعق محرقہ)

پھر حضرت نے اس متبرک ہڈی کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔

(اخبار الاول صفحہ ۱۱۷)

اسحاق کندی اپنے زمانہ میں عراق کا سب سے بڑا فلسفی شخص تھا اس نے کلام مجید میں تناقض ثابت کرنا چاہا یعنی ایک آیت کا دوسری آیت کے خلاف اور ایک مضمون کا دوسرے مضمون کے برعکس ہونا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک کتاب تناقض القرآن لکھنی شروع کی۔ اسی اثنا میں اس کا ایک شاگرد حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا تمہاری جماعت میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے

جو اسحاق کندی کو اس کام سے روک سکے اس شخص نے کہا کہ میں تو اس کا شاگرد ہوں کیونکہ اس پر اعتراض کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جو میں کہوں اُسے اس تک پہنچا دو۔ اس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا تم پہلے اس کے ساتھ نہایت نرمی اور سہولت کے ساتھ بسر کرو۔ اور ایک موانست پیدا کر لو۔ اور اس کے کام میں اس کی مدد کرو۔ اس طرح جب وہ مانوس ہو جائے اور تم پر اس کا پورا اعتماد ہو جائے تو اس سے کہو کہ یہاں مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے اس کا جواب سمجھا دو۔ اس پر وہ شبہ دریافت کریگا۔ تو کہنا کہ صاحب قرآن (خدا) اگر اس کتاب کو تمہارے پاس لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو وہ تمہارے سمجھے ہوئے مطلب و معنی کے خلاف ہو جب وہ اس سوال کو سُنے گا تو چونکہ وہ ذہین شخص ہے فوراً کہدے گا کہ ہاں ضرور ہو سکتا ہے جب وہ یہ کہے تو تم اس سے کہنا کہ پھر اس کتاب کے لکھنے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ ممکن ہے تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے ہو وہ خدائی مقصود و معنی کے خلاف ہو۔ اس صورت میں تمہاری محنت ضائع جائیگی۔ کیونکہ تناقض تو جب ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا مطلب صحیح اور مقصود خدا کے مطابق ہوتا۔ جب ایسا نہیں تو تناقض کہاں۔ غرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور کچھ موانست پیدا کرنے کے بعد اس اعتراض کو پیش کیا جس کو سُنکر وہ متحیر ہو گیا اور کہا کہ پھر بیان کرو۔ .... شاگرد نے دوبارہ بیان کیا۔ اب کچھ دیر تک اسحاق کندی نے غور و فکر کیا اور سمجھا کہ بیشک اس قسم کا احتمال بہ اعتبار لغت اور فکر کے ہو سکتا ہے پھر اس شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں تم کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ یہ اعتراض تم کو کس نے سکھایا

اس نے کہا کہ حضرت امام حسن عسکری نے مجھ سے فرمایا تھا اس پر اسحاق کندی نے کہا بے شک ایسے دقیق اور مشکل علمی مسئلہ اس خاندان رسالت کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ پھر اس نے آگ منگائی اور تناقض القرآن کا پورا مسودہ جلا دیا (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۲۔ مناقب صفحہ ۱۲۷)

حضرت کو خلیفہ معتمد علی اللہ نے زہر دلوا دیا۔ جس سے حضرت نے ۲۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مقام سامرہ میں اپنے والد ماجد حضرت امام نقی علیہ السلام کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ جب آپکی شہادت واقع ہوئی تو پورا شہر سامرہ ہلنے لگا۔ رونے پیٹنے کا شور برپا ہو گیا۔ بازار معطل ہو گئے۔ دوکانیں بند ہو گئیں لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ تمام عام و خاص۔ اہل علم۔ ارکان دولت۔ اعیان حکومت حضرت کے جنازے میں شرکت کے لئے دوڑے۔ شہر سامرہ اس روز قیامت کا نمونہ بن گیا تھا جب لوگ تجہیز سے فارغ ہوئے تو حضرت حجت خدا امام عصر علیہ السلام نے حضرت کے جنازے کی نماز پڑھی۔ (نور الابصار صفحہ ۱۶۸)

حضرت امام العصر والزمان امام مہدی علیہ السلام

حضرت کا اسم گرامی محمدؐ۔ کنیت ابوالقاسم اور القاب حجتہ اللہ مہدی۔ خلف صالح۔ قائم۔ منتظر اور صاحب الزمان ہیں ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰ء حضرت شہر "سر من رائی" میں پیدا ہوئے حضرت کی ولادت کے وقت بنی عباس کا خلیفہ معتمد علے اللہ بن متوکل بادشاہ وقت تھا۔ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ حضرت کی عمر آپ کے والد کے انتقال کے وقت پانچ سال کی تھی۔ لیکن اسی عمر میں خدائے تعالےٰ نے حضرت کو کمال علم و حکمت مرحمت فرمایا تھا۔ آپ کا نام قائم اور منتظر بھی ہے۔ اور یہ نام آپ کا اس لئے رکھا گیا کہ آپ پوشیدہ ہو گئے۔ اور معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔ شیعوں کا قول ہے کہ وہی مہدی موعود ہیں۔ (صواعق محرقہ)

اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ ایسی ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پھر جیسا کہ قرآن میں ہے گہوارہ ہی میں آپ نے کلام کیا۔ اور اپنی نبوت کا اظہار کیا اور اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت عطا کی۔ اس کی ایسی قدرت کاملہ سے بعید نہیں کہ جناب سید الانبیاء کی ذریت کو بھی یہ

شرف عطا کرے کہ وہ بچپن ہی میں علم و حکمت سے آراستہ ہوں۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کا پورا زمانہ ختم ہو جائے جب بھی خدا اسی روز کو اتنا بڑھا دے گا کہ اسمیں میرے خاندان کے اس شخص (حضرت مہدی) کو ضرور بھیجے گا جس کا نام بھی میرے جیسا ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (ترمذی صفحہ ۲۷۰)

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی مشہور حدیث ہے۔

من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃً جاھلیۃ ہ

ترجمہ:۔ جو شخص مرجائے اور اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو۔ وہ کافروں کی موت مریگا۔ (کنز العمال۔ شرح عقائد۔ شرح فقہ اکبر)

اس قول کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا امام رہے جسکی معرفت لوگ حاصل کرتے رہیں۔ اور وہی امام حضرت محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔ جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث کے مطابق بارہویں خلیفہ اور حضور کی اولاد سے ہیں۔ آپ ظلم و جور کو دنیا سے دور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے یہ مشہور حدیث مسلمہ بین الفریقین ہے کہ "میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہوں گے" اور اس کے مطابق آپ بارہویں خلیفہ ہیں۔

ملا جامی نے شواہد النبوت میں امام عبد الوہاب شیرانی نے لوقح الانوار میں شیخ محی الدین عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے رسالہ آئمہ اطہار میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں ابن صباغ مکی نے فصول مہمّہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے فضل مبین میں لکھا ہے

کہ حضرت امام مہدی پیدا ہو کر غائب ہو چکے اور اب تک موجود ہیں۔ اور زندہ ہیں اور جو حضرت کے اتنے دنوں تک غائب اور زندہ رہنے میں شک و شبہ کرتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کہ خدا جس کو زندہ رکھے اس کو موت کسی طرح نہیں آسکتی۔ خدا نے حضرت آدم کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت خضر حضرت الیاس حضرت ادریس حضرت عیسیٰ کو اب تک زندہ رکھا ہے وہی خدا اگر حضرت امام مہدی کو بھی دنیا سے حجت قائم رکھنے کے لئے زندہ رکھے تو کیوں تعجب کیا جائے۔

جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سنا کہ حضرت فرماتے ہیں " اس دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے یہ مٹ نہیں سکتا۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے"۔ (صحیح مسلم جلد ۲۔ صفحہ ۱۱۹)

حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " میرے بعد بارہ سردار اور حاکم ہوں گے اور وہ سب قریش ہی سے ہوں گے"۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن۔ باب الاستخلاف پارہ ۲۹ صفحہ ۶۳۸)

بارہ اماموں کے نام کی تصریح

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے نام کی تصریح بھی فرما دی ہے۔

(۱) حضور اقدس جناب حسین سے فرماتے تھے تم امام ابن امام حجتہ فرزند حجتہ اور نو حجتوں کے باپ ہو جن کے نویں بزرگ قائم ہونگے (مودۃ القربیٰ صفحہ ۳۴)

(۲) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے کل وصی بارہ ہونگے پہلے علی اور آخری قائم مہدی ہونگے (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۴۵)

(۳) جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اولی الامر کی تفسیر پوچھی تو فرمایا وہ میرے بارہ خلیفہ ہیں جو میرے بعد ہونگے اس طرح پہلے علی پھر حسن - پھر حسین - پھر علی بن حسین پھر محمد باقر - پھر جعفر صادق پھر موسیٰ کاظم - پھر علی بن موسیٰ - پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر محمدؐ مہدی - (روضۃ الاحباب جلد ۳ - قلمیہ - ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۹ - ۳۷۳)

دوازدہ آئمہ کے علاوہ خاندانِ نبوی کی دوسری شاخیں اور ان کی دینی خدمات

ہم اس موقعہ پر حسب ذیل تین شاخوں کا ذکر کریں گے۔

(۱) حضرت زید بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔ حضرت یحییٰ ابن زید علیہ السلام حضرت عیسیٰ ابن زید علیہ السلام۔

(۲) حضرت امام ناصر بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(۳) حضرت ابو محمد عبید اللہ المہدی باللہ بن حضرت اسمٰعیل بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (خلفاء فاطمین)

خاندان نبوی کی علمی روحانی اور سیاسی خدمات کی تفصیلات اتنی ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال ہمارے سلسلۂ بیان میں جتنا امکان ہے آگے آتا ہے۔ فی الحال ہم سنین کے لحاظ سے اور ممالک کے لحاظ سے ایک مختصر یادداشت اس جگہ بطور فہرست لکھتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے۔

(۱) سنہ ۲۶۰ھ تک جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں حضرت امام حسین ؑ کی اولاد میں حضرت امام زین العابدین ؑ سے حضرت امام حسن عسکری ؑ تک رشد و ہدایت کا سلسلہ

جاری رہا ان کے تبحر علمی اور اثرات تقوی کا یہ عالم تھا کہ حرمین شریفین کے اندر موسم حج میں تمام امت کی گرویدگی کے مظاہرے ہوتے۔ اکابر امت ان سے استفادہ علمی کرتے اس ہجوم کو جب خلفائے بنی امیہ دیکھتے تو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کی گرفتاریاں ہوتیں۔ حبس میں رکھا جاتا اور آخر زہر سے شہید کر دیا جاتا۔

(ب) حضرت امام زین العابدین کے ایک صاحب زادہ حضرت امام محمد باقر جو مذکور الصدور سلسلہ میں ہیں اور دوسرے صاحب زادے حضرت زید تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ اور علم و عرفان کا یہ عالم تھا کہ آپ کو حلیف القرآن (قرآن مجید کے ساتھی) کے نام اور لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ چونکہ عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی بنی ہاشم پر بڑا ظلم کر رہا تھا۔ اس لئے آپ داد خواہی کے لئے خلیفۂ وقت ہشام کے پاس گئے۔ مگر ہشام بہت بے عنوانی سے پیش آیا آپ نے اس کو سلام کیا۔ تو اس نے کہا کہ خدا تم کو سلامت نہ رکھے اس پر جناب زید نے کہا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۝

یعنی اے خلیفہ خدا سے ڈر۔ ہشام نے فرعونیت سے کہا کہ تم مجھے خدا سے ڈرانے کیلئے کہتے ہو۔ غرض بد مزگی بڑھ گئی۔ اور اس کے بعد حجاز کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف چلے گئے۔ آخر ہشام کے ساتھ تصادم ہوا اور آپ شہید ہوئے آپ کے سر کو قلم کر کے ہشام کے پاس بھیجا گیا۔ جسد اقدس کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ عمدۃ الطالب کے صفحہ ۲۴۸ پر ہے کہ جب جناب زید سولی پر چڑھائے گئے تو ایک شخص نے

رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس درخت سے (جس پر جناب زید کو سولی دی گئی تھی) ٹیکے گئے فرماتے ہیں۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

افسوس یہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ یہ ظلم کر رہے ہیں۔"

جناب زید کے شہید ہونے پر آپ کے صاحب زادے حضرت یحیٰی بن زید کی تلاش کے لئے حکومت کے احکام جاری ہو گئے۔ اور آپ کو ملک در ملک پناہ گزین کی طرح پھرنا پڑا۔ آخر مجبور ہو کر ۷ اشخاص کی جمعیت قلیل کے ساتھ ہشام کی دس ہزار فوج سے تصادم ہوا آپ کی مختصر جماعت نے اتنے بڑے لشکر کو منتشر کر دیا۔ خود ہشام کا سپہ سالار عمر بن زرارہ بھی قتل ہوا (تاریخ طبری جلد ۸۔ صفحہ ۳۰۔ مطبوعہ مصر) اس وقت حضرت یحیٰی بن زید کی عمر ۱۸ سال تھی۔ آخر ایک دوسرے تصادم میں آپ شہید ہوئے۔ آپکا سرِ اقدس تنِ اطہر سے جدا کیا گیا۔ دست و پا کاٹے گئے۔ اور آپ کے بدن کو سولی پر چڑھایا گیا۔ یہ واقعہ خلیفہ ولید کے زمانہ میں ہوا۔ اور اُسی مردود کے حکم سے آپ کے جسدِ اقدس کی توہین کی گئی۔ غرض پھر آپ کے بھائی حضرت عیسٰی بن زید کے ساتھ اسی طرح مظالم برپا کئے گئے۔ حضرت عیسٰی بن زید بھی بڑے عالم اور بڑے عبادت گذار تھے۔ آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ منصور خلیفہ عباسی کے زمانہ میں خود ہشام کے بیٹے محمد ہشام کی جان بچائی حالانکہ اس کے باپ ہشام ہی نے آپ کے خاندان پر مظالم توڑے تھے۔

(ج) حضرت امام محمد باقرؒ کے ایک صاحب زادے حضرت امام ناصرؒ ہیں ان کے حالات اور وفات شہادت تفصیل سے ملتے ہیں آپ نے سنہ ۱۳۰ھ میں ہندوستان کی طرف ایک تبلیغی سفر کیا اور سونی پت میں مع ہمراہیوں کے شہادت پائی۔ آستانہ امام صاحب سونی پت میں مرجع انام ہے۔

حالات حضرت امام ناصر علیہ السلام ابن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

ہمارے مطالعہ میں ایک مستقل کتاب سیرت ناصریہ کے نام سے گذری ہے اسمیں نہایت مستند تاریخی کتب کے حوالہ جات سے لکھا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ایک صاحبزادے محمد بن قاسم سے پیشتر ہندوستان میں آئے تھے ان کا نام نامی سیدنا حضرت امام عبداللہ الملقب بہ ناصر الدین شہید سونی پتی ہے۔ آپ حضرت امام محمد باقر کے صاحبزادے ہیں اور سونی پت میں ان کا آستانہ عالیہ درگاہ امام ناصر صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

سیرت ناصریہ کے واقعات کی سند میں حسب ذیل حوالہ جات تاریخی موجود ہیں

تاریخ قصر عارفان و تاریخ نفلی (مؤلفہ علامہ شیخ ابو الفضل کرمانی) سفرنامہ ابن بطوطہ و انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی۔ تاریخ فیروزی جلد سوئم۔ مطبوعہ قسطنطنیہ

اکثر اولیائے کرام مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے بھی اپنے اپنے

اوقات میں زیارتِ آستانۂ اقدس کی ہے۔ یہ ہندوستان میں پہلا آستانۂ اقدس ہے سلاطین نے بھی اس آستانہ کی زیارات کی ہیں۔ اوقاف نذرِ آستانہ عالیہ کئے ہیں جن کا انتظام صاحبِ آستانہ عالیہ کی اولادِ امجاد کے سپرد رہا۔

ذیل کے حالات کتاب افق المبین در احوال بزرگانِ ہند سے لئے گئے ہیں۔

سب سے پہلے یعنی ۱۳۰ھ میں ہندوستان میں آنے والوں اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں میں حضرت سید ہمام ذو عالی مقام سید عبید اللہ امام ناصر الدین شہید کے نام نامی سے مشہور ہیں۔ آپ جلیل القدر سادات حسینی ہیں۔ تبلیغ دین کے واسطے ہندوستان تشریف لائے تاریخ شہادت ۱۲ محرم الحرام ہے آپ کے فیضان سے عالم روشن ہے۔ جس کو مفصل حالات معلوم کرنے ہوں تاریخ فضلی کا مطالعہ کرے۔ قبر شریف آپ کی سونی پت میں زیارت گاہ خاص و عام ہے بلکہ جملہ اقلیم ہند میں مشہور ہے۔ اور سب آپ کی حمایت میں ہیں۔ اور تا قیامت رہیں گے۔ تفصیل واقعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت امام محمد باقر ابن حضرت امام زین العابدین کا سفر نیشاپور۔ ہشام بن عبد الملک خلیفہ دمشق کا زمانہ ۱۰۵ھ سے ۱۳۰ھ تک ہے اسی وجہ سے ہشام کی مخالفت اور آزار رسانی کے سبب حضرت امام محمد باقر حضرت امام جعفر صادق کو ساتھ لیکر نیشاپور تشریف لائے۔ باقی خاندان کو (بروایت تاریخ فضلی) وطن مبارک میں اور بروایت دیگر مصر میں پہنچا دیا۔ جہاں امام موصوف کے قرابت دار رہتے تھے۔ حضرت کی اولاد سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق جو ہمراہ سفر تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ جو رحلت فرما چکے تھے۔

(۳) حضرت عبیداللہ الملقب بہ امام ناصر الدین ؒ آپ کی عمر سفر نیشاپور کے وقت تین سال تھی۔

۲۔ حضرت امام محمد باقر نے حضرت عبیداللہ ناصر الدین کو ۵ سال کی عمر میں نیشاپور طلب فرمایا۔ حضرت مع اپنی دایہ کے براہ دریائے دجلہ (واقع عراق) روانہ ہوئے راستہ ہی میں کشتی کو حادثہ پیش آیا۔ مگر خدا کے فضل سے حضرت مع دایہ کے محفوظ رہے اور شہر واسط کے کنارہ پر پہنچے۔ اسمٰعیل بن موسیٰ واسطی شہر واسط کا رئیس التجار تھا اس نے دیکھا اور دایہ سے تفصیلات دریافت کیں اور حضرت کا نسب حسب معلوم کیا اور انتہائی عقیدت کے ساتھ حضرت کو عراق میں اپنے شہر واسط میں لے گیا۔ راز دارانہ آپکی خدمت انجام دیتا رہا تاکہ یہ سعادت اس کو میسر رہے۔ حضرت کی تعلیم کے لئے امام ابن المبارک سے جو اس وقت بغداد میں یکتائے زمانہ تھے خط وکتابت سے معاملہ طے ہوا۔ انہوں نے دوران تعلیم میں حضرت کی ذہانت اور عقل وفہم سے متاثر ہو کر حضرت کے حالات دریافت کئے۔ تحقیق حال کے بعد بڑی عقیدت سے اس خدمت کو جاری رکھا لیکن اہل ارادت کو یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ راز فاش نہ کر دیں۔ انکو شبہ کی نظر سے دیکھا گیا تو یہ وہاں سے نیشاپور چلے گئے۔

۳۔ حضرت امام محمد باقر نے مدینہ طیبہ مراجعت فرمائی تھی وہاں اعداء کے زہر دینے سے ۱۱۴ھ میں رحلت فرما گئے۔ اسی اثناء میں حضرت امام جعفر صادق کو اپنی مبارک سے اپنے بھائی امام ناصر الدین کے حالات معلوم ہوئے کہ آپ سلامتی کے ساتھ شہر واسط میں مقیم ہیں آپکو اس اطلاع سے بڑی مسرت ہوئی۔ آپ ہنوز نیشاپور میں تھے

آدمی روانہ کیے گئے اور آپ نے حضرت امام ناصر الدین کو اپنے پاس نیشاپور میں بلا لیا۔ حضرت امام ناصر الدین نے مشہد کو اپنا مقام بود و باش بنا لیا، اور ایک سال تک دونوں بھائی نیشاپور ہی میں رہے۔

۴۔ حضرت امام ناصر الدین نے ایک خواب دیکھا اور اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی زیارت ہوئی اور حضرت علی کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔

لَیسَ العِبَادَۃ مِثلُ الشَّہادَۃ

یعنی شہادت کے مثل اور شہادت جیسی کوئی عبادت نہیں"۔

اس کے بعد حضرت امام ناصر الدین کو شہادت کا ایک شوق دامن گیر ہو گیا تبلیغی مشاغل جاری تھے اس تبلیغی مقصد سے حضرت ایک جماعتِ کثیر کے ساتھ مشہد سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت حضرت کے ہمراہ ایک ہزار کی جمعیت تھی۔ آپ کے بھانجے بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت امام جعفر صادق کو اس جدائی سے رنج ہوا لیکن چونکہ ارادہ خیر پر مبنی تھا روک بھی نہ سکے۔ اس وقت ہندوستان کی راجدھانی قنوج تھی حضرت نے غزنی پہنچکر قنوج کا قصد کیا۔ یہاں اپنے تبلیغی سفر اور جہاد کے متعلق ایک تقریر فرمائی اور اپنا مقصد واضح کر دینے کے بعد سب کو اجازت دی کہ جو چاہے واپس جا سکتا ہے۔ چنانچہ کئی سو آدمی یہاں سے واپس ہو گئے ہندوستان میں داخل ہوتے وقت آپ کے ہمراہ کل ۶۶ آدمی تھے دریائے سندھ عبور کیا جو لوگ حالات دریافت کرتے ان کو کہہ دیا جاتا کہ ہم راجہ قنوج کے ہاتھ اپنے گھوڑے بیچنے جا رہے ہیں۔

۵ قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ مومنین سے اللہ تعالیٰ ان کی جانیں اور ان کا

مال جنت کے عوض خریدتا ہے اور جہاد و شہادت کا مرحلہ واقع ہوتا ہے۔ اور مقابل دشمن خدا ہی ہوتا ہے جو سبب جہاد بنتا ہے)

۵۔ غرض اسی طرح حضرت مع ہمراہیوں کے سونی پت میں پہنچے یہاں کے راجہ نے حضرت کے گھوڑے زبردستی لینے چاہے اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد تصادم ہو گیا اور جہاد کی نوبت آئی۔ دیر تک آپ اور آپکے ہمراہی بڑی شجاعت سے جنگ کرتے رہے۔ آخر زخمی ہو کر حضرت امام ناصر الدین اور آپ کے ہمراہی شہید ہو گئے۔ صرف آپکے ایک ہمراہی مہتر جوہر بچ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لی۔ ایک شخص نے ان کی خیر و برکت اور کرامت دیکھ کر ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔ عرصہ تک اجسام ظاہر مقام شہادت پر رہے اور کوئی سامان تدفین نہ ہوا اجسام طاہرہ سے مشک کی بو آتی تھی۔ زخم تازہ تھے اور اُن سے خون جاری تھا آخر غیب سے تدفین کی ایک صورت پیدا ہوئی اور وہ یہ کہ یہاں کے عام کفار۔ راجہ اور راجہ کے اراکین سلطنت راتوں کو یہ خواب دیکھتے کہ تمام شہدا برہنہ شمشیریں ہاتھوں میں لئے جنگ کر رہے ہیں۔ یہ ہیبت ناک خواب دیکھ کر ڈرتے اور چونک پڑتے اور چارپائیوں سے گر گر پڑتے۔ اس کے علاوہ پے در پے دیگر گوناگوں مصائب میں گرفتار ہوتے رہتے۔ آخر راجہ دہلی اس طرف آیا اور یہاں کے حالات عجیب سنے۔ شہدا کو دیکھا اور اس امر پر بھی ایک ہیبت طاری ہوئی واپس دہلی جا کر اپنے وزیر شیو چند برہمن سے حالات بیان کئے۔ شیو چند کو انہی ایام کے اندر حکم ہوا کہ آئین اسلام کیساتھ مہتر جوہر کے مشورہ سے خدمت تدفین شہدا انجام دی۔ مہتر جوہر کا جو ایک گاؤں میں پوشیدہ تھے پتہ بتایا گیا۔ چنانچہ اس حکم

کی تعمیل کی گئی اور اسکے بعد ان کے مصائب اور پریشانیاں رفع ہوئیں اس واقعہ سے یہاں کے ہندؤں کو عقیدت ہوگئی۔

۶۔ حضرت امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور خرق عادات بسلسلہ فتح چیتوڑ بہ زمانۂ شہنشاہ اکبر کتاب انفاس العارفین مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی میں لکھا ہے۔

"ایں فقیر از بعض احفادِ شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم (از اولادِ حضرت امام ناصر الدین) استماع نمودہ کہ وے رحمۃ اللہ علیہ عالم و متورع بود و جلال الدین اکبر بادشاہ او را محترم و معظم داشتے و بعد از آنکہ بادشاہ الحاد و زندقہ پیش گرفت رشتۂ الفت از ہم گسست و تنفر تمام از ہر دو جانب بظہور پیوست۔ بعد مدتے بادشاہ را مہم چیتوڑ پیش آمد۔ افواج متواترہ آں سمت فرستاد و فتح میسر نشد درایں ولا شبے بعض معتکفان مزارِ امام ناصر الدین شہید ابن امام محمد باقر در بیداری دید کہ رئیسے و جماعتہ با آلۂ جنگ آمدند و با ایشاں مشعلے بود و در قبۂ آں مزار داخل شدند۔ گمان برد کہ مسافرانند کہ مقصدِ زیارت دارند۔ پیش آمد۔ دید کہ آں رئیس در قبر داخل شد و ہر یکے از آں جماعتہ در قبرے در آمد۔ از بعض آں قوم سوال کرد کہ کجا رفتہ بود و چہ کردند۔ گفت بہ فتح چیتوڑ رفتہ بودند و آں را در ساعتِ کذا از جانب کذا فتح کردند۔

شیخ عبد الغنی چوں بریں واقعۂ عجیبہ اطلاع یافت بشارتِ فتح و صورتِ واقعہ بعینہا بعرضِ بادشاہ رسانید۔ بعد از زمانے صورتِ فتح از چیتوڑ بہ ہماں اسلوب معروض گشت بے کم و کاست بادشاہ دوازدہ دہ تحفائے مزارِ امام کردہ بشیخ عبد الغنی

حوالہ نمود ....

خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ از شیخ مجدد احمد سرہندی قدس سرہٗ نقل کردہ کہ ایشاں فرمودند کہ حضرت والدین بمدتے جویاں بودند ملاقات شیخ عبدالغنیؒ کہ درویشے بود از شہر سونی پت بس معمر و بزرگ ....

روضۂ اقدس میں ایک مسجد واقع ہے جو غیاث الدین بلبن نے از راہ ارادت و عقیدت تعمیر کرائی تھی۔ آج مغربی پنجاب (پاکستان) کے ضلع سرگودہا میں سونی پت کے مہاجر کثرت سے آباد ہیں۔ اور وہ سب سونی پت میں حضرت امام ناصر الدینؒ کے آستانہ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ صاحب سجادہ بھی ملتان کے قریب ضلع مظفر گڑھ میں آباد ہیں، انکی حیثیت بھی آج مہاجرانہ ہے۔ قیام سرگودھا کے زمانہ میں راقم الحروف کی سونی پت کے مہاجرین سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ اور آستانہ عالیہ حضرت امام ناصر الدین کے حالات معلوم ہوئے ہیں۔ خود صاحب سجادہ سے بھی کئی مرتبہ شرف ملاقات میسر ہوا۔ بڑے صاحب اوقات بزرگ ہیں نہایت سادہ زندگی ہے۔ بے نیازی اور استغنا کے ساتھ کسر نفسی اور تقویٰ اس طرح آپکی ذات میں جمع ہوگیا ہے کہ دل آپکی طرف کھنچتا ہے۔

عامۃ الناس کی غفلت پر افسوس ہوتا ہے جو مردان حق کی تلاش سے بے فکر ہیں جنکی صحبت کی تاثیرات انسان کو انسان بنا دیتی ہیں آج عامۃ الناس کا یہ حال ہے کہ جب نمود و ریاء کی تعمیر کھڑی کرکے کوئی شخص اسمیں بیٹھتا ہے تو یہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان ہادیان راہ حق کو نہیں پہچانتے جو سنت کے اسلوب پر سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہدایت خلق کا سرچشمہ ہونے کی پوری پوری صلاحیت

رکھتے ہیں۔

اب ہم حضرت امام جعفر صادق کے ان فرزندان ارجمند کے حالات لکھتے ہیں جو حضرت اسمٰعیل ابن امام جعفر صادق کی اولاد سے ہیں اور خلفائے فاطمین کے نام نامی سے مشہور ہیں۔

خلفاءِ فاطمین

از اولادِ امجاد حضرت امام جعفر صادق

حضرت امام جعفر صادق کے ایک صاحب زادہ امام موسیٰ کاظم ہیں جن کا شمار دوازدہ آئمہ میں ہے۔ آپ کے بڑے صاحب زادہ حضرت اسمٰعیل ہیں آپ کا وصال اپنے والدِ ماجد کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ آپ کی خاندانی شاخ اس طرح چلی۔

حضرت اسمٰعیل

|

حضرت محمدؒ

|

حضرت عبداللہ المرضیٰ

|

حضرت احمد الوفیٰ

|

حضرت حسین التقی

|

ابو محمد عبداللہ المہدی

۱- حضرت ابو محمد عبداللہ المہدی ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام حسن عسکری کی رحلت کا سال بھی یہی ۲۶۰ھ ہے غرض حضرت ابو محمد عبداللہ بمقام سلیمیہ یا کوفہ میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۲۹۷ھ میں سلطنت فاطمین کی بنیاد رکھی۔ اس طرح کہ آپ نے افریقہ میں اپنی مساعی جمیلہ کا آغاز کیا۔ اسی وقت سلطنت عباسیہ ضعیف ہو چکی تھی۔ ۳۰۳ھ سے ۳۰۶ھ تک قیروان کے قریب ایک مضبوط شہر اور مستحکم قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام مہدیہ رکھ کر اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ قیروان اور طرابلس کو فتح کرکے مصر فتح کیا۔ آپ تمام مغرب اقصیٰ کی فتح کے بعد اندلس (سپین) کی فتح کا اہتمام کر رہے تھے کہ رحلت فرما گئے۔ آپ نے اپنی سلطنت اپنی حیات ہی میں سرحد مصر سے بحر ظلمات اور جزائر خالدات (کنز تیرہ) تک اور بحیرۂ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیلا لی تھی۔ آپ کی خلافت بڑی بردست اور اتبالمندانہ تھی۔ سیوطی لکھتا ہے کہ آپ نے بڑی دادگستری کے ساتھ سلطنت کی لوگوں کے دل آپ کی طرف بہت مائل تھے۔ آپ کا زمانہ جلوس ۲۹۷ھ مطابق ۹۰۹ء ہے اور تاریخ وفات ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۴ء ہے۔ ۲۴ سال چند ماہ سلطنت کرکے ۶۲ سال کی عمر میں بمقام مہدیہ رحلت فرمائی اور اپنے آباد کئے ہوئے شہر مہدیہ میں دفن ہوئے۔

(۱) اس خاندان میں کل ۱۴ خلفاء ہوئے ان سب کی زندگی نہایت زہد اور تقویٰ کی زندگی تھی۔ زمانہ حکومت ۲۵۰ سال ہے یعنی ۲۹۷ھ مطابق ۹۰۹ء سے ۵۲۷ھ مطابق ۱۱۷۱ء تک یہ سب حضرات خلفاء فاطمین یا سلاطین علویہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(ب) مولوی احسان اللہ صاحب عباسی لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں یہ زبردست سلطنت بنی امیہ اور بنی عباس کے بعد حدود اراضی کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ بڑے عرصہ تک یہ حکومت قائم رہی یہ سلطنت تیسرے درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ بغداد سے مغربی سپین تک پھیلی ہوئی تھی کچھ عرصہ شام یمن۔ حجاز پر بھی انکا اقتدار رہا۔ ایک سال بعد بغداد میں بھی خطبوں کے اندر مستنصر علوی کا نام پڑھا جاتا رہا۔ اندلس یعنی سپین کی اسلامی حکومت بھی کچھ عرصہ ان کے زیر اثر رہی۔

(ج) لین پول لکھتا ہے کہ خاندان فاطمیہ کی دولت و حشمت اور تجارت بحیرہ روم کی خوش حالی کا باعث ہوئی اور علوم وفنون کی بے حد نشر و اشاعت ہوئی۔

۲۔ جناب ابوالقاسم محمد نزار قائم بامر اللہ بن مہدی

آپ کی تاریخ ولادت سنہ ۲۸۰ھ مطابق سنہ ۸۹۳ء اور تاریخ جلوس ۱۵ ربیع الاول سنہ ۳۲۲ھ مطابق سنہ ۹۳۴ء ہے۔ مدت سلطنت ۱۲ سال ۷ ماہ ہے۔ آپ بڑے جنگ آزمودہ تھے۔ اکثر جنگوں میں فوج کی قیادت خود کرتے تھے۔ جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ یہ پہلے فاطمی خلیفہ ہیں جنہوں نے بحیرہ روم پر حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے جہازوں کا ایک زبردست بیڑہ تیار کیا۔ اٹلی کے بحری ڈاکو فاطمی خلفاء کی بندرگاہوں پر لوٹ مار کر جایا کرتے تھے چنانچہ آپ کے سالار جنوبی اٹلی کو مقام گیٹا تک تاراج کرتے ہوئے مشہر جنیوا تک جا پہنچے۔ شہر کو فتح کر لیا اور اٹلی کے بہت سے باشندوں کو گرفتار کر لیا شہر جنیوا مدت تک خلفائے فاطمین کے قبضہ میں رہا۔ انگیرده (لوتبرڈی) کے

ایک حصہ کو بھی مطیع کیا اسکے بعد اپنی توجہ اپنی سلطنت کی ایک بغاوت کی طرف ہو گئی ورنہ پورا اٹلی فتح ہو جاتا۔

۳۔ جناب ابو طاہر اسمٰعیل المنصور باللہ بن القائم

حضرت ابو طاہر سنہ ۳۳۴ھ مطابق سنہ ۹۴۵ء میں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ ۷ سال اور کچھ دن حکومت کی۔ آپ بڑے زبردست منتظم تھے۔ نہایت بہادر مستقل مزاج۔ عقلمند۔ خوش خلق تھے۔ نہایت درجہ قادر الکلام شاعر اور زبردست مقرر تھے۔ فی البدیہہ خطبہ شروع کرتے اور مثل دریا کی روانی کے بیان جاری ہو جاتا۔ اسپین کے اموی خلیفہ ناصر نے مغربِ اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر آپ نے اُسے شکستِ فاش دی۔

اس کے بعد شاہ قسطنطنیہ نے سمندر کی طرف بہت سی فوج صقلیہ کی طرف روانہ کی۔ آپ کی طرف سے ایک زبردست بیڑہ جہازوں کا روانہ ہوا۔ رومی بغیر لڑے بھاگ گئے اور قسطنطین بادشاہِ روم نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ آپ کے گورنر حسن نے شہر الیو کے وسط میں نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی۔

۴۔ جناب ابو تمیم معز الدین اللہ بن المنصور

جناب ابو تمیم سنہ ۳۴۱ھ مطابق سنہ ۹۵۲ء میں بادشاہ ہوئے مدتِ سلطنت ۲۳ سال چھ ماہ ہے۔ آپ سائنس اور فلسفہ کے بڑے ماہر اور علوم و فنون کے بڑے مربی تھے۔ علوم و فنون کی قدر دانی کے لحاظ سے بعض مورخین نے آپ کو مغرب کا "مامون" لکھا ہے آپ کے زمانے میں شمالی افریقہ نے تہذیب و تمدن میں بڑی ترقی کی۔ عوام الناس نہایت خوش حال تھے۔ انتظام سلطنت بہت استوار تھا۔

سمندری بیڑے اور فوج کو از سر نو ترتیب دیا گیا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں چونکہ معز لدین اللہ نہایت رحم دل اور نرم مزاج تھے اور خدا نے ایک عجیب و غریب شعور اور لیاقت ان کو دی تھی کہ ان کے آبائی اعداء بھی ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صفحہ ۱۱۶)

عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ سلطنت نے ان کے زمانہ میں بہت عروج پکڑا مصر اسکندریہ۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ طیبہ غرض تمام مقامات عباسی حکومت سے نکل کر مستقل طور پر ان کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ شام پر بھی ان کا دخل ہو گیا۔ قاہرہ ان کا ہی آباد کیا ہوا شہر ہے جو آج تک مصر کا دارالخلافہ ہے۔ انہی کے زمانہ میں دنیا کے مشہور و معروف قدیم ترین ادارہ علمی یعنی جامعۃ ازہر کی تعمیر ہوئی۔ جس کا علمی فیضان آج تک جاری ہے اور بہ لحاظ عمر کے آکسفورڈ سے زیادہ قدیم ہے۔ یورپ کے طلباء اب بھی علوم عربیہ کی تعلیم کے لئے جامعہ ازہر جاتے ہیں پکتھول جنہوں نے قبول اسلام کے بعد کلام مجید کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔ جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں ان کے زمانہ میں سپین کے اموی خلیفہ سے ایک تصادم ہوا۔ ان کا بحری بیڑہ روانہ ہوا اور فاتحانہ واپس آیا۔ کاش اموی خلفاء ان سے اتحاد رکھتے تو یورپ کی فتوحات کا دروازہ کھل جاتا۔ ۳۴۸ھ کے ختم ہوتے ہوتے مصر سے ساحل اوقیانوس تک انکا تصرف ہو گیا۔ ۳۵۲ھ میں رومیوں سے مقابلہ ہوا اور اسمیں ان کو فتح حاصل ہوئی۔ اور بہت سے رومی گرفتار ہوئے ۳۵۴ھ تک جزیرہ صقلیہ سے رومیوں کی سلطنت بالکل تباہ ہو گئی۔

ان کے زمانہ میں ان کے سپہ سالار ابوالحسن جوہر جو جامعۂ ازہر کے بانی ہیں بہادر

عسکری میں نہایت کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ ان کے زمانہ میں مصر کا چپہ چپہ عباسی اقتدار سے نکل کر سلطنت فاطمیین میں شامل ہوگیا۔ اور ہر جگہ انہی کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ شام اسی زمانہ میں فتح ہوا۔ حجاز بھی اسی زمانہ میں ان کے زیر اثر آیا۔

مورخ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ معز کا خطبہ تمام ممالک مغرب۔ مصر۔ شام۔ حجاز اور ایک حصۂ عراق میں پڑھا جاتا تھا۔

اسی زمانہ میں ۱۵ ہزار اونٹ دس ہزار خچر سکہ ہائے زر سے لدے ہوئے افریقہ سے قاہرہ آئے۔ خزانچی کو حکم تھا کہ ہر روز چند صندوق اشرفیوں کے دربار میں رکھ دئے جائیں۔ محتاجوں کو اجازت تھی کہ انمیں سے ایک ایک مٹھی بھر کر لیجائیں

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب ہم باقی دس خلفاء کے نام نامی درج کئے دیتے ہیں۔

۵۔ جناب ابو منصور نزار عزیز باللہ

۶۔ جناب ابو علی منصور حاکم بامر اللہ

۷۔ جناب ابو الحسن علی ظاہر لاعزار دین اللہ

۸۔ جناب ابو تمیم معد مستنصر بامر اللہ

۹۔ جناب ابو القاسم احمد مستعلی باللہ

۱۰۔ ابو علی منصور امر باحکام اللہ

۱۱۔ جناب عبد المجید میمون حافظ لدین اللہ

۱۲۔ جناب ابو منصور اسمٰعیل ظافر بامر اللہ

۱۳۔ جناب ابو القاسم عیسیٰ فائز بنصر اللہ

۱۴- جناب ابو محمد عبداللہ عاضد لدین اللہ

خلفاء فاطمیین علم و سائنس کے بڑے مربی تھے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں کالج۔ کتب خانے اندر دار الحکومت قائم کئے ہوئے تھے ان علمی خزانوں تک ہر شخص کی رسائی تھی۔ کالجوں میں بکثرت اعلیٰ درجہ کے پروفیسر مقرر تھے۔

مسٹر امیر علی نے بنجامن اوف ٹڈیلہ سے نقل کیا ہے کہ فاطمیوں کے عہد میں صرف اسکندریہ میں فلسفہ کی تعلیم کے واسطے اس نے ۲۰ سے زیادہ کالج دیکھے تھے اسی طرح قاہرہ میں بے شمار کالج تھے۔ اسی طرح نیروان خاص اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے شہروں میں علم کی ترقی اور رعایا کی تعلیم کے لئے عالی شان مدرسے اور کالج تھے۔ انگریزی یونیورسٹیوں میں جو گون گریجویٹ طلباء کو دیئے جاتے ہیں وہ ابتک اسی طرز کے ہیں جیسے کہ عربی خلع (چغے) ہوا کرتے تھے۔

اب ہم آخر میں بارگاہِ نبوی میں اپنی یہ معذوری پیش کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندانوں کی کل شاخوں تک ہماری نظر کوتاہ نہ پہنچ سکی۔ نیز یہ کہ اپنی تالیف میں اختصاراً درج کیا ہے تاکہ ناظرین طوالتِ کتاب سے اپنے مطالعہ میں کسل مندی محسوس نہ کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمائے اور محسنِ عالم کی بارگاہ میں بھی یہ ہدیہ حقیر شرفِ قبولیت پائے۔

ناظرین سے ہماری یہ کہ التماس ہے کہ ہماری تالیف میں جب وہ اس عنوان کے تمام صفحات کا مطالعہ کریں تو وہ ایک نظر دالیسی کے طور پر دیکھیں کہ دنیائے قدیم کے تینوں برِ اعظموں میں سے ہر ایک کو ان حضرات کی تبلیغی، علمی۔ روحانی

اور سیاسی خدمات کس طرح میسر آتی رہیں

۱۔ ایشیا میں حجاز اور عراق سے بغداد اور نیشاپور تک دوازدہ آئمہ کی خدمات جاری رہیں اور اُمت کی گرویدگی کا یہ عالم رہا کہ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کو رشک و حسد ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اُن کی ریشہ دوانیوں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی وقت زہر سے شہید کرنے کا سامان کیا گیا۔

۲۔ یورپ میں اٹلی اور سپین کے بعض علاقے بھی خلفاء فاطمیین کے زیرِ اثر رہے اور اس طرح اس آفتاب کی شعاعیں وہاں تک پہنچیں۔

اگر ہم علماء امت اور اہل اللہ امت میں سے صرف سادات کے گروہِ قدسی کو الگ کر لیں اور ان کے اسماء کی فہرست مرتب کر کے ان کے حالات ایک جلد میں قلمبند کر لیں تو معلوم ہو اس خاندان کی خدماتِ دینی کی مقدار کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے نامِ نامی کو پیش کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس کفر و شرک کے دور میں حضرت خواجہ غریب نواز رح کی دینی خدمات نے ہندوستان کو منور کیا جو ایک ملک ہی نہیں بلکہ ایک بر عظیم ہے آپ سادات حسینی سے ہیں اور سادات حسنی میں بھی حضور غوث پاک جیسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں۔ اب ہم اس کتاب کو حضرت خواجہ معین الدین ہی کے حالات پر ختم کریں گے۔ کیونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعے ہی سے اس ملک ہند و پاکستان میں اسلام کی ضیا پاشیاں ہوئیں۔ مگر مناسب ہے کہ ہم پہلے سن اور صدی کا ربط نمایاں کر دیں جس سے تسلسل خاندان کا پتہ چلے۔

۱۔ رحلت حضرت امام حسن عسکری (گیارھویں امام) ۲۰۶ ... ۔ سنہ ۲۶۰ھ

۲۔ پیدائش حضرت ابو محمد عبداللہ المہدی (بانی خاندان فاطمین) سنہ ۲۶۰ھ

۳۔ اس خاندان کے آخری خلیفہ کی رحلت..... ۵۲۷ھ

۴۔ پیدائش حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح..... ۵۲۷ھ

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۵۲۷ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے اور ۶۳۲ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ حضرت امام علی رضا کی اولاد سے ہیں۔ بارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا تھا اس کی آمدنی ہی معیشت تھی۔ ایک دن آپ اپنے باغ میں تھے کہ ایک مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی تشریف لائے حضور خواجہ غریب نواز نے اپنے باغ سے انگور کے خوشے پیش کئے۔ حضرت ابراہیم قندوزی نے کھل کا ٹکڑا کھانے کے لئے دیا۔ کھاتے ہی دل انوارِ الٰہی سے منور ہو گیا۔ باغ کو فروخت کر کے اس کی قیمت اہلِ حاجت پر تقسیم کر دی۔ اور طلبِ خداوندی کے لئے روانہ ہو گئے۔ سمرقند میں کلام پاک حفظ کیا۔ اور علومِ ظاہری حاصل کئے۔ پھر عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ نیشاپور کی حدود میں قصبہ ہرون میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرتِ موصوف سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اخبار الاخیار اور سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ بیس سال اپنے شیخ کی خدمت میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے اس مدت میں دس سال اپنے شیخ کے ساتھ سیاحت میں بسر کئے۔ اسی سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی زیارات سے شرف اندوز ہوئے۔ پیر و مرشد نے آپ کے حق میں حرم محترم اور

آستانۂ نبویؐ پر دعائیں کیں۔ عالمِ غیب سے ندا آئی۔

"معین الدین دوستِ ما است اورا قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت سے حضور خواجہ غریب نوازؒ کو (تبلیغی مقاصد سے) ہندوستان جانے کی بشارت ہوئی۔ حضور خواجہ عثمان ہرونیؒ نے بڑی شفقت سے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اس وقت سن شریف پچاس برس سے زائد تھا جس وقت حضور خواجہ غریب نوازؒ ہندوستان آئے تو حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ رحلت فرما چکے تھے کچھ عرصہ لاہور میں قیام فرمایا اور پھر ملتان تشریف لائے۔ اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی سے اجمیر دس میں محرم سنہ ۵۹۱ھ میں نزول اجلال فرمایا اور اسی جگہ مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے۔ اس راستہ میں جو آپ نے طے کیا رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں لکھا ہے کہ دہلی سے اجمیر تک۔ آپ کے ہاتھ پر سات سو خاندان مشرف بہ اسلام ہوئے یہ صرف ایک سفر کا کارنامہ ہے۔

اس زمانہ میں دہلی اور اجمیر میں پرتھی راج حکومت کرتا تھا اور یہ اس وقت سب سے بڑی ہندو حکومت تھی۔ پرتھی راج کے حکام نے حضور خواجہ غریب نوازؒ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی مگر کچھ زور نہ چلا۔ آخر سحر اور جادو کے لئے ساحروں کو جمع کیا۔ لیکن خواجہ غریب نوازؒ اپنی روحانی قوت سے ان سب پر غالب رہے اور ایک دفعہ پھر

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ

کا نمونہ سامنے آگیا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ آپکی تعلیم و تلقین سے پرتھی راج کے ملازم اور عام و خاص مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ آخر کار راجہ نے خواجہ غریب نوازؒ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ آپ نے فرمایا۔ "مارائے پتھورا را گرفتیم و دادیم" یعنی

ہم نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کے دشمن کو دیدیا۔ اسی اثناء میں سلطان شہاب الدین غوری جو پہلے ترائن کی پہلی لڑائی میں شکست کھا کر واپس جا چکے تھے دوبارہ پھر ۵۸۸ھ میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ حضور خواجہ غریب نوازؒ سے دعا طلبی کی اور فتحیاب ہوئے پرتھی راج گرفتار ہوا اور مارا گیا اور حضور غریب نوازؒ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ دعا کی قبولیت بھی سامنے آگئی۔ فاتحانہ حملے تو محمود غزنوی نے بھی کئے تھے مگر یہ خواجہ غریب نوازؒ کی دعا کی برکت تھی۔ شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ سے ہندوستان میں سلطنتِ اسلامی کی بنیاد قائم ہوئی۔ حضور خواجہ غریب نواز کی رشد و ہدایت اور آپ کے ساتھ آپ کے خلفاء کی مساعی جمیلہ جاری رہیں حتیٰ کہ ہندوستان کا ملک اسلام کے انوار و برکات سے منور ہو گیا۔ ہندوستان میں زیادہ تر چشتیہ خاندان کی خانقاہیں ہیں۔ اور ان میں آستانہ عالیہ حضور خواجہ غریب نوازؒ سب سے بڑا آستانہ ہے۔ آپ کے سلسلہ میں بڑے بڑے اہل اللہ پیدا ہوتے رہے۔ ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں آج تک انکی خانقاہیں اور آستانے موجود ہیں جہاں سے اسلام کی نشر و اشاعت اور روحانی تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری ہے ان کے آستانے ہر شاہ و گدا اور عام و خواص کے لئے مرجع انام ثابت ہوئے آپ کے خلیفۂ اعظم حضور قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں سلطان شمس الدین التمش بھی حضور قطب الاقطاب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ شاہان سلف کی تعمیر کردہ عمارات آستانہ عالیہ میں موجود ہیں۔ ان کی نذر کردہ جاگیرات ہنوز موجود ہیں اور خود تاریخی واقعات بھی موجود ہیں۔ اور یہ سب چیزیں زبانِ حال سے گویا ہیں کہ یہ سلاطین اسی آستانہ عالیہ سے متمسک تھے۔

آپ کے ارشادات اور ملفوظات کثرت سے کتابوں میں ملتے ہیں اور ذوق طلب

تعلیمات روحانی سے لبریز ہیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ انیس الارواح۔ دلیل العارفین۔ رسالہ در کسب فیض۔ اخبار الاخیار۔ ان کتابوں ہی اکابر نے حضور خواجہ غریب نواز ؒ کو حسب ذیل الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے حضور خواجۂ غریب نواز ؒ کی عظمت وشان کا پتہ چلتا ہے۔

حضور قطب الاقطاب نے آپ کو سلطان السالکین۔ ملک المشائخ اور شمس الفقرا کے القاب سے یاد فرمایا ہے۔ سیر العارفین کے مولف نے برہان العارفین اور سلطان العاشقین کے برگزیدہ الفاظ سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کو قطب الاقطاب حجۃ الاولیاء لکھا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے آپ کو سر حلقۂ مشائخ کبار لکھا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز ؒ کے سلسلہ بیعت کے علاوہ آپ کی اولاد میں بھی بڑے بڑے اولیاء کاملین ہوئے ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادہ کا مزار اقدس آستانہ عالیہ اجمیر شریف ہی میں ہے۔ ایک دوسرے صاحب زادہ اپنے کمال روحانی کے سبب ابدالوں میں شامل ہو گئے تھے تیسرے صاحبزادہ یعنی حضرت خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ اجمیر شریف سے چالیس میل کے فاصلہ پر دیولی روڈ قصبہ سرداڑہ شریف میں واقعہ ہے۔ حضرت خواجہ فخر الدین رح کے صاحبزادہ یعنی حضور خواجۂ غریب نواز ؒ کے پوتے حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ رح کا آستانہ قصبہ سانبھر (ریاست جے پور) میں میں واقع ہے حضرت موصوف کے بعد مسلسل بڑی بڑی ہستیاں اس خاندان میں پیدا ہوتی رہیں۔

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے آپ کے ہاں سجادہ نشینی کا منصب آپ کے خاندان اور

اولاد ہی میں منتقل ہوتا رہا۔ اسمیں صحیح النسب اور نجیب الطرفین ہونے کی شرط کو سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں اسی اصول پر سجادہ نشین حال یعنی میرے عم بزرگ دیوان سید آل رسول علی خان سجادہ نشینی کے منصب پر فائز ہوئے۔ ہمارے اجداد گرامی ہمیشہ رشد و ہدایت اور تبلیغ دین مبین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ انہی مقاصد سے کسی زمانہ میں اجمیر شریف سے چلکر گوڑگاؤں (مشرقی پنجاب) میں آباد ہو گئے تھے اسی ضلع میں سلسلہ رشد و ہدایت جاری رہا۔ ضلع گوڑگاؤں کے قریب موضع دھن کوٹ میں چند پشتیں گذریں۔ اسی موضع میں ایک درگاہ ہے جو خاندان کے بزرگ اور مورث اعلیٰ حضرت پیر فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے تعمیر ہوئی تھی اس میں تین مزار پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔

وسط میں ...... پیر سید فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے (مولف کے مورث اعلےٰ جو اجمیر شریف سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تھے مگر اہل عقیدت کے اصرار پر اسی جگہ آباد ہو گئے)

اُن کے بائیں جانب .... پیر سید کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ (آپ پیر سید فضل علی کے فرزند اور سجادہ نشین تھے)

اُن کے دائیں جانب .... پیر سید خورسند علی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ (مؤلف کے جد امجد)

پیر خورسند علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار فرزند اور تین دختر چھوڑیں۔ نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) پیرزادہ سید آل محمد صاحب مرحوم (مزار ملتان میں ہے۔ اندرون حرم دروازہ

خانقاہ مخدوم صاحب)

۲۔ حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین حضور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ (حال مقیم پشاور)

۳۔ حکیم سید آل احمد صاحب پیرزادہ

۴۔ سید آل نبی صاحب پیرزادہ

میرے (مولف کے) پردادا صاحب یعنی پیر سید کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور عقیدت رکھنے والے حضرات جو موضع دھن کوٹ۔ ضلع گوڑگانوں مشرقی پنجاب میں آباد تھے۔ قیام پاکستان کے وقت ملتان کے قریب ضلع مظفرگڑھ موضع سکندر آباد میں آباد ہوئے آج بھی ان کے بزرگوں کو پیر کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات یاد ہیں جن سے آں ممدوح کا صاحب کشف و کرامت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

میری (مولف کی) دادی صاحب کی عبادات کو میں نے خود دیکھا ہے اور کچھ عرصہ خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ ان کی رحلت قیام پاکستان کے چند سال بعد ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ ان کا مزار سرگودھا میں ہے۔ مسلمانوں کے عام قبرستان سے آگے ایک احاطہ تعمیر ہے اسی میں میری دادی صاحبہ کا مزار ہے ایک لوح مزار کے سرہانے نصب ہے۔ متصل ایک چبوترہ ہے اس پر بیٹھ کر زائرین فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

میرے یہ جملہ بزرگ ذریت حسینؓ ہی سے ہیں۔ ذکر حسینؓ کے ساتھ ان کا ذکر حصول برکت کے لئے کر دیا ہے۔ آخر نام حسینؓ کا سہارا آخرت میں بھی درکار ہے اور اس عالم میں بھی۔

مؤلف کا شجرہ نسب

۱۔ حضرت خواجۂ خواجگان۔ خواجہ بزرگ معین الحق والدین حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری۔ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت خواجہ سید فخر الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ حضرت خواجہ سید حسام الدین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرت خواجہ سید قیام الدین بایزید بال رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ حضرت خواجہ سید نجم الدین خالد رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ حضرت خواجہ سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ حضرت خواجہ سید شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ حضرت خواجہ سید تاج الدین بایزید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ حضرت خواجہ سید نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ حضرت خواجہ سید بدیع الدین محمد بایزید خورد رحمۃ اللہ

۱۱۔ حضرت خواجہ سید معین الدین ثالث رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ حضرت خواجہ سید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۳۔ حضرت دیوان سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ حضرت دیوان سید ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ حضرت خواجہ سید عطا اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ حضرت خواجہ سید ہدایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۷۔ حضرت خواجہ سید حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ حضرت خواجہ سید مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ حضرت خواجہ سید فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۔ حضرت پیر سید کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ حضرت پیر سید خورشید علی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ سید آل محمد صاحب مرحوم پیرزادہ

۲۔ دیوان سید آل رسول سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف

۳۔ سید آل احمد صاحب پیرزادہ

۴۔ سید آل نبی صاحب پیرزادہ

سید آل نبی صاحب پیرزادہ کی اولاد:

۱۔ سید آل مزمل پیرزادہ مولف شاہکار نبوت

۲۔ سید آل مجوب پیرزادہ مولف خاندان نبوت

۳۔ سیدہ حبیب زہرہ بیگم

۴۔ سیدہ فاطمہ زہرہ بیگم

اس تالیف کی یہ چند تکمیلی سطور لکھتے ہوئے قرآن کریم کی یہ مشہور آیت دل میں ایک کیفیت پیدا کر رہی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

ور جی چاہتا ہے کہ وہ دن بخیر و عافیت سامنے آئے جس دن صالحین کے ساتھ ان کی
ذریت کو اس لئے ملحق کر دیا جائیگا کہ ایمان میں اُن کی ذریت نے اپنے آباءِ صالحین کی اتباع
کی۔ حشر کے روز انشاء اللہ الحاق صالحین سے عزت بھی ہے اور راحت بھی۔ اسی
جذبہ کے تحت میرا جی چاہتا ہے اور خاندانی اقربا کی خواہش بھی ہے کہ وہ سب
الحاقِ صالحین کا منظر صفحۂ قرطاس پر تو آج ہی دیکھ لیں۔ میں اس جذبہ کے تحت یہ
فائدہ بھی دیکھتا ہوں کہ خاندان کے نوجوان اور بچوں کو عمل کی دنیا میں یہ احساس
ہے کہ ہم کسی شجرِ طیبہ کے برگ و ثمر ہیں۔ ہم کو اپنے عمل سے روایتِ حسنہ کو ملحوظ رکھنا
چاہئے یعنے اکابر نے دین کی خدمت میں اپنی پوری زندگی صرف کر دی ہمکو بھی ان کی
اتباع لازم ہے اسی مقصد سے اپنے جدِ امجد پیر سید خورسند علی صاحب شہید رحمۃ
اللہ کے چار فرزند اور پھر ان کی تینوں دختر کے اولاد کی تفصیل درج ذیل کرتا ہوں۔

۱۔ سید آل محمد صاحب پیرزادہ۔ لاولد رہے۔ رحلت فرما چکے۔ ملتان میں
مزار ہے۔

۲۔ حضرت دیوان سید آل رسول سجادہ نشین حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

- پیرزادہ سید آل مجتبیٰ (ولی عہد)
  - سید آلِ حبیب
  - سید آلِ حسیب
  - سید آل منیب
  - سید آلِ نجیب
  - سید آل اطہر
  - سید آل مطہر
  - سید آل اظہر
  - سید آل منبر
  - سید آلِ ظاہر
  - سید آلِ ہاشم
  - سید آلِ طاہر
- پیرزادہ سید آل حامد
- پیرزادہ سید آل طہٰ
  - پیرزادہ سید آل آمر
- پیرزادہ سید آل صمدی
  - پیرزادہ سید آل شاہد عرف سید بادشاہ
- سیدہ نذیر خاتون بیگم
  - ان کا عقد سید آل محبوب سے ہوا

۳- سید آلِ احمد پیرزادہ

سید آلِ عبا پیرزادہ — سید آلِ مجتبیٰ پیرزادہ — سیدہ شاہدہ بیگم

سید آلِ عبا پیرزادہ

سید آلِ مرتضیٰ

۴- سید آلِ نبی پیرزادہ

سید آلِ مزمل پیرزادہ — سید آلِ محبوب پیرزادہ — سیدہ حبیب زہرہ بیگم — سیدہ فاطمہ زہرہ

سید آلِ محبوب پیرزادہ: سیدہ طلعت فاطمہ بیگم

سیدہ حبیب زہرہ بیگم: انکا عقد سید فضل النبی سے ہوا

سیدہ فاطمہ زہرہ: انکا عقد سید آل... — سید آلِ شاہد عرف سید...

سید علی اکبر — سید علی اوسط — سید علی اصغر — سیدہ نگہت فاطمہ بیگم

سید نفضل مبین — سید فضل مبین — سید فضل امین — سید فضل رسول — سید فضل حسن — سیدہ نذر فاطمہ

(نوٹ)

پیر سید خورسند علی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تین دختر کی اولاد

حسب ذیل ہیں :-

سیدہ گوہر بیگم
ان کی شادی مولوی
سید فضل کریم سے ہوئی

سیدہ عابدہ بیگم
ان کی شادی سید محمود سے ہوئی

سیدہ اعجازی بیگم
ان کی شادی سید حمید الدین
صاحب سے ہوئی

سیدہ کنیز فاطمہ بیگم
(سیدہ گوہر بیگم کے انتقال
کے بعد سیدہ کنیز فاطمہ بیگم
کی شادی مولوی سید
فضل کریم صاحب سے ہوئی

سید غلام سیدین — سید غلام حسنین — سید غلام طاہر — سیدہ صالحہ بیگم — زاہدہ بیگم — عارفہ بیگم

سید غلام معین الدین — سیدہ کنیز زہرہ بیگم — سیدہ عائشہ بیگم

سید فضل النبی — سید شمس الضحیٰ

الحمدللہ کہ یہ تالیف آج مکمل ہوئی جس کی تکمیل کی تمنا برسوں
دل میں تھی دعا ہے اللہ و رسول کی بارگاہ سے اسے شرف
قبولیت عطا ہو۔ خاندانِ نبوت اور سلطانِ کربلا کی پسندیدگی اسے حاصل ہو
چونکہ یہ تالیف بنامِ پاکِ حسینؑ منسوب ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ بارگاہِ حسینؑ
میں اس کی تکمیل پر ایک سلام نیاز پیش کیا جائے۔

سلام بحضورِ جنابِ امام حسین علیہ السلام

اے کہ فخرِ نوعِ انساں السلام
اے کہ معراجِ مسلماں السلام

راہِ تسلیم و رضا کے راہبر
اے کہ شمعِ بزمِ عرفاں السلام

دین و ملت آپ کے ممنون ہیں
حرزِ ملت۔ حرزِ ایماں السلام

یادگارِ صاحبِ خلقِ عظیم
محسنِ عالم کے احساں السلام

کہہ رہا ہے شاہ کارِ کربلا
معنی و مفہومِ قرآں السلام

دامنِ ثقلِ محمد تھام لو
اور کہو اے نورِ ایماں السلام

کاش گذرے عمر ساجد کی یونہی
آپ ہی کے زیرِ داماں السلام

ماخذِ تالیف

اس تالیف میں مناقب کی آیات جو قرآن کریم سے لی ہیں۔ ان کی تشریح و وضاحت کے لئے تفسیر بیضاوی۔ مدارک۔ کشاف سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مناقب کی احادیث بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ وغیرہ سے لی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ مناقب اور تاریخ کی حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ صواعق محرقہ۔ ابن ہجر مکی۔

۲۔ نور الابصار۔ امام شبنجلی

۳۔ تاریخ طبری۔ امام طبریؒ

۴۔ تاریخ الخلفاء۔ علامہ جلال الدین سیوطی

۵۔ اصابہ فی ذکر الصحابہ

۶۔ اُفق المبین

۷۔ سیرت ناصریہ۔

۸۔ انفاس العارفین۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

۹۔ تاریخ فضلی۔ مولفہ علامہ شیخ ابوالفضل کرمانی۔

۱۰۔ تاریخ فیروزی۔ جلد سوئم۔ مطبوعہ قسطنطنیہ
۱۱۔ اخبار الاخیار۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

مناقب کے اشعار حسب ذیل بزرگوں کے کلام سے لئے گئے ہیں۔
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح۔
حضرت امام شافعی رح۔
حضرت خواجہ فریدالدین عطار رح۔
حضرت مولانا جامی رح۔
حضرت شیخ سعدی رح۔
علامہ اقبال رح۔